ایم کیو ایم شدت پسند تنظیم میں کیسے ڈھل گئی..... حیرت انگیز انکشافات ۲۴

اپریل 2015ء

اُردو ڈائجسٹ

www.urdudigest.com
urdudigest.pk
urdudigest

ڈی ویلیرز کی
ڈرامائی داستان حیات
۸۹

PDFBOOKSFREE.PK

کاروبار کا ایڈونچر ضرور کیجیے

کروڑپتی بننے کے گُر

کامیابی آپ کے قدم بھی
چوم سکتی ہے! صفحہ ۵۴

کراچی ڈوبنے کا خطرہ
ایئنسٹائن کی پیشگوئی ۶۹

۸ کروڑ روپے
کمانے والا اُستاد ۱۲۰

مفتی تقی عثمانی
کی بیگم کا دلچسپ انٹرویو ۴۰

www.pdfbooksfree.pk

325-G-III
فون نمبر 35290701-042 فیکس 35290703-042
ای میل [illegible] ویب سائٹ [illegible]

Full Circulation: ALL PAKISTAN + OVERSEAS 100,000*

Back Cover Title	50,000 Monthly
Back Cover Inside	35,000 Monthly
Title Inside	35,000 Monthly
Full Page Color Inside	25,000 Monthly

Full Page	15,000 Monthly
Half Page	7,500 Monthly

Title Banner	25,000 Monthly
Side Banner	30,000 Monthly
Pop up	20,000 Monthly

Govt Rate applied approved by PID
* Print Plus Digital

Technical Data

Full Page
18 x 14 cm
Half Page
9 x 14 cm
Column
3

Mode of Payment

Payment

Through Bank of Punjab Branch
Samnabad Branch code 0110
Account No 110-800380
or Online payment on mentioned account detail

For more Information Contact us Any time: [illegible]

Note: Ads Should be Delivered before18th of every month

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

TM

Inspired by Nature

برائٹو

پینٹ

اینڈ

وارنش

صاف دیوار ... ایک ہاتھ کی دُوری پر!

دیواروں سے ضدی داغ بھائے ... برائٹو وارنش!

کیچپ، انک اور کافی
جیسے داغ ہوجائیں صاف!

Brighto
PAINTS

brighto.paints | Toll Free 0800-1973 | www.brightopaints.com

www.pdfbooksfree.pk

JOIN OUR FACEBOOK PAGE FOR MORE EXCITEMENT

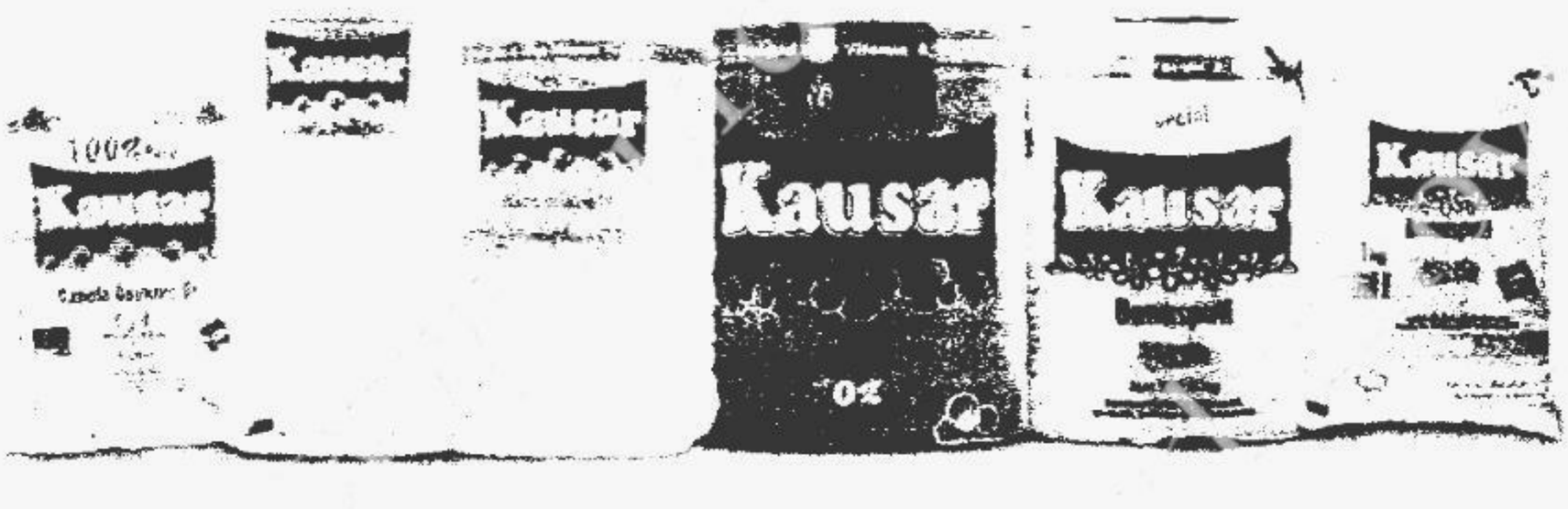

Pakistan Standards

) Facebook.com/KausarCookingOils

Every time you purchase our products **Kausar** will donate [illegible]
Shaukat Khanum Memorial Cancer Hospital and Research Centre.

www.pdfbooksfree.pk

کاروان علم فاؤنڈیشن رجسٹرڈ قائم شدہ 2004ء

ملک وقوم کی خدمت کے دس سال

الحمدللہ

4,359

کم وسیلہ مگر باصلاحیت طلباوطالبات کو

ساڑھے آٹھ کروڑ روپے

سے زائد کے وظائف جاری کیے جاچکے ہیں۔

اب یہ طلباوطالبات برسرروزگار ہوکر اپنے خاندانوں کو غربت اور جہالت سے نکال رہے ہیں۔

682

مزید کم وسیلہ باصلاحیت طلباوطالبات کی درخواستیں سال 2014-15 کے لئے مندرجہ ذیل شعبوں میں زیرغور ہیں

ایم بی بی ایس	181	ایم اے	31	بی ایس آنرز	120	بی اے	10
ڈی وی ایم	09	ایم بی اے/ایم پی اے	06	بی اے آنرز	07	ایم فل	03
ڈی فارمیسی	14	ایم بی آئی ٹی	01	بی بی اے	06	ایل ایل بی	02
فزیوتھراپی	05	ایم کام	07	بی ایڈ	03	اے سی سی اے	04
بی ڈی ایس	09	بی ایس مینجمنٹ	167	بی ایس ایڈ	03	سی ایم اے	02
ایم ایس سی	14	بی کام	05	ایم ایڈ	01	ایف ایس سی	25

ایف اے	14		
آئی کام/آئی سی ایس	03		
ڈی اے ای	12		
بی ٹیک	03		
میٹرک	04		
انٹرمیٹرک	11		

www.pdfbooksfree.pk

آپ کے تعاون نے بدلی ہے ان کی زندگیاں

صائمہ گلزار
(انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ کمیونیکیشن ٹیکنالوجی، لاہور)
(ایک سال کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

ربیعہ حمید
(نیشنل فیڈریشن آف ایجوکیشن ایسوسی ایشن، ایبٹ آباد)
(ایک سال کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

عبدالرشید
(انسٹی ٹیوٹ آف فزیکل میڈیسن اینڈ ریہیبلی ٹیشن، کراچی)
(ایک سال کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

وقار
(ویژوئل کمیونیکیشن ڈیزائن، انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ ڈیزائن، لاہور)
دلشاد رشید
(بیچلر آف ویژوئل کمیونیکیشن ڈیزائن، انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ ڈیزائن، لاہور)

نبیہ مسعود
(نیشنل کالج آف آرٹس، شعبہ گرافک ڈیزائن، لاہور)
(ایک سمسٹر کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

محمد بلال
(بیچلر آف ویژوئل کمیونیکیشن، انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ ڈیزائن، لاہور)
(ایک سمسٹر کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

میزان بنک سمن آباد، لاہور پاکستان — اکاؤنٹ نمبر 0240 0100882859

بنک آف پنجاب سمن آباد، لاہور پاکستان — اکاؤنٹ نمبر 0110 002 000424 0003

بنک آف پنجاب شاہراہ فیصل کراچی پاکستان — اکاؤنٹ نمبر 0247 002 000827 0003

لاہور 19/21 ایکڑ اسکیم، ایوان اردو ایکسٹ سمن آباد، لاہور فون: 042-37522741-42 فیکس: 042-37552576

آفس موبائل: 0321-8461122, 0333-8461122, 0345-8461122 ای میل: info@kif.com.pk

کراچی آفس: 3/1 جی، بلاک 6۔ پی ای سی ایچ ایس، کراچی فون 021-34382303 فیکس 021-34532420 موبائل 0300-9280487

اسلام آباد آفس: کمرہ نمبر 5 فرسٹ فلور مسرت آرکیڈ G-11 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2220933 موبائل 0300-8187044, 0321-5587250

USA Address: 'Karwan-e-ilm Foundation' 19-West 34th Street 1024, New York, NY 1001.
Ph: (212) 268-3500/3501, Fax: (212) 268-3502

www.pdfbooksfree.pk

Copyrighted material

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کا قرآن

اللہ کی یاد

اور جس نے میری یاد سے منہ موڑا، تو اس کے لیے زندگی تنگ ہوگی (یعنی کثرت مال واسباب سے بھی اس کو سکون حاصل نہیں ہوگا) اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے O وہ کہے گا اے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا اور میں تو دیکھنے والا تھا O اللہ فرمائے گا اس لیے کہ تمھارے پاس ہماری آیتیں پہنچی تھیں پھر تو نے ان کو بھلا دیا۔ اسی طرح آج ہم تجھے بھلا دیں گے O آنکھوں کا بہترین استعمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو پڑھا یا جائے۔ ان کو یاد رکھا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۶۔۱۲۴)

رسول ﷺ کا فرمان

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھیں

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید کو پڑھو اس وقت تک جب تک تمھارا دل اور زبان ایک دوسرے کے مطابق ہو اور جب دل و زبان میں مطابقت نہ رہے، پڑھنا چھوڑ دو۔''

(صحیح بخاری کتاب ۶۶۔ باب ۳۷ مسلم کتاب العلم۔ باب ۔۱)

قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہنے کی فضیلت

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس مومن کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا رہا ہے نارنگی کی سی ہے جس کی خوشبو بھی عمدہ ہے اور ذائقہ بھی عمدہ ہے اور قرآن نہ پڑھنے والا منافق اندرائن کے پھل کی طرح ہے جس میں خوشبو بھی نہیں ہے اور مزا بھی کڑوا ہے۔''

(بخاری کتاب ۷۰۔ باب ۳۰: مسلم کتاب صلاۃ المسافرین۔ باب ۔۳۷)

www.pdfbooksfree.pk

Copyrighted material

اخوت

اخوت

Buy a Brick & Build a University

اخوت دنیا میں بلاسود قرضوں کا سب سے بڑا پروگرام ہے (الحمدللہ)۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر قرض بلاسود ہوسکتا ہے تو تعلیم بھی بغیر فیس کے ہوسکتی ہے۔ اخوت یونی ورسٹی میں مستحق خاندانوں کے باصلاحیت بچے پڑھیں گے۔ آپ بھی ایک اینٹ خرید کر یونی ورسٹی کے بانیوں میں شمار ہوسکتے ہیں۔ ایک اینٹ کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔ آپ ایک، دو، دس، بیس، سو ہزار یا اس سے بھی زیادہ اینٹیں خرید سکتے ہیں۔ آیئے پاکستان تعمیر کریں۔

آیئے یونی ورسٹی کے بانیوں میں اپنا نام لکھیں

■	Bank Name	Habib Bank Limited
	Account Title	Brotherhood Education Trust Akhuwat University
	Account No	50097900694355
	IBAN No	PK36 HABB 0050 0979 0069 4355
	Address	Islamic Banking Branch Ali Block New Garden Town LHR
■	Bank Name	Meezan Bank Limited
	Account Title	Akhuwat
	Account No	0100097547
	IBAN No	PK79MEZN0002220100097547
	Swift Code	MEZNPKKAXXX
	Address	House # 6 Block -2 Sector C 1 College Road Township LHR
■	Bank Name	Burj Bank Limited
	Account Title	Akhuwat
	Account No	7401105860000442
	IBAN No	PK50BURJ7401105860000442
	Swift Code	BURJPKKAXXX
	Address	6-D Main Road Shah Alam Market LHR

اخوت ہیڈ آفس: 19۔ سوک سنٹر، سیکٹر اے ٹو، نزد ہمدرد چوک، ٹاؤن شپ، لاہور

فون: +92-42-35122743, 35156382

ای میل: info@akhuwat.org.pk ویب سائیٹ: www.akhuwat.org.pk

www.pdfbooksfree.pk

Copyrighted material

اپریل 2015ء
جمادی الثانی 1436ھ
جلد نمبر 55 شمارہ نمبر 4
www.urdudigest.pk ، urdudigest.com

ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی
الطاف حسن قریشی
طیب اعجاز قریشی
عاصم محمود
غلام سجاد
حافظ افروغ حسن، نوید اسلام صدیقی، سلمیٰ اعوان
فاروق اعجاز قریشی
افنان کامران قریشی
خالد محی الدین
عبدالرحمن، اشرف سکندر

ڈائریکٹر: ڈاکٹر اعجاز قریشی 0300-8460093

advertisement@urdu-digest.com
مینیجر ایڈورٹائزمنٹ: عمر اسلم 0300-4005579
لاہور: ندیم حامد گوجرانوالہ: احسان اللہ بٹ

subscription@urdu-digest.com خریداری کے لیے رابطہ
19/21 ایڈیشنل سمن آباد، لاہور فون 92 42 37589957
پاکستان 1560 کے بجائے 1000 روپے میں
بیرون ملک 60 امریکی ڈالر
اندرون و بیرون ملک سے خریدار اپنی رقم بذریعہ بینک ڈرافٹ
درج ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ارسال کریں
URDU DIGEST Current A/C No. 800380
Bank of Punjab (Samanabad, Lahore.)
Branch Code No. 110

اپنی تحریریں اس پتے پر بھیجیں
325, G-III جوہر ٹاؤن، لاہور
فون نمبر: +92-42-35290738 فیکس: +92-42-35290731
ای میل: editor@urdu-digest.com

اسلام آباد میں چین کے اعلیٰ ترین سفارت کار سے ملاقات میں مجھے کئی سوالوں کے جواب مل گئے۔ یہ بات طے ہے کہ چینی قیادت عنقریب پاکستان کا دورہ کرنے والی ہے جس کے نتیجے میں اربوں ڈالر کے اقتصادی معاہدے طے پائیں گے۔ پاکستانی میڈیا میں چند اینکرز اور صحافی حضرات نے جس طرح اکنامک کاریڈور کو متنازع بنانے کی کوشش کی ہے وہ کسی سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ دراصل چین یہ سمجھ چکا کہ اس کی ترقی اور خوشحالی کا راز پورے خطے کی ترقی ہی میں پوشیدہ ہے۔ اگر اس کی سرحدوں سے متصل ممالک غربت کے اندھیروں میں ڈوبے رہے تو ان میں دہشت گردی، فساد، غریب اور امیر کا فرق بڑھتا جائے گا جس کے اثرات یقیناً چین پر بھی مرتب ہوں گے۔ یہی وجہ ہے، چین مسلسل پاکستان کو بھی تنازعات سے بچ کر اقتصادی راہ پر چلنے کا مشورہ دیتا رہا ہے۔

حالیہ سال یوم پاکستان کے موقع پر طویل عرصے بعد عوام کو خوشی اور مسرت کے لمحات میسر آئے۔ ۲۳ مارچ کو لاہور میں قذافی اسٹیڈیم سے گلبرگ مین بلیوارڈ تک دکھوں اور غموں سے نڈھال اور سوگ میں ڈوبے ہوئے عوام کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑتی رہیں اور انھوں نے بڑے جذبے سے پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ یقیناً یہ منظر نامہ ایک نقطۂ تبدیلی ثابت ہوگا۔

چھوٹے چھوٹے بچے سبز ہلالی پرچم تھامے اپنے والدین کے ساتھ وطن کی آزادی کے گیت گاتے نظر آئے۔ کسی سیاسی وابستگی کے بغیر عوام کو اکٹھے ہو کر قومی دن منانے کا موقع کئی برس بعد ملا۔ اب خوف کے بادل چھٹتے دکھائی دے رہے ہیں۔ سڑک کے دونوں اطراف عوام کا ہجوم اپنے ہیروز کو دیکھنے اور ہم آواز ہو کر ملی نغمے گانے امڈ آیا تھا۔

۲۳ مارچ ہی کے موقع پر کوئٹہ میں پاکستان آرمی کے سدرن کمانڈر ناصر خان جنجوعہ نے پورے بلوچستان سے طلبہ و طالبات کو اکٹھا کر کے مختلف کھیلوں کا انعقاد کیا اور تمام بلوچ

صاحبہ و ناشر الطاف حسن قریشی نے اردو ڈائجسٹ پرنٹرز 24۔ مکلوڈ روڈ سے چھپوا کر سمن آباد، لاہور سے شائع کیا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بھائیوں کو مسلح جدوجہد چھوڑ کر آپس میں مل بیٹھ کر مسائل حل کرنے کی پرخلوص دعوت دی۔ یہ ایک بہادر، زیرک اور معاملہ فہم جرنیل ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے۔ جس طرح پاک فوج کے سپہ سالار جنرل راحیل شریف انتھک محنت اور خلوص نیت کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، یقیناً کور کمانڈر کوئٹہ جنرل ناصر خان جنجوعہ کا ساتھ اُن کے لیے تقویت کا باعث بنے گا۔

گزشتہ شماروں میں ہم لکھتے آئے ہیں کہ حکومت اور فوج یکسوئی کے ساتھ ایک ہی صفحے پر ہیں۔ حالیہ واقعات اور نتائج سے یہ ثابت ہوگیا۔ بلاشبہ مادرِ وطن کو بے شمار چیلنجز اور خطرات درپیش ہیں لیکن ناامیدی، شکست خوردہ اور خوفزدہ قومیں کوئی بڑا فیصلہ اور حکمت عملی بنانے سے قاصر رہتی ہے۔ سب سے پہلے دہشت گردی کا خاتمہ اور اُمید کے چراغ جلانا ضروری تھا۔ اب تمام سیاسی قیادتوں کو وقت ضائع کیے بغیر آگے بڑھ کر اگلے انتخابات تک کی ترجیحات طے کرنا اور سازگار ماحول سے فائدہ اُٹھا کر ملک کو ترقی اور خوشحالی کی راہوں پر گامزن کرنے کی مضبوط بنیاد ڈالنی ہوگی۔ جناب اسحٰق ڈار کو میثاقِ معیشت کے بعد ایک زبردست بجٹ کے ذریعے معیشت کی راہ متعین کرنا چاہیے۔

اسلام آباد میں ہونے والی مسلح افواج کی پریڈ نے بھی عوام میں جینے کی نئی اُمنگ پیدا کردی جو ہر زندہ اور بہادر قوم کا طرہ امتیاز ہے۔ حکومت اور تحریک انصاف میں معاہدۂ مفاہمت کی خاطر خواہ کی، آپریشن ضربِ عضب اور کراچی شہر میں جاری آپریشن کے نتائج نے پوری دنیا کو پاکستان کی طرف متوجہ کردیا ہے۔ آخر سترہ سال بعد حکومت نے فوج کی زیرنگرانی ملک میں ۲۰۱۶ء میں مردم شماری کرانے کا فیصلہ بھی کرلیا ہے۔ بلاشبہ کسی بھی ملک کی ترقی میں مردم شماری کے نتیجے میں حاصل ہونے والے درست اعداد و شمار کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ افسوس پچھلے کئی برسوں سے ہماری حکومتیں، نجی ادارے اور این جی اوز بے بنیاد مفروضوں کی بنیاد پر منصوبہ بندی کرتے رہے جن کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہوسکے۔ اب آنے والے دنوں میں پاکستانی قوم کو مزید خوشخبریوں کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ پھول کھلنے لگے ہیں اور "بہارِ امن" کی آمد آمد ہے۔ قدرت پاکستان کی ترقی کی راہ میں بچھے کانٹوں اور رکاوٹوں کو ایک ایک کرکے ہٹاتی جارہی ہے۔

طیب طارق

tayyab.aijaz@urdu-digest.com

بیروزگاری دور کرنے والے

نوجوانوں اور متوحش والدین کے لیے راہنما تحریر

طیب طارق

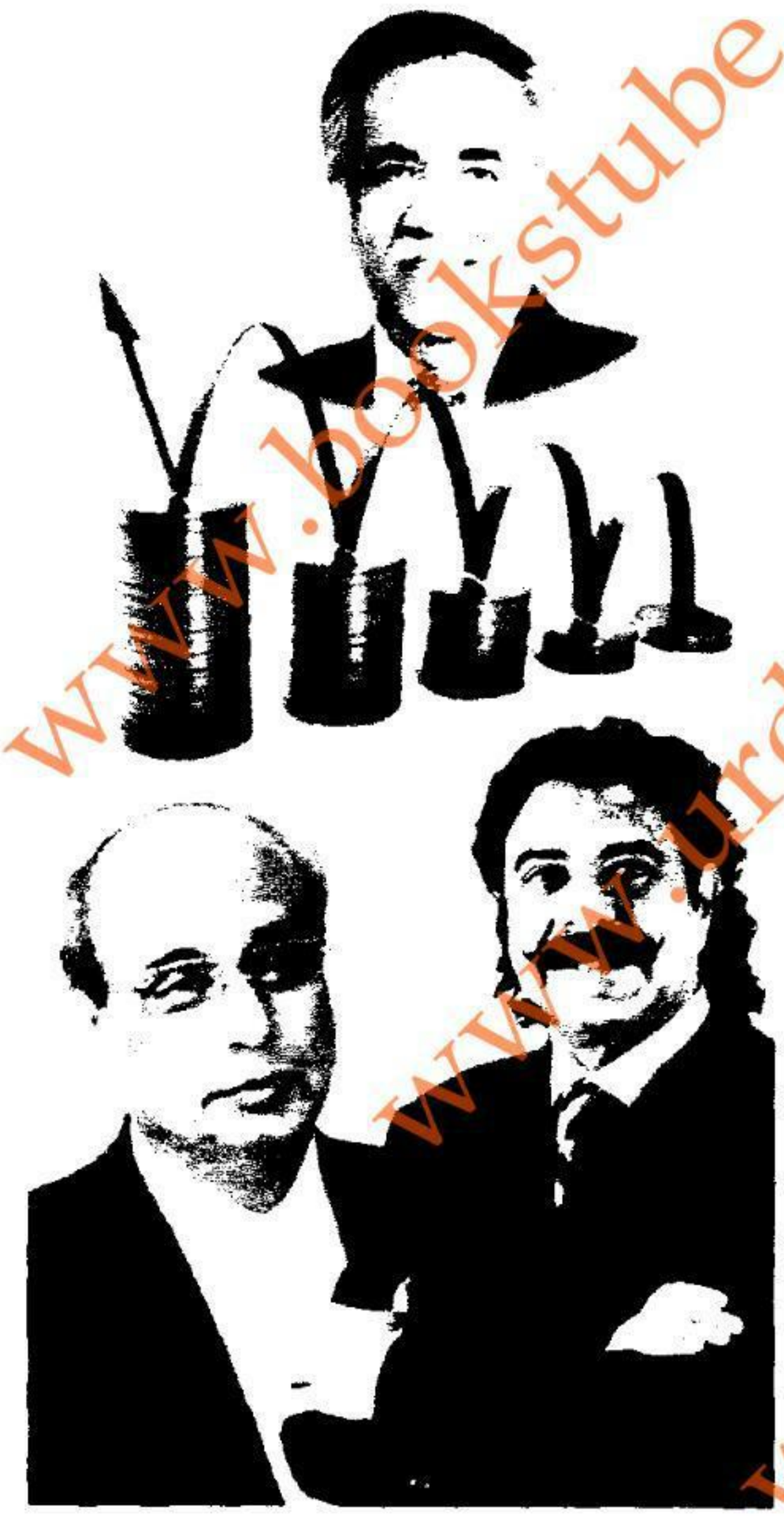

www.urdudigest.net
www.bookstube.net

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سلطان مسعود احمد

ایمان تازہ کر دینے والا بے مثال واقعہ

رضوان احمد ہاشمی

خالق کائنات کی آزمائش پر پورا اترئیے اور دو جہانوں اجر پائیے

سید عاصم محمود

ممتاز عالم دین مفتی تقی عثمانی کی بیگم صاحبہ کا انٹرویو

مولانا عاصم نعمانی

پُرمسرت ازدواجی زندگی کا خزانہ

قاری احمد ہاشمی

اس بڑی مدد سے ایک ناکام مسلمان کامیاب بن سکتا ہے

بھارتی سیاست کا نیا مور

کرپشن نظام کی خامیوں اور خوبیوں پر چشم کشا تحریر

ذیشان احمد

پُرامن کراچی کے بنیادی عناصر

www.pdfbooksfree.pk

Copyrighted material

محمد عبداللہ قریشی

جس کے کلام نے دھوم مچادی

عالیہ شاہ

الطاف حسن قریشی

پاکستانی عدلیہ کا روشن باب

اسرار ایوبی

وہ وقت دور نہیں جب انسان

عام استعمال کی اشیا گھر پر تیار کرے گا

مبین علی

بازروں کی دھنا دھن پٹائی کرنے والے

جنوبی افریقن بلے باز کا سفر زیست

مشتاق مبارک

محمد توفیق

www.urdutube.net
www.urdumovies.net

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ذکیہ علی بیگ

انجانی عورت کی ممتا سے بھوک کے ناتے جڑا رشتہ

صالحہ محبوب

شوہر اور اولاد سے بچھڑی ایک بیوی کا سبق آموز قصہ

نیر مسعود

پالتو جانوروں سے اُلفت رکھنے والے دو انسانوں کا قصہ عجیب

سارہ جیوٹ

ایک دھیاری جب کسی اجنبی سے مدد مانگ بیٹھی

صبیحہ خان

ممتاز اردو ادیب و نقاد کے قابل مثال جیون کی جھلکیاں

عبدالوحید

ازدواجی زندگی میں در آنے والے تلخ حقائق آشکار کرتا افسانہ

مجیب الرحمان مفتی

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد

محمد اسلم اودھی

شریکِ حیات کے نام نذرانہ عقیدت

سراج دین

ایک قانع مزاج بیٹے کی سبق آموز داستان جدوجہد

سلیم آغا قزلباش

ہوا و ہوس کے پتلوں نے جس کا جینا حرام کر دیا

نجیب محفوظ

نوبل انعام یافتہ ادیب کی شاہکار کہانی

ہنری سلاسر

بُرے وقتوں کے لیے سرمایہ اکٹھا کرتے شخص کا قصہ

کنہیا لال کپور

زر و جواہر میں مسرت ڈھونڈتے نوجوانوں کے لیے سنہرا سبق

کرشن چند

گناہوں کی دلدل میں پھنسے ایک انسان کا ماجرا

پروفیسر قاضی غلام محمد

ایک داستانِ قہقہہ بار جس نے شاعر کو تھانے پہنچا دیا

بشیر احمد بھٹی

عقلمندی کا دوسرا نام حاضر جوابی

جاوید احمد صدیقی

بیوی کو نیچا دکھانے کے جنون نے اُسے اندھا کر ڈالا

ذیشان حسن

ان سہل طریقوں پر عمل کر کے انمول زندگی پا لیجیے

تنویر حسین

شادی سے گزرا کہ غم نہ ہووے

منور حسین انصاری

اس ایجاد کا تذکرہ جس نے انسانی اشد ضرورت سے جنم لیا

قصہ کوئز

تبصرہ کتب

چمن خیال

بوجھو تو جانیں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

BMA
Since 1952

®

چلڈرن سیریز

بچوں کی اچھی صحت اور بہترین نشوونما کے لیے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سرکہ بہترین سالن ہے۔ اے اللہ تو سرکہ میں برکت ڈال کہ یہ مجھ سے پہلے نبیوںؑ کا سالن تھا اور وہ گھر غریب نہ ہوگا جس میں سرکہ موجود ہے۔ (ابن ماجہ)

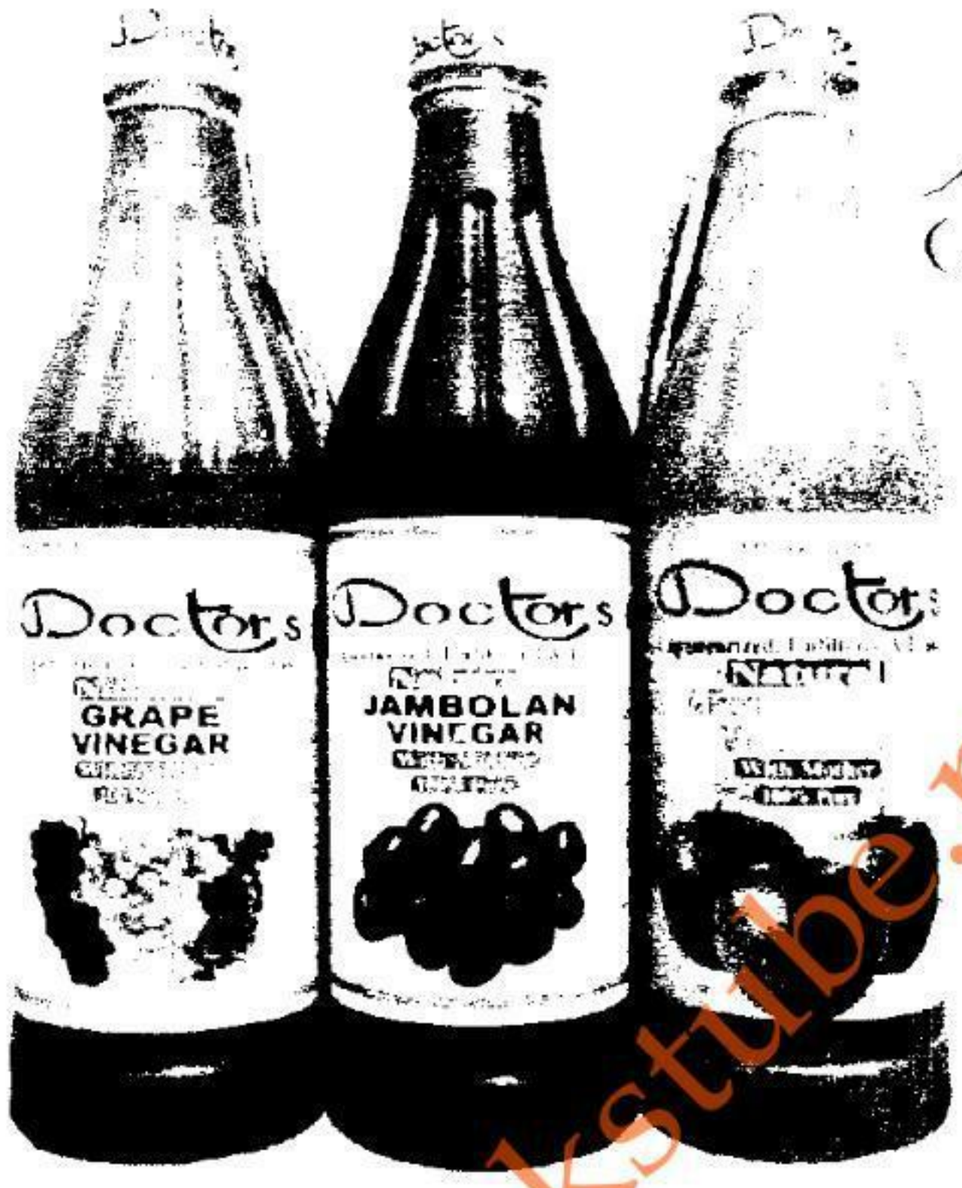

T.M.

Doctor's

Unpasteurized, Unfiltered & Living

Natural

With Mother

100% Pure

انتہائی خالص اور پاک وصاف

WONDERFUL DRUG OF YESTERDAY & TODAY

Doctor's Rosebud Shampoo

★ ★ ★ ★ ★

Doctor's Rosebud Shampoo شیمپو [illegible]

ڈاکٹر اصغر علی (ایم۔بی۔بی۔ایس) 0321-8823321
حافظ مبشر علی 0321-9785644

62-P مرغزار کالونی، ملتان روڈ، لاہور۔

سیالکوٹ 0322-6685444	کراچی 0300-2486243	اسلام آباد 0321-4585442 0512558079	وہاڑی 0300-7722899 067-3362310
ڈسکہ 0321-6144189	ڈیرہ 0300-9518621	پشاور 0300-9596240 0344-3202020	جہانیاں 0306-7821929

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

حقیقت کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ پاکستان کی سلامتی اور خوشحالی کا زیادہ تر انحصار کراچی میں امن اور ہم آہنگی سے ہے جس کا دامن کئی عشروں سے تار تار چلا آ رہا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ جب سے ایم کیو ایم وجود میں آئی اس شہر میں بھتہ خوری' اغوا اور بوریوں میں بند لاشوں کا کلچر پروان چڑھا ہے اور اس نے فسطائی حربوں سے عوامی مینڈیٹ چرانے کا بندوبست بہت مضبوط کر رکھا ہے۔ اسی بنیاد پر کراچی میں بار بار آپریشن ہوئے اور اسٹیبلشمنٹ نے اس جماعت کی طاقت توڑنے کے لیے مختلف نسخے آزمائے' مگر الطاف حسین لندن سے اپنی تنظیم کی قیادت کرتے اور مخالفوں کی ہر تدبیر کو ناکام بناتے رہے۔ ماضی کے تجربات سے سبق سیکھتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف نے کراچی کے تمام اسٹیک ہولڈرز سے طویل مشاورت کی اور اتفاق رائے سے جرائم پیشہ عناصر کے خلاف آپریشن کلین اپ کا فیصلہ کیا۔ مشاورت میں تمام سیاسی جماعتیں' تاجر برادری اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے نمائندے شامل تھے۔ ایم کیو ایم نے جرائم کی خوفناک صورت حال کے پیش نظر خود فوجی آپریشن کا مطالبہ کیا تھا۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ آپریشن کپتان مقرر کیے گئے تاکہ وہ سیاسی اور انتظامی حمایت فراہم کرتے رہیں اور یہ احساس پیدا نہ ہونے پائے کہ امن عامہ کے معاملات میں مرکز غیر ضروری مداخلت کر رہا ہے۔ رینجرز کو آپریشن کی ذمے داری سونپی گئی اور پولیس کو ان کی اعانت پر مامور کیا گیا۔

سندھ رینجرز اور پولیس نے آپریشن میں قابل ذکر کامیابیاں حاصل کیں۔ لیاری میں مافیاؤں کا قلعہ مسمار ہوا' دن رات کی نگرانی اور بھاگ دوڑ سے جرائم پیشہ افراد ہزاروں کی تعداد میں گرفتار ہوئے اور مذہبی انتہا پسندوں کے گرد گھیرا تنگ ہوتا گیا جو فرقہ وارانہ نفرتوں کو ہوا دے اور امن و سلامتی کے لیے خطرہ ثابت ہو رہے تھے۔ دوران تفتیش معلوم ہوا کہ شمالی وزیرستان اور بلوچستان سے دہشت گرد کراچی منتقل ہو رہے ہیں اور بھارت انھیں اسلحہ اور وسائل فراہم کر رہا ہے۔ کراچی میں لاکھوں کی تعداد میں غیر قانونی تارکین وطن کچی آبادیوں میں سر چھپائے رہتے ہیں جہاں بھیانک جرائم پرورش پاتے ہیں۔ پشاور میں جب آرمی پبلک اسکول پر دہشت گردی کا حملہ ہوا جس میں چھوٹے چھوٹے بچے اور فرض شناس اساتذہ خواتین اور مرد شہید ہوئے تو پاکستان کے اندر کہرام مچ گیا۔ سیاسی اور عسکری قیادت نے پورے مسئلے کا وسیع تر تناظر میں جائزہ لیا اور غور و خوض کے بعد قومی ایکشن پلان تیار کیا۔ اس پلان کا اہم ترین پہلو

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

صوبوں میں اپیکس کمیٹیوں کا قیام بھی تھا جس میں کور کمانڈر' ڈی جی رینجرز اور وزیراعلیٰ کے علاوہ انتظامیہ کے اعلیٰ افسران اور سیاسی جماعتوں کے نمائندے شامل کیے گئے۔ سندھ اپیکس کمیٹی کی پہلی میٹنگ کی صدارت وزیراعظم اور آرمی چیف نے مشترکہ طور پر کی جس میں طے پایا کہ قانون شکنوں' جرائم پیشہ عناصر کے خلاف دہشت گردی کے خاتمے اور امن کے قیام تک آپریشن جاری رکھا جائے گا۔ پولیس میں سیاسی اثرات ختم کیے جائیں گے اور اُن کے لیے جدید اسلحہ اور گاڑیاں اپیکس کمیٹی کی منظوری سے خریدی جائیں گی۔ اس فیصلے کے مطابق اعلیٰ حکام کی طرف سے پولیس فورس کو ہدایات جاری ہوئیں کہ وہ قانون نافذ کرتے وقت اندھی اور بہری ہو جائے اور اپنے موبائل ٹیلی فون بند رکھے تاکہ بااثر لوگ دباؤ ڈال سکیں نہ سفارش کر سکیں۔

یہ عجب اتفاق ہوا کہ جونہی سینیٹ کے انتخابات مکمل ہوئے اور آصف زرداری' ایم کیوایم' نیشنل عوامی پارٹی' قاف مسلم لیگ اور جمعیت علمائے اسلام کی حمایت سے میاں رضا ربانی کو چیئرمین منتخب کرانے میں کامیاب رہے' تو دوسرے روز علی الصباح رینجرز نے ۱۳ر مارچ کو ''نائن زیرو'' پر چھاپہ مارا' وہاں سے غیرملکی اسلحہ برآمد کیا اور عزیز آباد سے درجنوں سزایافتہ اور بدنام مجرم گرفتار کر لیے۔ اس غیرمتوقع واقعے سے ایم کیوایم کی پوری قیادت بری طرح ہل گئی کیونکہ اس کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوگیا تھا کہ ایم کیوایم کا اسلحے اور جرائم پیشہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں اور وہ ایک لبرل' پُرامن اور اصول پسند سیاسی جماعت ہے۔ جناب الطاف حسین اُس روز بالکل بوکھلائے ہوئے تھے اور اُن کی طرف سے ہڑتال کی کال پر کراچی کے شہری بہت کم باہر نکلے۔ ایم کیوایم کے ارکان بھی پارلیمان میں آنے سے گریزاں دکھائی دیے۔ دوسرے دن جناب الطاف حسین نے شاہ زیب خانزادہ کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ دھمکی بھی دی کہ رینجرز کے جن افسروں نے نائن زیرو پر چھاپہ مارا ہے' وہ زندہ نہیں بچیں گے۔ ایک سوال کے جواب میں یہ بھی کہا کہ اصل مجرم تو آئی ایس آئی سیکٹر کمانڈر اور ڈی جی رینجرز ہیں' اُنھیں گرفتار کیا جانا چاہیے تھا۔ حیرت ہوئی کہ اس ہرزہ سرائی کے باوجود جناب آصف زرداری نے صوبائی ارکان اسمبلی کا ہنگامی اجلاس بلاول ہاؤس میں بلایا اور اُن سے ایم کیوایم کو حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دینے کا پوچھا گیا؟ سبھی ارکان خاموش رہے' لیکن انھوں نے ایم کیوایم کو حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دے دی اور یوں قیام امن کی سنجیدہ کوششوں کا رخ تبدیل کر دیا۔

کراچی کے عوام نائن زیرو پر سندھ رینجرز کے چھاپے پر بہت خوش تھے کہ ایم کیوایم کی ہیبت کا حصار ٹوٹ گیا تھا۔ پھر صولت مرزا کی پھانسی جو ایم کیوایم کے دباؤ پر سالہا سال سے ملتوی ہوتی آرہی تھی' اُن کے ۱۹ر مارچ کے لیے ڈیتھ وارنٹ جاری ہو گئے۔ اس پر الطاف بھائی نے کہا تھا کہ میں صولت مرزا کو نہیں جانتا اور اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے' تو اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اس بیان سے خوف اور بدحواسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اہل کراچی بہت خوش تھے کہ امن کے غارت گر اب عبرتناک سزا سے نہیں بچ سکیں گے' مگر زرداری صاحب کی طرف سے حکومت میں شامل کرنے

www.pdfbooksfree.pk

کی دعوت نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دیا اور سندھ کی سول انتظامیہ نے رینجرز کے ساتھ تعاون سے گریز کی پالیسی اختیار کی۔ رینجرز کی طرف سے انتظامیہ سے کہا گیا تھا کہ الطاف حسین کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے کہ انھوں نے رینجرز کے افسروں کو قتل کی دھمکی دی ہے' مگر ادھر سے ٹال مٹول ہوتی رہی اور اسی لیے کرنل طاہر کو ایف آئی آر میں مدعی بننا پڑا اور دریں اثنا پھانسی سے چند گھنٹے پہلے صولت مرزا نے اپنا بیان ریکارڈ کرایا جس کے باعث اُس کی پھانسی موخر ہوگئی۔ اس التوا نے بہت سی بدگمانیوں کو جنم دیا اور یہ احساس دلایا کہ ماضی کی طرح ہماری فوج اور ہمارے رینجرز ٹھوس اقدامات پر انحصار کرنے کے بجائے ''انکشافات'' کی سیاست پر بھروسہ کرتے رہے ہیں جو ماضی میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ قیامِ امن کی پہلی شرط یہ ہے کہ مجرموں کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جانی چاہیے' اس لیے صولت مرزا جو بیسیوں افراد کا قاتل ہے' اس کے گلے میں جلد سے جلد پھندا ڈالنا ضروری ہے۔ اس سے ریاست کا دبدبہ قائم ہوگا اور امن تباہ کرنے والوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔

قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر سید خورشید احمد شاہ نے پریس کانفرنس میں کہا کہ ایم کیو ایم سندھ کی دوسری بڑی سیاسی جماعت ہے اور اسے دیوار کے ساتھ لگانے سے معاملات خراب ہوں گے۔ بلاشبہ ایم کیو ایم اُردو بولنے والے درمیانے اور نچلے طبقات کی نمائندگی کرتی آئی ہے اور اس میں فاروق ستار' نسرین جلیل اور فروغ نسیم جیسے سیاسی اور قانونی ذہن رکھنے والے افراد موجود ہیں' مگر کراچی کے حالات پر گہری نگاہ رکھنے والے تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ اس میں دو گروپس ہیں۔ ایک سیاسی گروپ جسے لوگوں کو دکھانے کے لیے نائن زیرو پر شوبیز کی طرح رکھا جاتا ہے' جبکہ دوسرا گروپ ٹارگٹ کلرز اور اُن کے سرپرستوں کا ہے جس میں سیکٹر کمانڈرز' یونٹس انچارج اور میٹیاں شامل ہیں جو اصل حکمران ہیں۔ یہی گروپ منتخب ارکانِ اسمبلی کی حاضریاں لگاتا' اُن کو سزائیں دیتا اور اُن کی ترقی اور تنزلی کا فیصلہ کرتا ہے۔ الطاف بھائی کے اس نامزد گروپ کے سامنے پوری تنظیم بے بس ہے جسے عام طور پر سندھ کی دوسری بڑی جماعت اور پاکستان کی تیسری بڑی پارلیمانی طاقت سمجھا جاتا ہے۔ عمومی شہادتیں موجود ہیں کہ انتخابات کے دن دو بجے کے بعد سیکٹر کمانڈر طاقت کے زور پر ووٹ بھگتاتے اور عوام کے حقیقی نمائندوں کو شکست دینے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ کاروبار سالہا سال سے اس لیے جاری رہا کہ ایم کیو ایم حکومت کا حصہ ہونے کی بدولت اپنے تنخواہ دار ملازموں کو پریذائیڈنگ افسر لگواتی اور ہر طرح کی دھاندلی کرتی رہی۔ اس تنظیم نے کراچی کے وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے' سرکاری اداروں میں اس کے لاکھوں حمایتی پرورش پا رہے ہیں جو آن واحد میں شہر کا امن و امان تہ و بالا کر دینے کی مہارت رکھتے ہیں۔ اس کی دیکھا دیکھی بعض دوسری جماعتوں میں بھی اسلحہ بردار لوگ داخل ہو گئے ہیں جو سیاسی اور جمہوری عمل کو یرغمال بنائے ہوئے ہیں اور ہر نوع کی دہشت گردی اور قانون شکنی میں ملوث ہیں' چنانچہ کراچی میں قیامِ امن کے لیے ایک جامع حکمتِ عملی وضع کرنا اور اس پر دیانتداری اور غیر جانبداری سے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

عمل درآمد از بس ضروری ہے۔ ہم چند نکات پیش کرتے ہیں:

ا۔ کراچی کا آپریشن درست سمت میں چل رہا ہے' اس لیے ٹی وی چینلز پر اس کی حمایت میں کراچی سے مستند اور محکم آوازیں اٹھنی چاہئیں۔ اس امر کا اہتمام ہونا چاہیے کہ سیاسی جماعتیں اور سول سوسائٹی کی تنظیمیں کراچی سے ایسی شخصیتوں کو آگے لائیں جو آپریشن کی ملکیت کا پورے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کریں اور عوامی رائے کو سیکیورٹی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے حق میں ہموار کرتے جائیں۔ اس کے بہت گہرے اور نہایت مثبت نفسیاتی اثرات پیدا ہوں گے۔

۲۔ آپریشن میں بنیادی کردار ادا کرنے والے اداروں کو ایک اعلیٰ پائے کا تھنک ٹینک قائم کرنا چاہیے جس میں ایک درجن کے لگ بھگ ایسے اصحاب شامل کیے جائیں جو کراچی کے مزاج اور تاریخ سے پوری طرح باخبر ہوں اور ''سویلین دانش'' سے کام لینا جانتے ہوں۔ کوئی بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے اسٹیبلشمنٹ تھنک ٹینک سے مشورے کرے اور اس امر کا جائزہ لے کہ کسی فوجی اقدام کے سول آبادی پر کس نوعیت کے اثرات مرتب ہوں گے۔ بعض اوقات ایک فیصلہ فوجی اعتبار سے بہت مناسب معلوم ہوتا ہے' مگر وہ سویلین مزاج کو برہم کرسکتا ہے۔

۳۔ کراچی میں تمام سیاسی جماعتوں کے لیے آزادی سے کام کرنے کا ماحول پیدا کیا جائے اور مینڈیٹ چرانے کے تمام راستے بند ہونے چاہئیں۔ آنے والے ضمنی اور بلدیاتی انتخابات میں فوج کو سیاسی اتفاق رائے سے پولنگ اسٹیشنوں کی حفاظت کرنا اور جمہوریت پر شبخون مارنے والوں کے خطرناک عزائم ناکام بنانا ہوں گے۔

۴۔ سیاسی فسطائیت کو شکست دینے کے لیے ضمنی انتخابات اور بلدیاتی انتخابات میں جمہوریت پر یقین رکھنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ خوش دلی سے تعاون کرنا بے حد ضروری ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ضمنی انتخابات میں تمام اُمیدوار جماعت اسلامی کے حق میں دستبردار ہوجائیں' کیونکہ ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں بائیکاٹ کے باوجود اس کے اُمیدوار نے قابل ذکر ووٹ حاصل کیے تھے۔

۵۔ اُردو بولنے والی آبادی کی ترقی پر خصوصی توجہ اور اُن کے جائز حقوق کی ہر ادارے میں حفاظت کرنا قیام امن کی دوسری بڑی شرط ہے۔

۶۔ ایم کیو ایم کو قومی دھارے میں لانے کے لیے سنجیدہ کوششیں کی جائیں اور اگر اس کی قیادت اپنی جماعت کو جرائم پیشہ عناصر سے پاک صاف کرنا چاہتی ہے' تو اس کی مدد کی جائے اور اسے پورا پورا موقع فراہم کیا جائے۔

۷۔ مذہبی انتہا پسندوں کو اعتدال کی زندگی بسر کرنے کی طرف مائل کرنے کے لیے دینی راہنماؤں' صحافیوں اور دانشوروں سے مدد لی جائے۔ شہر میں بین المسالک اور بین المذاہب ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے سیمینار اور اجتماعات منعقد کیے جائیں نیز صحت مند سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ ۲۳ر مارچ کی فوجی پریڈ نے عوام کے حوصلے بہت بلند کیے ہیں اور اُن میں دہشت گردوں کو شکست دینے کا یقین پیدا ہوا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

۸۔ دہشت گردوں کے خلاف طاقت کے استعمال کے ساتھ ساتھ ذہن سازی پر بھی توجہ دینا لازمی ہے۔ اب سول انتظامیہ کو انسانی ترقی پر خاص اہمیت دینا ہوگی۔ عسکریت پسندی پر قابو پانے کے لیے سیاسی اور عسکری قیادت کے شانہ بہ شانہ کام کرنا ہوگا۔ فوج' رینجرز اور پولیس کی شبانہ روز کوششوں کے باعث عوام کے اندر اُن پر اعتماد میں اضافہ ہوا ہے جو بلاامتیاز کارروائی اور اچھی حکمرانی کے ذریعے قائم رہنا چاہیے۔ عوام یہ منظر دیکھنے کے منتظر ہیں کہ شہر میں بلاول ہاؤس اور مردان ہاؤس کے قرب و جوار سے بھی ناکے ختم کیے جائیں اور کراچی ایک صاف ستھرا اور کھلا شہر دکھائی دے۔

۹۔ یہ تلخ حقیقت دہرانے کی ضرورت نہیں کہ کراچی میں اسلحے اور منشیات کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ اس نیٹ ورک کو مسمار کرنے کے لیے انٹیلی جنس سسٹم کو مضبوط کرنا' تمام قانون نافذ کرنے والی فورسز کو سیاسی آلائشوں سے محفوظ رکھنا' سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگ ختم کرنا اور کڑے احتساب کے ذریعے کرپشن پر قابو پانا ہوگا جو ہمارے قومی وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔

۱۰۔ سندھ میں ایک غیر جانبدار گورنر وقت کی اہم ضرورت ہے کہ تیرہ برسوں کے اندر مفادات کے محل تعمیر ہو چکے اور دائروں کے اندر دائرے وجود میں آ چکے ہیں۔

الطاف حسن قریشی

مضمون لکھیں عمرہ ٹکٹ پائیں

اہلِ علم قائداعظم محمد علی جناحؒ کے حالاتِ زندگی پر مرتب کی گئی علامہ عبدالستار عاصم کی ملکی تاریخ کی پہلی اور واحد بڑی کتاب ''انسائیکلوپیڈیا جہان قائدؒ'' پر بہترین مضمون لکھنے پر عمرہ ٹکٹ اوّل انعام ،۲۵۰۰۰ روپے اور ۱۰۰۰۰ روپے دوم اور سوم انعام حاصل کریں۔ جبکہ تمام شرکا کو محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان قومی ہیرو، نامور ادیبہ آپا جی بانو قدسیہ اور سینئر کالم نویس ڈاکٹر اجمل نیازی کے آٹوگراف والے سرٹیفکیٹ بھی دیے جائیں گے۔

رابطہ: علامہ عبدالستار عاصم
چیئرمین قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل
سٹریٹ 10۔اے یثرب کالونی
بنک سٹاپ والٹن روڈ، لاہور کینٹ
0323-0333-4393422
qalamfoundation@gmail.com

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سیمی

فائنل میں نیوزی لینڈ کے ہاتھوں جنوبی افریقا کی شکست کے بعد اس کے کھلاڑیوں کو بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ ان کی آنکھوں سے رواں آنسو مجھے آکاش پر چمکتے ستارے دکھائی دیے۔ مجھے ان آنسوؤں پر رشک آیا اور دل چاہا کہ بڑھ کر ان آنسوؤں کو احتیاط سے اپنے رومال میں ہمیشہ کے لیے خوشبو کے مانند محفوظ کرلوں۔ یہ ہوتی ہے قومی حمیت اور وطن سے جنون کی انتہا کو چھوتی وابستگی۔

۱۹۹۶ء میں مجھے بطور منیجر پاکستان والی بال ٹیم دبئی میں الرشید چیمپئن شپ میں شرکت کا موقع ملا۔ ہماری ٹیم کم تر معیار کی ٹیم سے پول میچ ہار گئی۔ اسٹیڈیم سے ہوٹل واپسی کے سفر کے دوران احساسِ زیاں سے عاری کھلاڑیوں کو بھارتی گانوں کی دھنوں پر رقص کرتے دیکھ کر پاکستانی ٹیم کے چینی کوچ مسٹر لوان کا چہرہ ضبط کے باوجود غضب سے سرخ ہوگیا۔ بولے ''مسٹر توفیق! انھیں ذرا بھی احساس نہیں کہ یہ ملک کی بدنامی کا باعث بنے

کرکٹ ورلڈ کپ ۲۰۱۵ء میں

پاکستانی ٹیم کی ناقص کارکردگی

شکست کی وجوہ کا کھوج لگاتے چشم کشا حقائق

محمد توفیق

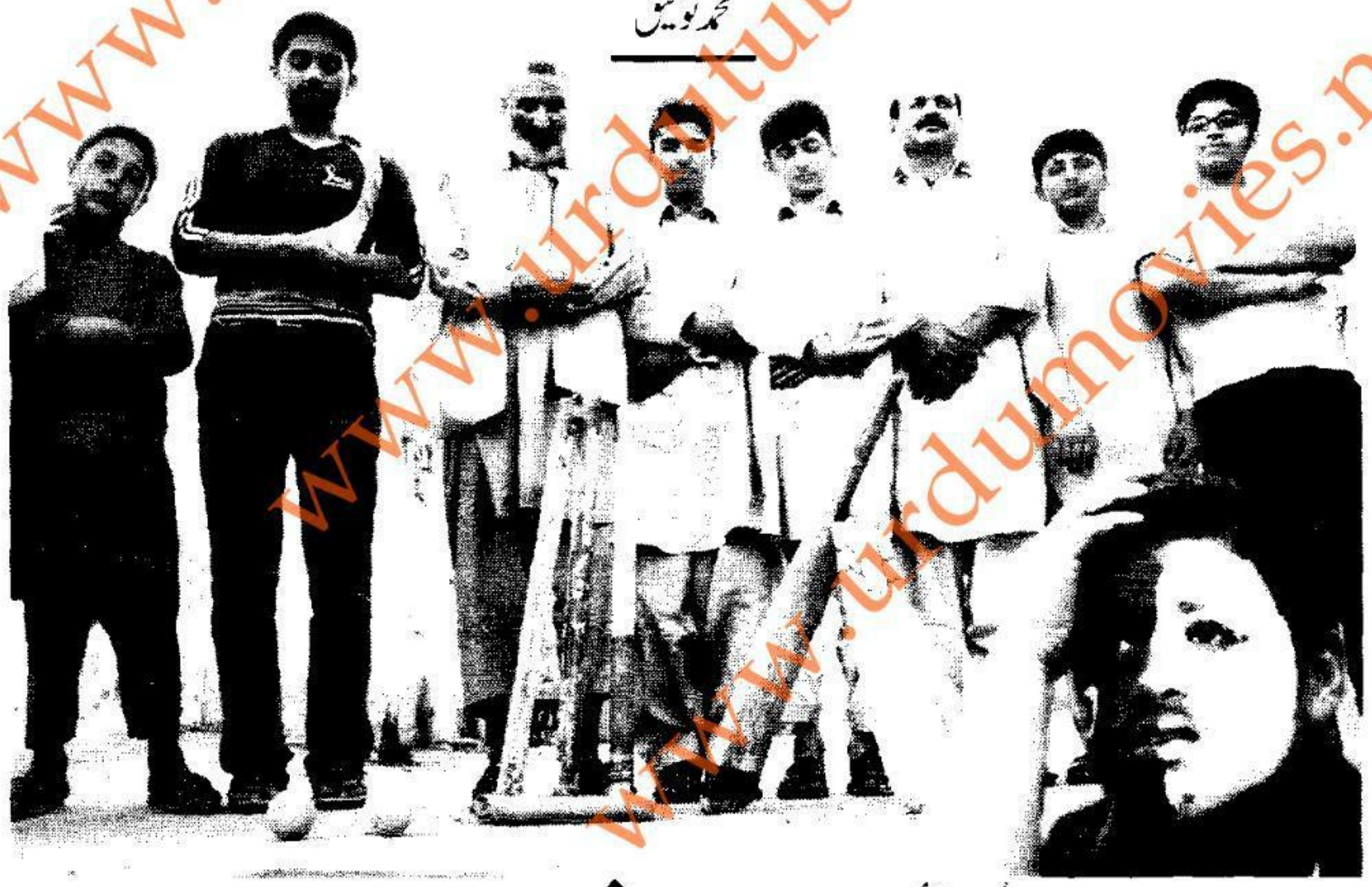

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہیں۔ اگر چینی ٹیم یہ حرکت کرتی' تو اسے ریڈ آرمی فائرنگ اسکواڈ کے سامنے کھڑا کر دیتی۔'' مسٹر لوان کے وہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں بازگشت کی طرح گونج رہے ہیں۔

کوئی صاحب بھینس خریدنے گئے۔ مالک نے ایک بھینس کی خصوصیات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا'' یہ روزانہ پانچ کلو دودھ اور ہر سال ایک بچہ دیتی ہے قیمت دس ہزار! دوسری بھینس نہ دودھ دیتی ہے نہ بچہ قیمت بیس ہزار!''

خریدار نے حیران ہو کر پوچھا ''جو بھینس پانچ کلو دودھ اور ہر سال بچہ دیتی ہے' وہ دس ہزار اور یہ بیس ہزار!''

مالک نے اطمینان سے جواب دیا'' جناب کردار کی بھی کوئی قیمت ہے یا نہیں؟''

آج کرکٹ مقبول کھیل ہونے کے ساتھ ساتھ بدنام ترین کھیل بھی بن چکا۔ کھلاڑیوں نے ''شرافت'' کا دامن چھوڑ کر چالاکی ، نظر کے دھوکے اور ہاتھ کی ''صفائی'' سے کام لینا شروع کیا' تو شرفا کی تفریح لفنگوں کا کھیل بن گئی۔ گالم گلوچ ، مار پیٹ، جانبدار امپائرنگ، باؤنسر، سلیجنگ اور میچ فکسنگ و سپاٹ فکسنگ جیسی لعنتوں نے کرکٹ کا حقیقی حسن گہنا دیا۔ کرکٹ اب باقاعدہ کاروبار بن چکی۔ وہ مثبت سرگرمیوں کو فروغ دینے کے بجائے نوجوانوں میں منفی رویے پیدا کرتی ہے۔ کیا دولت اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے کہ ہمارے ''ہیرو'' ملک کی عزت، توقیر، وقار اور تقدس کا ذرا بھر خیال بھی نہ رکھ سکیں؟

پاکستان کرکٹ کا آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ ہمارے اکثر ہیرو ماضی میں غیر قانونی، غیر اخلاقی اور مشکوک سرگرمیوں میں ملوث رہے اور ''چور چور'' کہلاتے رہے۔ حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ شعیب اختر، عامر سہیل اور سرفراز نواز خدائی فوجدار بنے ٹیم کو اخلاقیات کا بھاشن دینے لگے' حالانکہ یہ تینوں اپنے دور میں ڈسپلن کی دھجیاں اڑانے کی غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں۔ آئینہ دکھانے کی غرض سے دیگ کے کچھ دانے بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں۔

۲۰۰۵ء میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کے ایک کھلاڑی پر آسٹریلین بورڈ نے خاتون سے زیادتی کا الزام لگا کر ملک و قوم کو بدنام کرنے کی کوشش کی' لیکن پاکستان بورڈ کھلاڑی کا نام منظرِ عام پر نہ لایا۔ ۲۰۰۲ء میں شعیب اختر کو ایک بھارتی کلب میں حسینہ کا ہاتھ پکڑنے پر تھپڑ بھی پڑا' لیکن پاکستان کرکٹ بورڈ نے سختی سے نوٹس لینے کے بجائے اس کے کیے پر پردہ ڈالا۔ ۱۹۹۳ء میں قومی کرکٹ ٹیم کے باؤلر وقار یونس ، وسیم اکرم اور مشتاق احمد ویسٹ انڈیز میں چرس پینے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں قومی ٹیم کے بلے باز قاسم عمر نے سابق کپتان عمران خان پر منشیات کے استعمال کا الزام لگایا۔ جواباً قاسم عمر پر پابندی لگا دی گئی۔

عمران خان کے اپنے دور میں ریما، سیتا وائیٹ سمیت کئی خواتین کے حوالے سے اسکینڈل بنے۔ وہ ٹیم کے انتخاب کے معاملے میں حد سے بڑھ کر آمرانہ روش اپنائے رہے۔ جاوید میانداد ۱۹۸۷ء کے عالمی کپ میں آسٹریلیا کے خلاف سیمی فائنل سے قبل ساتھیوں کے ساتھ بازارِ حسن گانا سننے گئے اور اگلے روز ٹیم میچ ہار گئی۔ وسیم اکرم، سلیم ملک اور کئی کھلاڑی موصوف کے ہمراہ تھے۔ ۱۹۹۶ء میں بھارت کے ہاتھوں شکست ہوئی' تو کھلاڑیوں پر جوئے اور میچ فکسنگ کے ساتھ ساتھ منشیات استعمال کرنے کا الزام بھی لگا۔

۱۹۹۸ء میں فاسٹ باؤلر شعیب اختر ٹیم کے ہمراہ انگلینڈ دورے پر گئے اور ہوٹل میں شراب پی کر کمرے کو آگ لگا دی۔ اس پر پی سی بی نے ہوٹل والوں کو ۵۰ ہزار پونڈ جرمانہ ادا کیا۔ شعیب اختر کو ۱۹۹۹ء میں راولپنڈی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں منشیات استعمال کر کے گاڑی چلانے کے الزام میں پکڑا گیا۔ مجیب الرحمٰن اس وقت پی سی بی کے چیئرمین تھے' ان کی مداخلت پر رہائی ملی۔ شاہد آفریدی نے ۱۹۹۷ء میں سری لنکا کے دورے سے واپسی پر لڑکی کو چھیڑ دیا جس سے وہاں اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ آخر بمشکل معاملہ حل ہوا۔ سنگاپور روانگی سے قبل ۲۰۰۰ء میں شاہد آفریدی پر الزام لگا کہ وہ ہوٹل میں خاتون کو لے آئے۔ اس کے ہمراہ عتیق الزمان اور حسن رضا بھی تھے۔ ان کو ۵۰' ۵۰ ہزار روپے جرمانہ ہوا۔

۹۸-۱۹۹۹ء میں جنوبی افریقا کے دورے کے دوران شعیب اختر اور دیگر کھلاڑی جن میں ثقلین مشتاق' محمد اکرم بھی شامل تھے' شراب پی کر سڑک پر بلڑ بازی کر رہے تھے کہ کالوں نے پٹائی کر دی۔ سابق ٹیسٹ کرکٹر سرفراز نواز بھی انگور کی بیٹی کے شوقین رہے ہیں۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء ہی میں معین خان پر شراب لانے کا الزام لگا جو کسٹم افسران نے تلاشی کے دوران برآمد کی تھی۔ ۲۰۰۲ء میں آل راؤنڈر عبدالرزاق نے کزن سے شادی کے بعد ہنی مون منایا اور پھر شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ ۲۰۰۱ء میں شعیب اختر کی نائٹ کلب میں گوری کے ساتھ تصاویر کھینچ کر نہ صرف اُسے بلکہ پوری قوم کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔

شعیب اختر خود تو چرس وغیرہ استعمال کرتے تھے' نوجوان کھلاڑیوں کو بھی اپنے نقش قدم پر چلایا۔ پہلے فضل اکبر اور پھر محمد آصف کو اپنے ساتھ شامل کیا۔ محمد آصف پر ۲۰۰۶ء میں اینٹی ڈوپنگ یعنی نشہ آور ممنوع ادویہ کا استعمال کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ ۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء میں پاکستان کے دورے پر آئی جنوبی افریقن ٹیم فیصل آباد میچ کھیل رہی تھی کہ شاہد آفریدی نے گیند چھپا کر خراب کرنے کی کوشش کی اور بعد میں معافی بھی مانگی۔ عبدالرحمٰن انگلینڈ میں کاؤنٹی کے دوران سپاٹ فکسنگ میں ملوث ہونے کے الزام میں سزا اور جرمانہ بھر چکے۔ سپنر دانش کنیریا پر بھی انگلینڈ کاؤنٹی کے دوران سپاٹ فکسنگ کا الزام لگا۔ ان پر ابھی تک پابندی برقرار ہے۔

جنوبی افریقن کھلاڑی شکست پر روتے ہوئے

۲۰۱۲ء قومی ٹی ٹوئنٹی میچ میں سیالکوٹ کی ٹیم کے کپتان نے لاہور کو ہرانے کے لیے کراچی سے دانستہ شکست کھائی اور بعد میں اس کا اعتراف بھی کیا۔ ۲۰۱۲ء-۲۰۱۳ء میں انگلینڈ میں ہونے والے سپر سکسر ٹورنامنٹ میں عمران نذیر نے پاکستان کو ہرانے کے لیے دانستہ طور پر ۴۵ رنز دیے جو ورلڈ ریکارڈ ہے۔ اس اوور میں انھوں نے چھے نو بال بھی کیے۔ آسٹریلیا نے آخری اوور میں 45 رنز بنا کر میچ جیتا۔ ۲۰۱۰ء میں قومی ٹیم کے وکٹ کیپر ذوالقرنین حیدر ٹیم مینجمنٹ کو بتائے بغیر ہوٹل سے غائب ہو گئے۔ سیریز کے دوران ہوٹل سے چلے جانا دنیائے کرکٹ کے لیے انوکھا واقعہ تھا۔

۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۰ء میں پاکستانی ٹیم انگلینڈ کے دورے پر تھی۔ تب تین کھلاڑیوں سلمان بٹ، محمد آصف اور محمد عامر کو سپاٹ فکسنگ کے باعث تینوں کو الزام ثابت ہونے پر باقاعدہ جیل بھیجا گیا اور جرمانے بھی کیے گئے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ان قومی جرائم، بھیانک و فاش غلطیوں، مفاد پرستی کو ہم ہنود و یہود اور غیروں کی سازشی تھیوریوں پر محمول کرتے ہوئے قالین کے نیچے سرکانے کی خود فریبی کے مرض میں مبتلا رہے ہیں۔ حالانکہ مونر تیر نے کہا تھا

''اطمینان رکھ تیرا گناہ خود تجھے ڈھونڈ لے گا۔''

عمر بھر ہم سے غلطیاں ہوتی رہیں
دھول چہرے پہ تھی، ہم آئینہ صاف کرتے رہے

ڈراما باز شعیب اختر نے گھٹیا بھارتی کامیڈی شو میں بھارتیوں کی خوشنودی اور چند ٹکے حاصل کرنے کی خاطر اپنے کھلاڑیوں اور بزرگوں کی جو بھونڈی نقلیں اتاریں اور مسخرے پن کا مظاہرہ کیا، اس کی مذمت کے لیے تو الفاظ بھی خود کو شرمندہ محسوس کرتے ہیں۔ چینی کہاوت ہے ''خوددار لوگ رسوائی والے کام نہیں کرتے۔'' دنیا کی مصیبتوں کا ۳/۴ حصہ زبان کا پیدا کردہ ہے۔ انھیں احساس نہیں کہ ''اگر اپنی ماں بیمار ہو تو اسے چھوڑ کر کترینہ کیف کو ماں نہیں بنایا جا سکتا۔''

تہمت لگا کے ماں پہ جو دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیے

مکمل انتظامی ناکامی کی تصویر بنا پاکستان کا کرکٹ بورڈ۔ اس کی مکمل صفائی اور شفافیت کو یقینی بنانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ پی سی بی اپنی بدعنوانیوں کے معاملے میں بہت بدنام ہے۔ سابق کھلاڑی اور جغادری صحافی اسے بلیک میل کرتے رہے ہیں۔ کوئی اعلیٰ عہدے لینے تو کوئی غیر ملکی دورے کے چسکے لینے کے لیے! مروجہ طریقہ واردات یہ ہے کہ پہلے میڈیا پر پی سی بی کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ پھر جب ملازمت مل جائے، تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ پی سی بی اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ان سابق کرکٹرز کی یرغمال بنی ہوئی ہے جنھیں خطیر تنخواہ کے علاوہ گاڑی اور دیگر مراعات بھی ملتی ہیں۔

اکثر افسر تو دفتر آنے کی زحمت تک بھی نہیں کرتے۔ پی سی بی کے ملازمین جو مختلف عہدوں پر فائز ہیں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے مسلسل سازشوں کے جال بنتے اور دھڑے بندیوں میں مصروف ہوتے ہیں۔

کرکٹ بورڈ کی آمدنی بلیک میلر سابق کرکٹرز میں شیر مادر سمجھ کر بانٹنے کے بجائے اس سے انڈر ۱۹، اے ٹیم کے باصلاحیت کھلاڑیوں کی آسٹریلیا، برطانیہ کی کرکٹ اکیڈمیز اور کاؤنٹیز میں جدید سائنٹفک بنیادوں پر تربیت کا اہتمام یقینی بنایا جائے۔ حفیظ کاردار، فضل محمود، امتیاز احمد، جاوید برکی، حنیف احمد، سعید احمد جیسے کپتانوں کے دور میں عموماً ٹیم کا انتخاب میرٹ پر کیا جاتا رہا۔ انتخاب عالم کے دور میں پہلی مرتبہ اقربا پروری کا وائرس ٹیم سلیکشن میں وارد ہوا۔ اب معاملات اس نہج پر پہنچ چکے کہ شائقین معصومیت سے پوچھتے ہیں کہ آخر ہماری ٹیم ہار کیوں رہی ہے؟ حالانکہ اصل سوال تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ جیت کیسے جاتی ہے؟

آسٹریلیا میں جب ہمارے شاہین میر سپاٹا کر رہے تھے، پیشہ ور بھارتی ڈیڑھ فٹ اونچے اسٹول سے پھینکی جانے والی گیندوں پر مشق کرنے میں مصروف تھے تاکہ عرفان کی پٹائی کر سکیں اور ہم ان کا تمسخر اڑا رہے تھے۔ کیا کوئی یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ گزشتہ دو سالوں میں پاکستان کرکٹ بورڈ نے جو دو ارب ۲۸ کروڑ روپے مالِ مفت دلِ بے رحم سمجھ کر اڑا دیے، اس سے کتنے کھلاڑیوں کو تربیت دی گئی؟ نوجوان کھلاڑیوں کی صلاحیتوں کو مہمیز لگانے کی غرض سے کتنے تربیتی ادارے قائم کیے۔

بھارت میں مختلف کاروباری اداروں کے باہمی اشتراک اور مالی معاونت سے ۲۱ نئے ''سنٹر آف ایکسیلنس'' دن رات کوہلی، شامی، شیکر دھون، بھووشر کمار، روندر جدیجا ڈھالنے میں مصروف عمل ہیں۔ ان تازہ دم معیاری کھلاڑیوں کی کھیپ کی بدولت بھارتی ٹیم میں یوراج سنگھ سہواگ، ایشانت شرما جیسے بڑے کھلاڑیوں کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سندھ

قندر مکرر

میں آپریشن کلین اپ کو شروع ہوئے ایک ماہ گزر چکا اور اس قلیل سی مدت میں ہمارے سیاسی کلچر کے عجیب و غریب خدوخال، ہماری پاور اسٹرکچر کے عجائبات اور ابلاغ کے ذہنوں کو تسخیر کر لینے کی ہوشربا تصویریں سامنے آئی ہیں جو اہل نظر کو دعوت غور و فکر دیتی ہیں۔ بحرانوں میں قوم کا اصل مزاج اور اس کی توانائیاں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں اور سندھ میں فوجی آپریشن سے ہماری سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اچھے پہلو ابھرے ہیں

۲۳ سال قبل

جب کراچی میں آپریشن کلین اپ ہوا

ایم کیو ایم کے بتدریج شدت پسند تنظیم بننے کی سنسنی خیز داستان

الطاف حسن قریشی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

تئیس برس قبل کی چشم کشا تحریر

آج سے تئیس سال قبل ۱۹ر جون ۱۹۹۲ء کو پاکستان رینجرز نے کراچی میں ''آپریشن کلین اپ'' کا آغاز کیا تھا۔ اس مہم کا مقصد شہر قائد سمیت پورے سندھ کو جرائم پیشہ افراد سے پاک کرنا تھا۔ اُس وقت کے آپریشن میں بھی ایم کیوایم کے سیکڑوں کارکن اسلحہ سمیت پکڑے گئے تھے۔ نیز تنظیم کے عقوبت خانے بھی دریافت ہوئے۔

جناب الطاف حسن قریشی نے شمارہ جولائی ۱۹۹۲ء میں ''ہم کہاں کھڑے ہیں'' کے زیرعنوان آپریشن کلین اپ کے اسباب وعوامل کا جائزہ لیا تھا۔ یہ مضمون عیاں کرتا ہے کہ وہ کون سی معاشی، معاشرتی وسیاسی وجوہ ہیں جنھوں نے مہاجر قومی موومنٹ کو جنم دیا اور اسے رفتہ رفتہ شدت پسند تنظیم بنا دیا۔

یہ تحریر آشکارا کرتی ہے کہ ایم کیوایم کی سیاسی تاریخ میں کئی ڈرامائی موڑ آئے۔ تنظیم کا آغاز مسائل اور خرابیاں دور کرنے کے لیے ہوا تھا۔ مگر مضمون کا مطالعہ خصوصاً نئی نسل کو غور وفکر کی دعوت دیتا اور یہ سبق سکھاتا ہے کہ مطلق طاقت انسان کو کس طرح گمراہی اور آمریت کے اندھیروں میں دھکیل دیتی ہے۔

اور برے پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں۔ کھلی آنکھ اور کھلے ذہن سے دونوں ہی کا مشاہدہ اور حقیقت پسندانہ تجزیہ ضروری ہے۔ ایک اچھی قومی قیادت کا اصل کام یہی ہے کہ وہ قوم کے اندر پائی جانے والی کمزوریوں کی اصلاح کرتی اور خوبیوں کو اجتماعی مقاصد کے لیے بروئے کار لاتی ہے جس کے باعث اخلاقی کردار کی ایک ناقابل تسخیر طاقت وجود میں آتی ہے اور وہی حیات انسانی کا اصل جوہر ہے۔

☆☆☆

فوجی آپریشن میں الطاف حسین اور ایم کیوایم تنظیم کا جو انتہائی گھناؤنا چہرہ بے نقاب ہوا، وہ اپنے اندر بڑی ہی دردناک داستان چھپائے ہوئے ہے۔ ایسی بھیانک داستان جو اقتدار کے ایوانوں میں تیار ہوئی، سیاسی مصلحتوں کے پردوں میں اژدہائی اور سحر خطابت کے ذریعے اور اخبارات کے صفحات پر مرتسم ہو کر ذہنوں اور دلوں کو ڈستی رہی۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ الطاف حسین جن کی ۸۴ء تک کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، وہ کیسے پاکستان کی سیاست میں یک لخت ابھرے اور چند ہی برسوں میں ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ پاکستان کے وزرائے اعظم اور سندھ کے وزرائے اعلیٰ ان کے پاؤں میں بیٹھنے کو فخر محسوس کرتے۔ امریکا، برطانیہ اور بھارت کے سفیر ان کے حجرے میں کھنچے آتے۔ وہ کراچی اور حیدرآباد کے بے تاج بادشاہ بن گئے اور ان کے ایک اشارے پر لاکھوں مرد وزن سڑکوں پر دیوانہ وار نکل آتے۔ آخر یہ سب کچھ کیا تھا؟ کوئی ڈراؤنا خواب تھا؟ کوئی بھیانک حقیقت تھی یا کوئی خوفناک سازش؟ ایم کیوایم کے اندر غالباً یہ تینوں ہی کیفیتیں موجود تھیں۔

☆☆☆

سندھ کے شہری علاقوں سے بالعموم درمیانے طبقے کے افراد منتخب ہو کر آتے رہے ہیں۔ ۷۰ء اور ۸۵ء کے انتخابات

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں جماعت اسلامی، جمعیت علمائے پاکستان اور اسی نوع کی دوسری تنظیموں نے عوام کا مینڈیٹ حاصل کیا۔ کراچی اور حیدرآباد نے پیپلز پارٹی کو ذہنی اور نظریاتی طور پر قبول نہیں کیا تھا۔ بدقسمتی سے ۷۰ء کے بعد کا زمانہ زیادہ تر نظریاتی اور سیاسی کشمکش میں گزرا اور کراچی اور حیدرآباد کے نمائندے عوام کے اجتماعی مسائل پر توجہ ہی نہ دے سکے۔ پانی، ٹرانسپورٹ اور بیروزگاری کے معاملات الجھتے رہے۔ پھر ۷۷ء میں بھٹو صاحب کے سیاسی جبر کے خلاف ایک عوامی تحریک اٹھی جو مارشل لا پر منتج ہوئی۔ عوامی نمائندگی کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا لیکن ۷۹ء میں بلدیاتی انتخابات کے ذریعے جو نمائندہ ادارے قائم ہوئے، انھوں نے عوامی فلاح و بہبود کے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور عوامی مسائل حل ہونے شروع ہوئے مگر قومی سطح پر قیادت کا خلا بڑھتا چلا گیا۔

۸۳ء کا سال اس اعتبار سے نہایت اہم ثابت ہوا کہ اس میں دوسری بار بلدیاتی انتخابات منعقد ہوئے اور اسی میں ایم آر ڈی تحریک سے حکومت کا ٹکراؤ ہوا۔ کراچی میونسپل کارپوریشن میں دوبارہ جماعت اسلامی اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی، تاہم حیدرآباد میں جناب مولانا وصی مظہر ندوی کی قیادت میں نیا عنصر سامنے آیا۔ مختلف اسباب کی بنا پر جنرل ضیاالحق اور جماعت اسلامی کے بعض اہم عناصر کے درمیان سیاسی مفاہمت میں رخنے پڑنے شروع ہو گئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اگست کے وسط میں ایم آر ڈی نے سول نافرمانی کا اعلان کیا۔ کئی مقامات پر فوج کے ساتھ خونریز تصادم ہوا اور سندھی قوم پرست، حکومت کا تختہ الٹنے میں ناکام رہے۔ تحریک دب تو گئی مگر اس نے جنرل ضیاالحق کا ذہنی سانچہ بری طرح ہلا ڈالا۔ انھوں نے پہلی بار ان اسباب کا سراغ لگانے کی ایک نہایت سنجیدہ کوشش کی جو سندھی عوام کو بے چین رکھے ہوئے تھے۔ انھیں احساس ہوا کہ اہم وزارتوں، محکموں اور بڑی بڑی کارپوریشنوں میں اندرون سندھ کی نمائندگی بڑی کم ہے، چناں چہ انھوں نے سی ایس ایس میں سندھیوں کو غیر معمولی مراعات دیں اور عام ملازمتوں میں بھی ان کا خیال رکھا۔ دیہی علاقوں میں ترقیاتی منصوبوں کو بھی خصوصی ترجیح دی گئی۔ ان ترجیحات کا سندھیوں پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا کہ ان کے زخم ابھی ہرے تھے مگر کراچی اور حیدرآباد میں رہنے والی کمیونٹی کا احساس محرومی کچھ اور فزوں ہو گیا۔

☆☆☆

کراچی میں جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے پاکستان آپس میں لڑتی رہیں اور ان کی عوامی مسائل کی طرف سے غفلت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ انھیں اس امر کا اندازہ لگانے کی فرصت یا ضرورت ہی نہیں تھی کہ اردو بولنے والے مہاجرین کسی ذہنی کیفیت سے دوچار ہیں اور ان کی بے چارگی کیا رنگ لانے والی ہے۔ ۸۴ء کے آغاز میں کراچی میں ایک بہت بڑی تقریب ہوئی جس میں اندرون سندھ سے ہزاروں افراد نے حصہ لیا۔ اس کے مہمان خصوصی جنرل ضیاالحق تھے۔ انھوں نے خطبہ استقبالیہ کے جواب میں اس کوٹہ سسٹم میں پانچ سال کی توسیع کر دی جو ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے دیہی آبادی کو مین اسٹریم میں لانے کے لیے خصوصی طور پر دس برس کے لیے نافذ کیا تھا۔ یہ اعلان، جو نیک نیتی سے کیا گیا تھا، مہاجرین کی امیدوں پر بجلی بن کر گرا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ کوٹہ سسٹم ختم ہو جانے سے ملازمتوں اور معاشی سہولتوں کا دائرہ وسیع ہو گا، مگر ان کی امیدیں حسرتوں میں بدل گئیں۔ جماعت اسلامی کی شہری قیادت نے اس انتہائی سنگین مسئلے کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اور پاکستان کے سب سے بڑے شہر کے باسیوں کو احساس ہوا کہ ان کے جذبات اور تکالیف کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں۔

پھر اسی زمانے میں سندھ کے گورنر تبدیل کر دیے گئے۔ جنرل عباسی پڑھے لکھے فوجی افسر تھے اور انھیں منجھے ہوئے سرکاری افسروں کی خدمات حاصل تھیں۔ ان کی جگہ جنرل جہانداد خان تشریف لائے جو ایک مختلف ذہنی سانچے کے مالک تھے۔ ان کا دل اور ان کا ذہن اس قدر صاف تھا کہ سیاسی تصورات کی بھول بھلیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے سامنے تین بڑے مسئلے تھے:

۱۔ ایم آر ڈی تحریک میں پیپلز پارٹی نے اپنی قوت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے، اس قوت کو حکومت کے لیے چیلنج بننے سے کیسے روکا جائے۔

۲۔ شہروں میں جماعت اسلامی کے اثر و نفوذ پر کیسے قابو پایا جائے۔

۳۔ اعلان شدہ انتخابات کا انعقاد پر امن فضا میں کیسے کیا جائے۔

۸۴ء کا پورا سال ایک نئی حکمت عملی وضع کرنے میں گزرا۔ لیفٹیننٹ جنرل جہانداد خان کے سیاسی مشیر جناب سید غوث علی شاہ تھے۔ ان کے مشورے سے حکمت عملی یہ طے پائی کہ اندرون سندھ میں پیپلز پارٹی کے اثرات پر قابو پانے کے لیے جی ایم سید سے بات چیت کر کے ان کے ساتھ سیاسی رابطے قائم کیے جائیں۔ اسی حکمت عملی کے تحت جنرل ضیاالحق کی ملاقاتیں سید صاحب سے کرائی گئیں۔ جناب غوث علی شاہ کے، سید ہونے کے ناتے جی ایم سید کے ساتھ خصوصی روابط پہلے ہی سے قائم تھے۔ شہری آبادیوں میں جماعت اسلامی کا مقابلہ کرنے کے لیے مہاجر قومیت کو درپردہ ہوا دی گئی اور ایم کیو ایم جو ۸۴ء میں قائم ہوئی، اس میں غوث علی شاہ نے جی ایم سید کے ذریعے کلیدی کردار ادا کیا۔

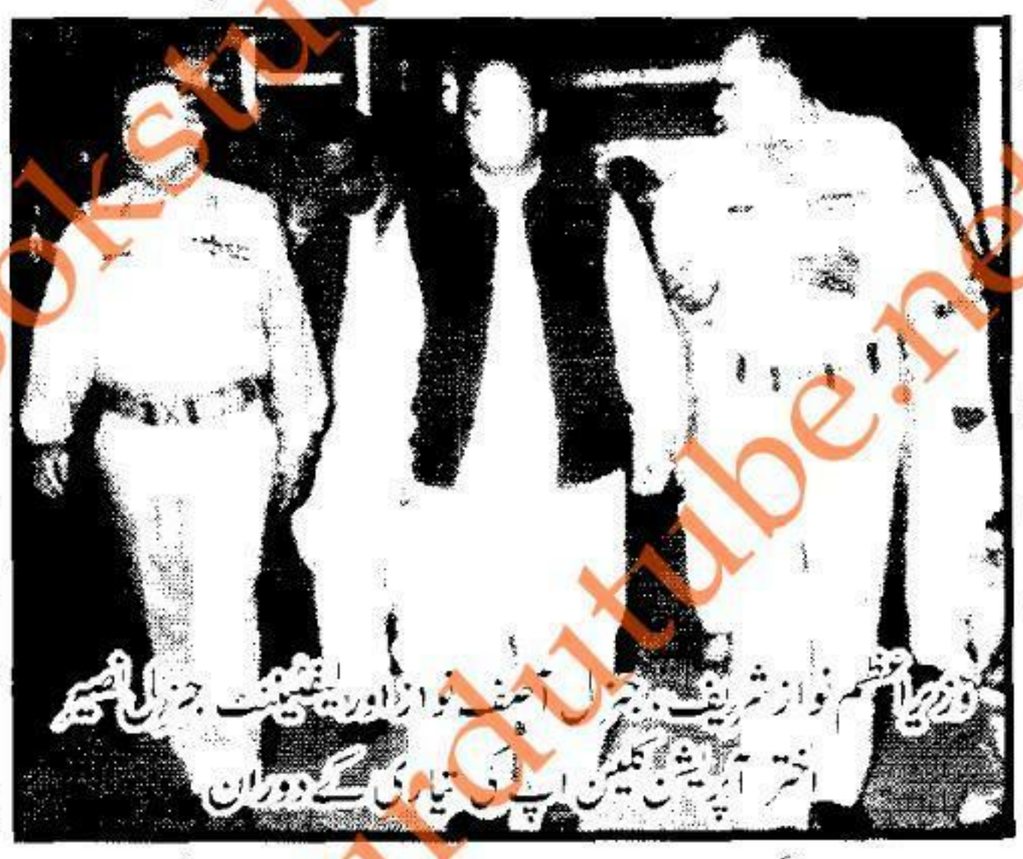
وزیراعظم نواز شریف، جنرل آصف نواز اور لیفٹیننٹ جنرل اصیر اختر آپریشن کلین اپ کی تیاری کے دوران

جماعت اسلامی کی وہ قیادت جو کراچی میں آباد تھی، ان تمام اقدامات سے بے خبر رہی جو ان کی جماعت کو تہس نہس کرنے کے لیے ایک مخصوص ردعمل پیدا کر رہا تھا۔ جنرل ضیاالحق نے جماعت اسلامی کی مرکزی قیادت سے تعاون کی بار بار اپیل کی مگر کراچی کی قیادت بغاوت پر تلی ہوئی تھی۔ اس نے ۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور جنرل ضیاالحق کے خلاف زہریلی تقریریں ہوتی رہیں۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ جماعت اسلامی کے چاروں اہم قائدین انتخابات ہار گئے اور ایک دو حسن اتفاق سے جیت گئے۔ یوں ایم کیو ایم کی سب سے بڑی حریف سیاسی، جماعت خود ہی اوندھے منہ گر پڑی۔

☆☆☆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

۸۵ء میں سید غوث علی شاہ وزیراعلیٰ بن گئے اور ان کے لیے ایم کیو ایم کو وسائل فراہم کرنا بڑا ہی آسان ہو گیا۔ وہ جماعت اسلامی کی دشمنی میں زہریلے ناگ کو بھی دودھ پلانے کے لیے تیار تھے۔ وہ خود دودھ پلاتے رہے اور ممکن ہے دوسرے ذرائع بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ایک سال تک الطاف حسین کو تنظیمی کام کرنے کا کھلا موقع مل گیا۔ ان کی ذات میں نہایت اہم اور حساس عناصر دلچسپی لینے لگے۔ سید غوث علی شاہ جماعت اسلامی کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دینا چاہتے تھے۔ جناب جی ایم سید کا خیال تھا کہ شہروں میں مہاجروں کو منظم کیے بغیر حکومت کے خلاف کامیاب بغاوت نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے انھوں نے ایم کیو ایم کی تشکیل میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ بھارت کی دلچسپی یہ تھی کہ کراچی میں عصبیت کو ہوا دے کر پاکستان کو نقصان پہنچانا بہت سہل ہو جائے گا۔ امریکا، الطاف حسین کو اس نگاہ سے دیکھ رہا تھا کہ بانگ کانگ جو چند برسوں میں چین کے حوالے کر دیا جائے گا، کراچی کو اس کا متبادل بنا دیا جائے۔

الطاف حسین کے سحر خطابت میں ہر عنصر کو اپنی کامیابی نظر آتی تھی۔ ایک ایسا شخص جو مظلومیت کی تصویر بن کر ذہنوں کو مفلوج کر دے، عقل پر پردے ڈال سکے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت منجمد کر ڈالے، جذبات میں آگ لگا سکے، انسانوں کی تذلیل کا شکنجہ تیار کر سکے، اور اسے ریاست کے بااثر اداروں اور ملکی اور غیر ملکی ایجنسیوں کی حمایت حاصل ہو، تو وہ معاشرے کی ہر قدر کو چیر پھاڑ سکتا ہے..... اور اس نے ایسا ہی کیا۔

☆☆☆

عصبیتوں اور مفادات کا اندھا پن بڑی بڑی شخصیتوں کو بکری بنا دیتا ہے۔ ایک زمانے میں ہاشم رضا جیسے زیرک منتظم اور دانش ور، جناب رئیس امروہوی جیسے قلمکار، جسٹس قدیر الدین جیسے بالغ نظر قانون دان الطاف حسین کے سحر میں گرفتار تھے۔ وہ مہاجرین کی مظلومیت کے مرثیے بڑی رقت آمیز آواز میں پڑھتے۔ انھوں نے ایک طرف اپنی تقریروں کے ذریعے مہاجر آبادی کو یہ تاثر دیا کہ ان کا مسیحا آ گیا ہے اور دوسری طرف ان طالب علموں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا جو اسلامی جمعیت طلبہ کے نظم کے ہاتھوں زخم کھا چکے تھے کہ ان کے لیے وہاں کوئی بلند مقام حاصل کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ نوجوان طلبہ کے بعد سب سے زیادہ توجہ خواتین پر دی گئی۔ ان کے جذبات میں غضب کا ارتعاش پیدا کیا گیا۔ عورتوں کو مغلوب اور مسحور کیے بغیر مہاجروں کے ہر گھر اور ہر خاندان میں ایم کیو ایم تحریک نئی قوت کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ ۸۶ء کا سال مہاجروں کو ذہن نشین کرانے میں گزرا کہ پاکستان اور قائداعظمؒ نے انھیں کوتاہی اور تنگدستی کے سوا کچھ نہیں دیا اور ہم اپنے حقوق حاصل کر کے رہیں گے۔ پنجابیوں اور پٹھانوں کی چیرہ دستیوں سے مہاجر بے حاصل ہیں، ان کے تعلیم یافتہ نوجوان بے کار مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان کی عورتیں، جو اعلیٰ حسب نسب کی ہیں، کسمپرسی کی حالت میں ہیں اور ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ جذبات میں آگ لگا دینے والی اس تھیم پر عورتیں جوق در جوق بڑے بڑے جلسوں میں آنے لگیں۔ لسانی عصبیت اور تفاخر کا زہر ذہنوں میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔

۸۵ء کے عام انتخابات میں کراچی سے جو نمائندے قومی اسمبلی میں گئے تھے، انھیں معاشرتی اور تہذیبی ناہمواریوں کا احساس نہ ہونے کے برابر تھا، البتہ کراچی میونسپل کارپوریشن میں جماعت اسلامی کے نمائندے، صوبائی حکومت کی مزاحمت

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کے باوجود، عوام کی تکالیف دور کرنے میں لگے رہتے تھے۔ یوں وہاں ایک قومی سیاسی جماعت کا تشخص کسی حد تک قائم تھا۔ اور یہ صورت حال مہاجر قومیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی، چناں چہ سید غوث علی شاہ جو اس وقت وزیر اعلیٰ تھے، وہ کراچی میونسپل کارپوریشن میں ایک منصوبے کے تحت جماعت اسلامی کی قیادت کو مشتعل کرنے لگے۔

جماعت اسلامی کی قیادت اس جال میں نہایت سادگی سے پھنس گئی جو وزیر اعلیٰ سندھ نے بچھایا تھا۔ میئر کراچی نے حکومت سندھ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ عبدالستار افغانی بڑے ہی فعال اور دانا لیڈر ہیں، مگر جماعت اسلامی کراچی کی قیادت نے انھیں ایسے راستے پر ڈال دیا جو بڑی ہی نادانی اور تباہی کا راستہ تھا۔ دوستوں نے بڑا سمجھایا کہ قومی مفادات کو ایسی زک پہنچے گی جس کی تلافی شاید ممکن ہی نہ ہو۔ وہیکل ٹیکس کے نہایت معمولی نوعیت کے ایشو پر جماعت اسلامی نے اپنا عمر بھر کا سرمایہ داؤ پر لگا دیا۔ صوبائی حکومت سے تصادم کے نتیجے میں وزیر اعلیٰ سندھ نے کراچی میونسپل کارپوریشن کے منتخب ادارے کو توڑنے کا اعلان کر دیا اور بلدیہ عظمیٰ کے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اس طرح جماعت اسلامی نے اپنا سب سے مضبوط قلعہ خود ہی دشمن کے حوالے کر دیا۔

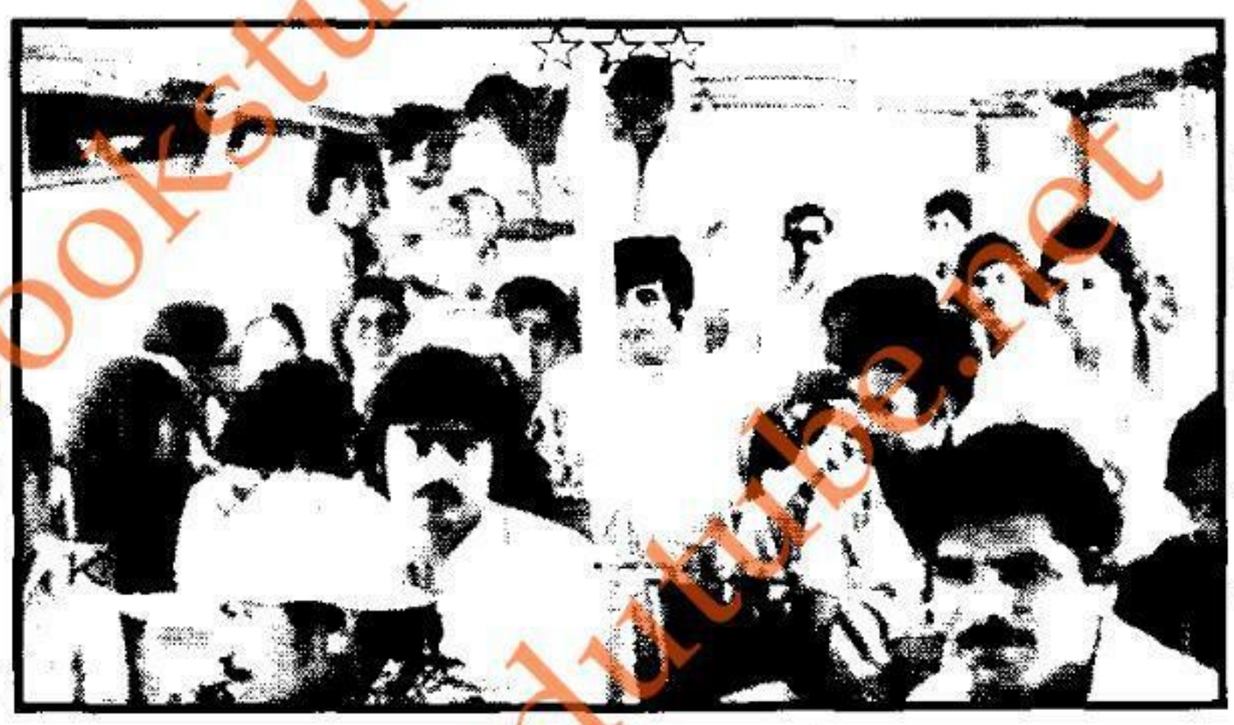

اب ایم کیو ایم کے لیے میدان صاف تھا۔ بلدیہ عظمیٰ کے اختیارات تقریباً ڈیڑھ سال تک صوبائی حکومت یعنی جناب غوث علی شاہ نے استعمال کیے۔ اس مدت میں ایم کیو ایم نے اپنا حلقہ وام خوب مضبوط کر لیا۔ کراچی میں پیپلز پارٹی کا وجود ہی نہیں تھا، مسلم لیگ الطاف حسین زمانہ طالب علمی میں کراچی یونیورسٹی کی بس میں سفر کرتے ہوئے فقط کاغذوں میں تھی، مولانا نورانی سیاست سے دست کش تھے اور جماعت اسلامی حکومت سے ٹکرا جانے کے بعد عوامی مسائل حل کرنے کے قابل نہ رہی تھی۔ ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں بڑے بڑے لیڈروں کی ناکامی نے ایک طرف قیادت کو مضمحل کر دیا تھا، دوسری طرف ان کے مزاج میں برہمی اور جلال زیادہ آ گیا۔ اور جب کسی جماعت کی قیادت اعتدال کا دامن چھوڑ دے اور اس کے مزاج پر ہیجان اور غصیلا پن غالب آ جائے، تو ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی سرزد ہوتی چلی جاتی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمتہ تو اس وقت بھی طیش میں نہیں آئے تھے جب ان کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں کارکنوں کے اجتماع میں جماعت کا ایک مخلص کارکن حکومت کے غنڈوں نے شہید کر دیا تھا۔ اور ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد یہ عالم ہوا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر قیادتیں اشتعال میں آ کر بڑے بڑے فیصلے کرنے لگیں۔

۱۹۸۶ء میں مہاجر قومیت کی عصبیت کو ایک حادثے نے ایندھن فراہم کیا۔ ایک طالبہ، بشریٰ زیدی منی بس تلے کچلی گئی۔ اس پر مہاجروں اور پٹھانوں کے مابین خونریز جھڑپیں ہوئیں جو پورے شہر میں پھیل گئیں۔ اور چند ماہ بعد پہلے سہراب

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

گوٹھ اور پھر اورنگی ٹاؤن کے خون آشام سانحے پیش آئے۔ سہراب گوٹھ میں آپریشن کلین اپ کی انتہائی خفیہ منصوبہ بندی وزیراعلیٰ سید غوث علی شاہ نے فرمائی تھی۔ سہراب گوٹھ میں جو کچھ ہوا، اور اس کے بعد اورنگی ٹاؤن میں جو قتال ہوا، اس نے مہاجر قومیت کے عفریت کو اتنا خون پلا دیا کہ اب اسے تسخیر کر لینا کسی کے بس میں نہ رہا۔ اب کراچی اور حیدرآباد کا ہر گھر الطاف حسین کا مورچہ بن گیا۔

جب ۸۷ء کے آخر میں پورا ملک بلدیاتی انتخابات کے عمل سے گزرا، تو کراچی اور حیدرآباد کے منتخب اداروں میں ایم کیو ایم کے جھنڈے گڑ چکے تھے۔ الطاف حسین کو پہلے ہی انتخابات میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ اس مرحلے میں بھی اگر مشترکہ حکمت عملی وضع کر لیتیں، تو مضبوط اپوزیشن بلدیہ عظمیٰ اور بلدیہ حیدرآباد میں قائم ہو سکتی تھی۔ مگر چھوٹے چھوٹے معاملات بڑے بڑے فیصلوں میں حائل رہے۔ ۸۸ء کے عام انتخابات میں الطاف حسین اپنے مضبوط اثرات قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی تک لے جانے میں سب پر سبقت لے گئے۔ پورے کراچی اور حیدرآباد کی نمائندگی پر ایم کیو ایم قابض ہو گئی۔ اس عظیم الشان کامیابی کا راستہ جماعت اسلامی نے اپنے غلط فیصلے سے ہموار کیا۔ وہ اگر کراچی میونسپل کارپوریشن میں احتیاط سے کام لیتی اور ۸۷ء تک اختیارات اس کے ہاتھ میں رہتے تو ایم کیو ایم کے لیے ۸۸ء کے بلدیاتی انتخابات میں سب کچھ بہا کر لے جانا ہرگز ممکن نہ تھا۔ ۸۸ء کے انتخابات نے ایم کیو ایم کو قومی سیاسی زندگی میں اس طرح داخل کیا کہ اس کے ووٹوں سے بے نظیر کو وزارت عظمیٰ کا منصب مل گیا۔

☆☆☆

الطاف حسین کے سیاسی قد و قامت میں اضافے کے ساتھ ساتھ فسطائیت اور بہیمیت میں تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کی تنظیم ایک مافیا تنظیم تھی جس میں ہر بات خفیہ رکھی جاتی۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا، کون کیا ہے اور کیا کرتا ہے؟ جرمن نازیوں کی خفیہ تنظیم سے ایم کیو ایم کی مشابہت بے حد زیادہ ہے۔ عقوبت خانے، عذاب گھر، موت گھاٹ شروع ہی سے قائم تھے اور چھ سات ہزار دہشت گردوں کو انہی عقوبت خانوں سے گزارا جاتا تاکہ ایک شخص کے ساتھ وفاداری میں کوئی شک نہ رہے۔ ایم کیو ایم کسی منشور یا کسی سیاسی اور معاشرتی پروگرام سے وابستہ نہیں تھی، اس کا پورا سانچہ ایک مخصوص ٹولے کے آگے سر جھکا دینے اور ان کی ہر خدمت بجا لانے کے لیے بنایا گیا۔ اس دائرے سے جو کوئی باہر نکلنے کی جرأت کرتا، اس کے لیے زندگی یا تنظیم کے دروازے بند تھے۔

انتخابات میں ناقابل تصور کامیابیوں نے الطاف حسین کو اپنی نجی محفلوں میں دل کی بات کہنے کا حوصلہ دے دیا۔ وہ انتہائی قریبی دوستوں سے کراچی کو پاکستان سے الگ کرنے کے منصوبے پر تبادلہ خیال کرنے لگے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۸۸ء کے آخری مہینوں میں ایک بااثر گروہ ایم کیو ایم سے الگ ہو گیا جس نے اپنی تحریروں کے ذریعے مہاجر قومیت کے حق میں فضا ہموار کی تھی۔ اس گروہ کے سرکردہ افراد نے انکشاف کیا کہ الطاف حسین، بانگ کانگ کی طرز پر کراچی کو ایک بین الاقوامی خطہ بنا دینے پر تلا ہوا ہے اور اس کے غیر ملکیوں سے رابطے ہیں۔

اب مشکل یہ آن پڑی کہ ایم کیو ایم سے وابستہ افراد کو عوام کا مینڈیٹ مل چکا تھا اور وفاقی حکومت کو ان کے ووٹوں کی اشد ضرورت تھی۔ بے نظیر صاحبہ نے ایم کیو ایم کے دوٹوں سے اقتدار حاصل کیا، مگر وفاقی کابینہ میں کوئی نمائندگی نہ دی، البتہ سندھ کابینہ میں ایم کیو ایم کے وزیر لیے گئے جو بڑی حد تک بے اثر تھے۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں کراچی اور حیدرآباد میں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

خونیں فسادات ہوتے رہے اور بے نظیر کے عہد حکومت کا تین چوتھائی حصہ کرفیو کی نذر ہو گیا۔ پھر ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کے اسٹوڈنٹس ونگز کے مابین طالب علموں اور نوجوانوں کو یرغمال بنا لینے کے واقعات شروع ہوئے۔ فروری ۹۰ء میں کور ہیڈ کوارٹر میں دونوں طرف سے یرغمالیوں کا تبادلہ لیفٹیننٹ جنرل آصف نواز کی موجودگی میں ہوا۔

☆☆☆

جون ۹۰ء میں فوجی قیادت نے وزیراعظم بے نظیر سے کہا کہ ہمیں پورے سندھ میں فوجی آپریشن کرنے کی اجازت دے دیجیے اور دستوری دفعہ ۲۴۵ کے اختیارات بھی۔ دراصل ان دنوں الطاف حسین لندن میں تھے اور فوج کو انٹیلی جنس کے ذریعے اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ ان کے رابطے بھارتی سفارت خانے کے ساتھ قائم ہیں۔ بھارت کی خفیہ ایجنسیوں نے ایم کیو ایم کے دہشت گردوں میں اپنے ایجنٹ داخل کر دیے۔ بے نظیر کے وزیر داخلہ، اعتزاز احسن نے جرنیلوں کی بات پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے کسی قدر تند و تیز رویہ اختیار کیا جس کے باعث خاصی تلخی پیدا ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ وزیراعظم بے نظیر دفعہ ۲۴۵ کے اختیارات دینے کے لیے تیار نہیں اور وہ اندرون سندھ فوجی آپریشن کے خلاف ہیں۔

☆☆☆

انٹیلی جنس رپورٹیں مسلسل ایم کیو ایم کے خلاف موصول ہو رہی تھیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب الطاف حسین کے شدید اختلافات بدر اقبال، عامر خان اور آفاق احمد سے پیدا ہوئے۔ تنظیم کے اندر ان تینوں کی حیثیت خاصی اہم تھی۔ انھوں نے فسطائیت کے خلاف بغاوت کر دی۔ کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل آصف نواز نے اس گروپ کی حوصلہ افزائی کی۔ اختلافات بڑھتے گئے اور ایک دن آفاق احمد نے الطاف حسین پر گولی چلا دی جس کے نتیجے میں اس کی ٹانگ میں گہرا زخم آیا اور وہ عباسی شہید اسپتال میں داخل ہو گئے۔ ادھر ان تینوں باغیوں کو پاکستان چھوڑنا پڑا۔ ایک اطلاع کے مطابق ایم کیو ایم کے چیئرمین عظیم احمد طارق انھیں الوداع کہنے ائیر پورٹ پر موجود تھے۔

الطاف حسین جن دنوں اسپتال میں داخل تھے تو امریکا سے عامر خان کا فون آیا۔ اس نے الطاف حسین سے کہا کہ اپنا تکیہ اٹھا کر دیکھیے، وہاں ایک چٹ پڑی ہو گی جس پر میرے دستخط ثبت ہوں گے۔ الطاف حسین نے تکیہ اٹھایا اور اسے عامر خان کے دستخطوں والی چٹ مل گئی۔ اس کے ہوش جاتے رہے۔ اتنے میں ٹیلی فون پر عامر خان کی آواز دوبارہ بلند ہوئی، وہ کہہ رہا تھا "اب یہی چٹ تمھیں غسل خانے میں ملے گی۔" معتبر ذرائع کی روایت ہے، الطاف حسین نے اس کے بعد اپنے تینوں محافظوں کو قتل کرا دیا کہ انہی میں سے کوئی باغیوں کا ساتھی ہو گا۔

☆☆☆

۱۹۹۰ء کے انتخابات نے الطاف حسین کو نئی سیاسی رفعتیں عطا کیں۔ پہلی بار وفاقی کابینہ میں ایم کیو ایم کے دو وزیر لیے گئے اور صوبائی کابینہ میں چھے وزراء۔ جناب جام صادق علی (مرحوم) نے قائد تحریک کے ایسے ایسے ناز اٹھائے جن کی مثال مل ہی نہیں سکتی۔ جناب عرفان مروت نے وہ تحفظ فراہم کیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جناب وزیراعظم نواز شریف بھی نیاز مندی کے آداب بجالاتے رہے۔ کراچی پر پیر عزیز آباد کا مکمل قبضہ تھا اور سندھ حکومت کی جان اسی کے ہاتھ میں تھی۔

فرعون صفت الطاف حسین نے اقتدار کے نشے میں ایک طرف لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا، دوسری طرف اپنے سیاسی مخالفین کو جان سے مار ڈالنے کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ جماعت اسلامی کے نیک سیرت کارکن یکے بعد دیگرے قتل

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کر دیے گئے۔ بظاہر ایم کیو ایم نواز شریف کی حکومت میں شریک تھی لیکن ان کی پالیسی حکومت کو اندر سے کمزور کرنے کی تھی۔ جماعت اسلامی نے ارباب حکومت سے بار بار اپیل کی کہ دہشت گردی کا یہ خوفناک سلسلہ بند کرایا جائے۔ وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین واقعات کی تحقیقات کرنے گئے تو حالات کا علم ہوتے ہی ان کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ اور یہی حال جناب وزیراعظم کا تھا۔ انھوں نے فرط غم سے کہا تھا، ہم اس قدر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ اقتدار رہے یا نہ رہے ہم دہشت گردوں کا قلع قمع کر کے رہیں گے۔ اس عزم کے باوجود الطاف حسین اپنا ہاتھ دکھا گئے اور جماعت اسلامی کو آئی جے آئی سے بہت دور لے گئے۔ یوں ایم کیو ایم کی قیادت نے نواز شریف حکومت پر ایک اور کاری وار کیا۔ ۲۶ رجون ۹۰ء کو لاہور میں تیرہ افراد قتل کر دیے گئے اور تین روز بعد شیخوپورہ میں اسی نوعیت کا لرزہ خیز واقعہ رونما ہوا۔ قتل کی واردات میں جو سوفسٹیکیشن پائی جاتی تھی، وہ اشارہ کر رہی تھی کہ یہ کام ایم کیو ایم کا ہے، مگر اس تنظیم کے پاس اسٹریٹ پاور بھی تھی اور اسٹیٹ پاور بھی، اس لیے پولیس نے ادھر کا رخ ہی نہیں کیا۔ اب اخبارات میں خبر شائع ہوئی ہے کہ اسلام پورہ کے واقعہ قتل میں ملوث ایم کیو ایم کے چھے افراد گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ ملزم تو ایک سال بعد گرفتار ہو گئے مگر اسلام پورہ کے ہولناک واقعے کے بعد جناب وزیراعظم نے جاپان کا جو دورہ منسوخ کر دیا تھا، اس کے نقصانات کا ازالہ شاید کبھی نہ ہو سکے۔

مارچ ۹۱ء میں حد سے بڑھی ہوئی مستی اقتدار نے ایک اور گل کھلایا۔ ایم کیو ایم نے آغاز تشکیل ہی سے روزنامہ جنگ پر اپنی ساری توجہ مبذول کر دی تھی۔ پہلے منت سماجت سے خبریں لگوائیں جاتی رہیں اور الطاف حسین کا میسج کراچی کے افق پر پھیلتا چلا گیا۔ جب دہشت گردی پوری طرح منظم ہو گئی تو اخبارات پر دباؤ ڈال کر اپنی مرضی کی خبریں چھپوائی جانے لگیں۔ جنگ نے ایم کیو ایم کا جس قدر ساتھ دیا، اس کے ساتھ اسی قدر ظالمانہ سلوک روا رکھا گیا۔ میر خلیل الرحمٰن (مرحوم) کے اعصاب اسی نوع کے کرب عظیم کے سامنے جواب دے گئے۔ اسی طرح ڈان کے دفتر میں مسلح افراد کا گھس آنا اور ایڈیٹر کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دینا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ پورے کراچی کا پریس ایم کیو ایم کا یرغمال بنا ہوا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ الطاف حسین یا ایم کیو ایم کے بارے میں کوئی ایسی بات چھپ جائے جو مزاج شاہی پر ناگوار گزرتی ہو۔ ہفت روزہ تکبیر، روزنامہ جسارت اور ہفت روزہ زندگی نے بڑی ہمت سے فسطائیت کا مقابلہ کیا اور ہمارے دوست محمد صلاح الدین سب سے زیادہ حوصلہ مند اور مجاہد نکلے۔ وہ سفاک اور بھیڑیا صفت دہشت گردوں کے سامنے کلمۂ حق کہتے رہے۔ اس جرأت و استقامت کی انھیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔

اسی کشمکش کے دور میں ایک دن ایسا آیا کہ ایم کیو ایم نے کسی بات کا بہانہ بنا کر ڈان کے خلاف اعلان جنگ کیا اور تمام بڑے اخبارات کے دفتروں پر بلہ بول دیا۔ ڈیڑھ دو ہفتے کراچی کا پریس ایک دردناک عذاب سے گزرتا رہا جس سے

بقیہ حصہ صفحہ ۲۲۶ پر

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میری آنکھوں کے سامنے جب انجام پائی

سورۂ یٰسین کی کرامت

ایمان تازہ کر دینے والا ایک بے مثال واقعہ جو لندن کی بارانی دوپہر پیش آیا

سلطان مسعود احمد

برطانیہ میں قیام کے دوران میرے ساتھ ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔ 1993ء کی گرمیوں کا ذکر ہے۔ پاکستان سے والد محترم اور والدہ صاحبہ ہم بھائیوں کے پاس رہنے آئے۔ میرے بڑے بھائی آکسفورڈ کے قریب واقع شہر بائی ویکمب میں مقیم تھے، جبکہ میں بریڈفورڈ میں تھا۔

والدین کو شروع کے دو مہینے بھائی کے پاس رہنے کے بعد میرے پاس آنا تھا۔ ان دنوں میں بے کار تھا، یعنی کار کے بغیر۔ اس لیے انھیں لانے کی خاطر اپنے ایک دیرینہ دوست حافظ شفیق سے بات کی ہوئی تھی۔ ان کے پاس بڑی کار تھی (حافظ صاحب نے برطانیہ ہی میں قرآن مجید حفظ کیا تھا)۔ منصوبے کے مطابق اگست کی ایک صبح ہم بریڈفورڈ سے روانہ ہوئے۔

یکطرفہ سفر سوا دو سو میل پر محیط تھا۔ صبح ہی سے تیز بارش اور طوفانی ہوا چل رہی تھی۔ ابھی ہم موٹروے پر

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

پندرہ میل ہی گئے ہوں گے کہ ڈرائیور کے سامنے نصب وائپر ٹوٹ گیا۔ خوش قسمتی سے قریب ہی ایک سروس اسٹیشن تھا۔ حافظ صاحب نے آہستہ آہستہ کار وہاں لے جا کر کھڑی کر دی۔ پھر اے،اے (۸.۸) والوں کو فون کر کے اپنا مسئلہ بتایا۔

برطانیہ میں تقریباً تمام شہریوں نے ایمرجنسی سروس کی رکنیت لی ہوتی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ دوران سفر کار میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے، تو اسے وہیں مکینک بلا کر دور کرایا جا سکے۔ ویسے تو یہ سروس تین چار کمپنیاں مہیا کرتی ہیں۔ لیکن ان میں سے سب سے پرانی اور مشہور اے،اے اور آر اے سی کمپنیاں ہیں۔

آپ کہیں بھی ہوں، فون کرنے پر کمپنی کے مکینک زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ وہ سڑک کنارے کھڑی کار کو پہلے تو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر کوئی بڑا نقص ہوا تو کار کو کھینچ کر قریبی گیراج پہنچا دیں گے یا پھر آپ کے گھر تک چھوڑ آئیں گے۔

قصہ مختصر، کار کا معائنہ کرنے کے بعد پتا چلا کہ وائپر کا مکمل یونٹ ٹوٹ چکا جو آرڈر پر منگوانا پڑے گا۔ اس لیے مکینک ہماری کار کھینچ کر واپس بریڈفورڈ چھوڑ آیا۔ بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ظاہر ہے، بغیر وائپر سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔ بریڈفورڈ پہنچ کر حافظ صاحب نے مختلف دوستوں کو فون کیے، جن سے بڑی کار ملنے کی امید تھی، مگر وہ کام کاج کے سلسلے میں گھروں سے نکل چکے تھے یا ان کے پاس چھوٹی کاریں تھیں۔

والدہ صاحبہ چونکہ زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتی تھیں، اس لیے بڑی کار کی ضرورت تھی تاکہ انھیں پچھلی نشست پر لٹا کر لایا جا سکے۔ مختلف جگہوں سے کرائے کی کار حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ انہی چکروں میں دوپہر ہو گئی اور ہم نے جہاں سے چلنا تھا ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔ دو تین گھنٹوں کی بھاگ دوڑ کے بعد حافظ صاحب نے مجھے کہا ''سلطان صاحب اسی کار میں چلتے ہیں۔''

میں نے کہا ''یہ کیسے ممکن ہے جبکہ شدید بارش کی وجہ سے چند گز آگے کی سڑک نظر نہیں آتی۔ وائپر کے بغیر شیشہ کیسے صاف ہوگا؟''

کہنے لگے ''پہلے میں تمام ممکنہ اقدامات آزما کر دیکھتا ہوں کہ کس طرح کام ہو جائے۔ جب نہیں ہوتا، تو پھر میں آخری قدم اٹھاتا ہوں اور میرا اللہ مجھے کبھی مایوس نہیں کرتا۔''

یہ کہہ کر وہ با آواز بلند سورۂ یاسین پڑھنے لگے۔ حافظ صاحب جیسے جیسے پڑھتے جا رہے تھے، میری گناہگار آنکھوں نے دیکھا کہ بارش پہلے ہلکی ہونا شروع ہوئی۔ پھر مکمل طور پر تھم گئی۔ رفتہ رفتہ آسمان جو کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے صاف ہونے لگا۔

جیسے ہی حافظ صاحب نے سورۂ یاسین مکمل کی، دھوپ نکل آئی۔ اس کے بعد تمام راستے یعنی جاتے اور آتے ہوئے میں نے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دیکھا۔ یہ واقعہ گو بیس سال پرانا ہے، مگر مجھے آج بھی لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ حافظ صاحب کو میں جب بھی یہ بات یاد دلاتا ہوں، تو وہ زیر لب مسکرانے لگتے ہیں۔ یہ قرآنی سورہ کی تلاوت سے ہونے والا ایک معجزہ ہے جو میری آنکھوں کے سامنے ظہور پذیر ہوا اور دین پر میرا ایمان مزید پختہ کر گیا۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

شہنشاہ جہانگیر کی منہ بولی بیٹی

مغلیہ دور کے ایک زائچہ داں کا حیران کن ماجرا

حبیب اشرف صبوحی

سخت گرمیوں کے دن تھے۔ مغل بادشاہ جہانگیر صبح سویرے شکار کی غرض سے اپنے محل سے نکلا۔ شاہی فوج کا چاق چوبند دستہ ہمراہ تھا۔ ابھی ''بندھیا چل'' کے جنگل میں داخل ہی ہوئے تھے کہ جہانگیر کی نظر ایک خوبصورت ہرن پر پڑی۔ جہانگیر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، لیکن ہرن چوکڑیاں بھرتا دور نکل گیا۔

جہانگیر مسلسل ہرن کے تعاقب میں تھا۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ اسے زخمی کیے بغیر پکڑ لے، لیکن یوں لگتا تھا کہ دونوں میں سے کوئی بھی رکنے کا نام نہ لے گا۔ آخر ایک جگہ ہرن کو گھنی جھاڑیاں نظر آئیں۔ وہ اس طرف بھاگا اور ایک لمبی چھلانگ لگا کر جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔ اب جہانگیر کو احساس ہوا کہ وہ ہرن کے تعاقب میں بہت دور نکل آیا ہے اور محافظ دستہ بھی کہیں پیچھے رہ گیا۔

جہانگیر پسینے میں شرابور تھا۔ اسے بڑی شدت سے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی، لیکن دور دور تک آبادی کا کوئی نام و نشان نظر نہ آیا۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سورج اپنی تپش سے ''بندھیا چل'' کے جنگل کو بری طرح جھلسا رہا تھا۔ لُو نے پورے جنگل کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ پیاس کی شدت سے گھوڑے کا بھی بُرا حال تھا اور بادشاہ کی زبان پر تو پیاس کے مارے جیسے کانٹے پڑ گئے تھے۔

اس نے ایک بار پھر چاروں طرف نظر دوڑائی، لیکن دور دور تک پانی کا چشمہ نظر آیا نہ آبادی کا کوئی نشان۔ اسی عالم میں گھوڑے پر سوار جا رہا تھا کہ کچھ فاصلے پر اسے بہت سے درخت نظر آئے۔ وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر دیکھا کہ وہاں مکانات بھی بنے ہیں۔ لق و دق جنگل میں آبادی کا نشان دیکھ کر جہانگیر نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر دیکھا ایک مکان کے باہر چبوترے پر چودہ پندرہ برس کی ایک لڑکی بیٹھی ہے۔ لڑکی کیا تھی، حسن کا ایک شاہکار تھی۔ جہانگیر گھوڑے سے اترا اور لڑکی کے پاس گیا۔

لڑکی نے کھڑے ہو کر ادب کے ساتھ سلام کیا۔ پھر بولی ''آپ مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ پسینے سے آپ کا برا حال ہے، آپ یہاں آرام سے چبوترے پر بیٹھیں، میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔''

لڑکی مکان کے اندر چلی گئی۔ جہانگیر چبوترے پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ ''بندھیا چل'' کے اس سنسان جنگل میں بھی کیا ایسا حسن جنم لے سکتا ہے، جسے دیکھ کر چاند بھی شرمائے؟ جہانگیر دست قدرت کی ان فیاضیوں کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ لڑکی واپس آ گئی۔

اس کے ایک ہاتھ میں پانی کا پیالہ اور دوسرے میں ایک تھال تھا جس میں روٹی رکھی تھی۔ لڑکی نے یہ دونوں چیزیں جہانگیر کے آگے رکھتے ہوئے کہا ''پہلے آپ روٹی کے چند لقمے تناول فرمائیے کیونکہ سخت گرمی میں ایک دم ٹھنڈا پانی پینے سے نظام ہضم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ بہت دور سے آئے ہیں۔''

بادشاہ کو بھوک اور پیاس، دونوں ستا رہے تھے۔ تاہم ایک کم عمر لڑکی سے عقل مندی کی یہ بات سن کر اس نے پہلے روٹی کے چند نوالے لیے اور پھر پانی پی کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس دوران لڑکی پانی سے بھری ایک بڑی بالٹی گھوڑے کے آگے رکھ چکی تھی۔ جہانگیر کھانا کھا کر فارغ ہوا، تو لڑکی اس کے ہاتھ دھلانے لٹیا میں پانی لائی۔ ہاتھ دھلاتے ہوئے لڑکی کی نظر جہانگیر کی انگشتری پر پڑی جس میں ایک نہایت قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا۔

ہاتھ دھلانے کے بعد وہ مکان کے اندر گئی۔ جب واپس آئی، تو اس کے ہاتھ میں ڈھیر سارے کاغذ تھے۔ وہ پھر جہانگیر کے سامنے بیٹھ کر کچھ لکھنے لگی۔ جہانگیر اس کی بچکانہ حرکتیں دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ اتنے میں لڑکی نے کہا:

''معزز مسافر! کیا میں آپ کا ہاتھ دیکھ سکتی ہوں؟''

جہانگیر نے اپنا دایاں ہاتھ لڑکی کی طرف بڑھایا۔ ہاتھ دیکھ کر لڑکی پھر مکان کے اندر گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی، تو اس کے ہاتھ میں ایک اور کاغذ تھا۔ جہانگیر نے دیکھا کاغذ پر اس کا زائچہ بنا ہوا تھا۔ لڑکی نے بلند لہجے میں آواز دی ''ماتا جی، ماتا جی!''

چند لمحوں بعد اس کی ماں سامنے والے مکان سے باہر آئی اور پوچھا ''روپ متی کیا بات ہے؟'' پھر اس کی نظر جہانگیر پر پڑی، تو پوچھا ''روپ متی، یہ کون ہیں؟''

قبل اس کے لڑکی کچھ بتاتی، جہانگیر نے کہا ''بہن! میں آگرہ کا رہنے والا اور شاہی فوج کا سپاہی ہوں۔ راستہ بھول کر ادھر آ نکلا۔ روپ متی کا ممنون ہوں، اس نے میری خدمت کی اور میرے گھوڑے کو بھی پانی پلایا۔''

روپ متی بولی ''جناب! گستاخی معاف، آپ اپنی شخصیت ہم سے چھپا رہے ہیں۔ میرے زائچے کے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

مطابق آپ ہمارے مہاراج جہانگیر ہیں۔"

بادشاہ لڑکی کی یہ قابلیت دیکھ کر بہت حیران ہوا، لیکن اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "بیٹی! تمھیں غلط فہمی ہوئی۔ میں تم سے اپنی شخصیت نہیں چھپا رہا، لیکن تم یہ بتاؤ، تم اس ویران جنگل میں کیونکر رہتی ہو؟ تمھاری معاش کا کیا ذریعہ ہے؟"

"مہاراج....."

جہانگیر بات کاٹتے ہوئے بولا "میں نے کہا نا کہ میں مہاراج نہیں۔"

تبھی بڑھیا بولی "روپ متی کے پتا بیجاپور کے بہت بڑے پنڈت اور شاہی نجومی تھے۔ ایک روز وزیراعظم کسی بات پر ان سے ناراض ہو گئے اس پر روپ متی کے پتا شاہی ملازمت چھوڑ کر اس جنگل میں آ بسے۔ قریب کے ایک گاؤں والے ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ روپ متی کے پتا گزشتہ سال آنجہانی ہو چکے۔ انھوں نے بیٹی کو بھی نجوم اور رمل کی تعلیم دی تھی۔

"بیٹی کا امتحان لینے کے لیے ایک روز انھوں نے اس جگہ کا زائچہ بنوایا۔ روپ متی کے بنائے زائچے کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ ان کے اپنے بنائے اور روپ متی کے زائچے میں ذرا بھی فرق نہ تھا۔ ان زائچوں سے معلوم ہوا کہ ایک روز شہنشاہ ہمارے مہمان ہوں گے اور شناخت کا ذریعہ ان کی انگشتری بنے گی جس میں نہایت درجہ قیمتی یاقوت جڑا ہو گا۔ مہاراج! روپ متی کا زائچہ غلط نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ہی مہاراج جہانگیر ہیں، پرماتما آپ کو سلامت رکھے!"

بڑھیا کی بات سن کر جہانگیر کے لیے اپنی شخصیت کو چھپانا از بس مشکل ہو گیا۔ بولا "خیر اس بات کو چھوڑیں کہ میں کون ہوں؟ لیکن روپ متی آج سے میری بیٹی ہے۔ اسے تم یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھو۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ شاہی فوج کا ایک دستہ وہاں آ پہنچا۔ شہنشاہ کو دیکھ کر انھوں نے فوجی انداز میں سلام کیا اور پھر جہانگیر کے اشارے پر نہایت ادب سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

روپ متی نے کہا "مہاراج! ان دو ثبوتوں کی موجودگی میں تو آپ میرے زائچے کو غلط نہیں کہہ سکتے۔"

"دو ثبوت؟" جہانگیر نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں مہاراج! پہلا ثبوت تو یہ شاہی فوج کی سلامی ہے۔ دوسرا ثبوت انگوٹھی ہے، جو مہاراج جہانگیر کے سوا کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔"

پھر وہ تیزی سے مکان کے اندر گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک خط لا کر جہانگیر کو دیا اور بتایا کہ یہ میرے پتا جی نے مرنے سے پہلے آپ کے نام لکھا تھا۔ جہانگیر نے خط کھول کر پڑھا، تو اس میں لکھا تھا:

"مہاراج بہت جلد آپ دلی پر بھی حکمرانی کریں گے۔ میری درخواست ہے کہ میری بیٹی اور نواسی کا بھی خیال رکھیں۔"

یہ خط پڑھ کر جہانگیر نے حکم دیا "روپ متی اور اس کی والدہ کو شاہی محل پہنچا دیا جائے۔"

شاہی محل میں ملکہ نور جہاں نے روپ متی اور اس کی والدہ کی کفالت اپنے ذمے لے لی۔ کچھ دنوں بعد آگرہ کے ایک معزز برہمن خاندان میں روپ متی کی شادی کر دی گئی۔ روپ متی کے والد کی حیثیت سے خود جہانگیر شادی کی تمام رسوم میں شریک ہوا اور جہیز کے طور پر ایک بہت بڑی جاگیر بھی اسے عطا کی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جہانگیر کے بعد جب شاہجہان تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی منہ بولی بہن کی جاگیر میں مزید اضافہ کر دیا۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

انسان کو سب سے زیادہ تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب کوئی قریبی رشتے دار یا دوست ناروا سلوک کرے۔ تب انسان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان کا نفس اور آس پاس کے لوگ اُسے بدلہ لینے پر اکساتے ہیں۔ تب عموماً غصے کی آگ میں بدلہ لیا جاتا ہے۔ لیکن جذباتی قدم اٹھانے سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ کئی انسان اور گھر تباہ ہوجاتے ہیں۔ اس کا ایک ہی حل ہے جو اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے کے لیے آزمائش کا باعث بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔ (الفرقان: ۲۰)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رشتے دار اور دوست ہمارے ساتھ ناروا سلوک کریں، تو اصل میں یہ اللہ ہی کی طرف سے ہماری آزمائش ہوتی ہے۔ اسی لیے

رب کی بتائی راہ پر چل کر

اللہ کا محبوب بنیے

خالق کائنات کی آزمائش پر پورا اتریے

اور ڈھیروں اجر پائیے

رضوان احمد ہاشمی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اللہ تعالیٰ خود پوچھ رہا ہے کہ کیا تم صبر کرو گے؟ یعنی ہمیں صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔ ''اور جس شخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا، بے شک یہ بلند ہمت والوں کے کاموں میں سے ہے۔''

(الشوریٰ: ۴۳)

آپ پاکستانی معاشرے پر نظر دوڑائیے۔ آج لوگ دانستہ یا نادانستہ ایک دوسرے کو تکلیف دیتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ تکلیف پہنچنے پر صبر کیا جائے۔ یہی ہمت کی بات ہے نہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے۔ صبر کرنا بہت مشکل لیکن اس کا اجر بے شمار ہے۔ اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔ لیکن جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی، تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔''

(الشوریٰ: ۳۹)

برائی کے بدلے اچھائی کرنے ہی کی تعلیم اللہ تعالیٰ دے رہا ہے اور اس نیک کام کا اجر بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے: ''صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔'' (الزمر: ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی اور بدی برابر نہیں، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ برائی کو بھلائی سے دور کرے۔ پھر وہی شخص جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے، وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا محب اور دوست ہو۔''

گویا آج بیشتر پاکستانی برائی کو برائی ہی سے دور کر رہے ہیں۔ اس کے نتائج بھی بھگتتے ہیں۔ سب سے بہتر اللہ کی نصیحت ہے کہ برائی کو بھلائی سے دور کرو۔ اس پر عمل کرنے سے آپ کا دشمن آپ کا دوست بن جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بہت ہمت کا کام ہے مگر اس کا اجر بھی تو بے حساب ملے گا۔

''جو غصے کو پینے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

(آل عمران: ۱۳۴)

درج بالا آیت سے عیاں ہے کہ لوگوں کی زیادتی پر صبر اور ان کو معاف کرنے پر اللہ تعالیٰ کی محبت ملتی ہے۔ نیز قیامت کے دن بے حساب اجر کی بشارت دی گئی ہے۔ کیا اللہ کے یہ انعامات بہتر ہیں یا برائی کا بدلہ برائی سے لینا بہتر ہے؟ فیصلہ ہمیں خود کرنا ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب اہل عافیت مصائب پر صبر کرنے والوں کا اجر و ثواب دیکھیں گے، تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کی کھال کو قینچی کے ساتھ کاٹ دیا جاتا۔''

صبر کا اجر اتنا ہے کہ ہم اپنی عقل سے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بتایا گیا ہے کہ صبر کرنے پر اللہ ہم سے محبت کرے گا۔ جب اللہ کی محبت مل جائے گی، تو ایک انسان کو دنیا اور آخرت میں اور کیا چاہیے؟ صبر کرنے اور لوگوں کو معاف کرنے پر کئی انعامات ملتے ہیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دوستوں، رشتے داروں اور انسانوں کے ساتھ زیادتی کرتے چلے جائیں اور ہمیں کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچے گا۔

حضرت ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سرکشی اور رشتے داروں سے ناروا سلوک کے سوا اور کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ دنیا میں جلد سزا دے اور آخرت میں بھی سزا کا ذخیرہ کر رکھا ہو۔ اللہ کی سزا چاہیے یا محبت..... اس بات کا فیصلہ ہمیں خود کرنا ہے۔ صبر کی اللہ تعالیٰ نے خود تعریف کی ہے کہ یہ ہمت والوں کا کام ہے۔ اگر صبر نہ کیا اور لوگوں کے ساتھ بدستور بدسلوکی کرتے رہے، تو اس کا انجام دنیا اور آخرت میں ذلت کے سوا کچھ نہیں۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

دینی شخصیت

بچوں کو اسلامی یا غیر اسلامی بنانے میں

گھر میں سب سے اہم کردار ماں کا ہے

ممتاز عالمِ دین، مفتی تقی عثمانی کی بیگم صاحبہ کا ایقان افروز انٹرویو

ترجمہ: سید عاصم محمود

کراچی میں مقیم مفتی محمد تقی عثمانی کا شمار وطن عزیز کے ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ آپ مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحب زادے ہیں۔ ۱۹۴۳ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد والدین کی معیت میں کراچی چلے آئے۔ وہیں مفتی شفیع نے ۱۹۵۱ء میں ''دارالعلوم'' کی بنیاد رکھی۔ مفتی تقی عثمانی اور آپ کے بڑے بھائی، مفتی رفیع عثمانی اب دارالعلوم میں تشنگان علم کی پیاس بجھا رہے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل کراچی کے انگریزی رسالے ''دی انٹلیکٹ'' (The Intellect) میں مفتی تقی عثمانی کی زوجہ محترمہ کا انٹرویو شائع ہوا۔ یہ ہمارے مشہور عالم دین کی خانگی زندگی، گھریلو معاملات اور اسلامی رہن سہن پر مفید روشنی ڈالتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

سوال: مفتی صاحب نے تمام عمر اسلام کی خدمت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ انھیں عظیم کامیابیاں اس لیے بھی حاصل ہوئیں کہ ان کو گھر میں آپ کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ان کی کیونکر مدد و معاونت رہی؟

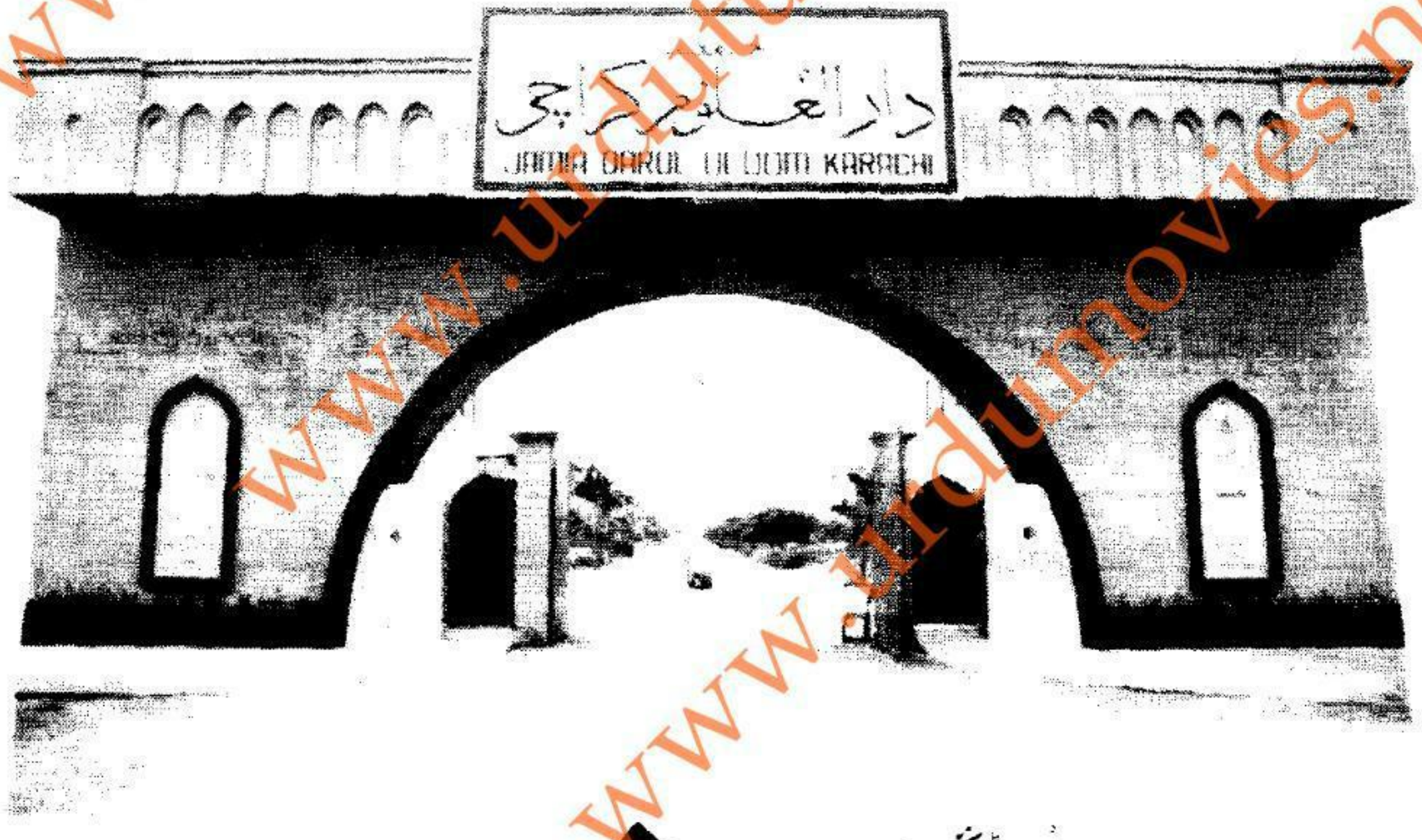

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

جواب: شادی کے پہلے دن ہی میں نے طے کر لیا کہ میں اس طریقے سے گھر کی ذمے داریاں سنبھالوں گی کہ میرے شوہر اپنا سارا وقت دین کی ترقی و ترویج پر صرف کر سکیں۔ یہی امر میرے لیے بہت ثواب کا کام تھا۔

چناں چہ ہماری شادی ہوئے کئی برس ہو چکے، آج بھی گھر کے تمام چھوٹے بڑے امور میں ہی دیکھتی ہوں۔ انھیں کسی گھریلو معاملے مثلاً سودا سلف لانے یا ملبوسات وغیرہ کی خریداری کے سلسلے میں پریشان نہیں کیا جاتا۔ اگر ٹیلی فون کی تار ٹوٹ گئی، تو یہ مسئلہ بھی میں ہی حل کرتی ہوں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ مفتی صاحب دین کی اشاعت پر بھرپور توجہ دے سکیں۔

اس موقع پر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اللہ پاک نے مجھے بہترین اور مثالی شریک حیات سے نوازا۔ انھوں نے گھر میں اہل خانہ کو بہترین دینی و دنیاوی ماحول مہیا کیا۔ اس پر میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں۔

سوال: شیخ الاسلام اکثر بیرون ملک دورے کرتے ہیں۔ آپ کو کبھی ان کے ساتھ جانے کا موقع ملا؟ اگر ہاں، تو آپ ان کے ساتھ کیسے وقت گزارتی ہیں؟

جواب: کئی بار میں ان کے ساتھ بیرون ممالک جا چکی۔ عموماً جب بھی ہم جہاز پر سوار ہوں، مفتی صاحب لیپ ٹاپ پر کام کرنے لگتے ہیں۔ جہاز کے اترنے تک اس پر کام جاری رہتا ہے۔ اس دوران میں تلاوت کلام پاک کرتی ہوں۔

ہوٹل پہنچتے ہی مفتی صاحب اپنی طے شدہ مصروفیات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ میں قرآن پاک پڑھتی یا اسلامی کتب کا مطالعہ کرتی ہوں۔ دراصل مطالعہ میرا مرغوب مشغلہ ہے۔ گھر میں چونکہ وقت نہیں ملتا، لہٰذا بیرون ملک دورے کے دوران میں خوب کتابیں پڑھتی ہوں۔ آج کل عربی سیکھ رہی ہوں تاکہ عربی کتب کا بھی مطالعہ کر سکوں۔

مجھے خریداری (شاپنگ) یا سیر و تفریح کا کوئی شوق نہیں۔ مجھے خواتین گھومنے پھرنے کی دعوت دیتی ہیں، لیکن مجھے ہوٹل کے کمرے میں رہنا پسند ہے۔ البتہ ہم کراچی میں ہوں یا لندن میں، میں نماز فجر کے بعد آدھ گھنٹا مفتی صاحب کے ساتھ ضرور صبح کی سیر کرتی ہوں۔ شام کو مشین پر آدھ گھنٹا پیدل چلتی ہوں۔ اسی دوران میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے پارے کا ایک جز ختم کر لیتی ہوں۔

> شادی کے پہلے دن ہی میں نے طے کر لیا کہ میں اس طریقے سے گھر کی ذمے داریاں سنبھالوں گی کہ میرے شوہر اپنا سارا وقت دین کی ترقی و ترویج پر صرف کر سکیں۔

بیرون ملک دورے پر جب مفتی صاحب کی مصروفیات ختم ہو جائیں، تو عموماً ایک دن وہ زائد رکتے ہیں۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ وہ مجھے شہر کے قابل دید اور مشہور مقامات کی سیر کروا سکیں۔

سوال: جب بچے بڑے ہو جائیں، تو خواتین خانہ کو ستانے کا وقت مل جاتا ہے۔ اب آپ اپنا عام دن کس طرح گزارتی ہیں؟

جواب: میں ہر جمعرات و جمعرات فاؤنڈیشن اسکول کی اساتذہ اور عملے کو لیکچر دیتی ہوں۔ (یہ ایجوکیشن سسٹم کی تعلیم دینے والا یہ اسکول دارالعلوم کراچی کی عمارت ہی میں واقع ہے) دوران لیکچر میں عموماً مفتی صاحب کی کتاب، اصلاحی خطبات سے اقتباسات پڑھتی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہوں تا کہ کام کا معیار پرکھ سکوں۔

دن کا میرا معمول مفتی صاحب کے اوقات کار سے ہم آہنگ ہے تا کہ انھیں زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچ سکے۔ معمول کچھ یوں ہے:

نماز فجر کے بعد ہم ہوا خوری کرتے ہیں۔ صبح ساڑھے سات بجے ناشتا کیا جاتا ہے۔ مفتی صاحب پھر ۸ تا ۱۰ بجے جماعت میں صحیح بخاری کی تعلیم دیتے ہیں جبکہ میں گھریلو امور میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ مفتی صاحب ۱۰ بجے گھر آتے اور بارہ بجے تک اپنے لیپ ٹاپ پہ کام کرتے ہیں۔ (کتابیں اور مضامین لکھنا وغیرہ)

۱۲ سے ۲ بجے تک مفتی صاحب دفتر میں بیٹھتے ہیں۔ نماز ظہر کے بعد تقریباً سوا دو بجے ہم اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔ بعدازاں تقریباً ساڑھے تین بجے تک قیلولہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد مفتی صاحب پھر دفتر جاتے ہیں۔ وہاں اساتذہ، طالب علم اور مہمان ان سے مختلف موضوعات پر گفت وشنید کرتے ہیں۔

نماز عصر کے بعد مفتی صاحب گھر پر وقت گزارتے ہیں۔ نماز مغرب تک کا وقت اہل خانہ کے لیے مخصوص ہے۔ مفتی صاحب زور دیتے ہیں کہ اس وقت سب لوگ مل جل کر بیٹھیں۔ اس دوران متفرق موضوعات پر باتیں ہوتی ہیں۔

نماز مغرب کے بعد مفتی صاحب عموماً تحقیق و تصنیف کے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ کام نماز عشا تک جاری رہتا ہے۔ اس دوران مفتی صاحب کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی جاتی۔

نماز عشا کے بعد سب اہل خانہ کھانا تناول کرتے ہیں۔ بعداز طعام مفتی صاحب دس پندرہ منٹ کے لیے کسی کتاب سے اسلامی واقعات پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ سلسلہ رات ۱۲ بجے تک چلتا ہے۔

سوال: اس وقت مغربی تہذیب و تمدن نے ہمارے معاشرے پر یلغار کر رکھی ہے۔ آپ کے خیال میں مسلم خواتین کی اصلاح کے حوالے سے کیسے اقدامات ہونے چاہییں؟

جواب: سب سے پہلے، تو خواتین کی زیادہ سے زیادہ ایسی محافل منعقد ہوں جن میں انھیں ہر قسم کی دینی باتیں بتائی جائیں، خاص طور پر سلف صالحین کا طرز زندگی! یوں انھیں بھی تحریک ملے گی کہ وہ اپنے طرز حیات کو اسلامی اقدار و روایات کے مطابق ڈھال لیں۔

میں سمجھتی ہوں کہ اصلاح کا فریضہ نرمی و محبت سے انجام دینا چاہیے۔ یہ نہیں کہ انسان لٹھ لے کر دوسرے پر چڑھ دوڑے۔ یوں دوسرا زیادہ بغاوت پر اتر آتا ہے۔ جبکہ نرمی سے کی گئی بات ہمیشہ اثر کرتی ہے۔ لہٰذا کوئی خاتون دینی تعلیمات سے آگاہی رکھتی ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے حلقہ احباب یا محلے میں ایسی محفلیں باقاعدگی سے منعقد کرے جن میں خواتین کو اسلامی باتیں بتائی جائیں۔

ایک عورت بچوں کی پرورش کرتی ہے، لہٰذا اسے خاص طور پر دینی تعلیم سے آراستہ پیراستہ ہونا چاہیے۔ یوں وہ اسلامی طرز حیات کے مطابق اولاد کو پالتی پوستی اور انھیں مغربی تہذیب کی برائیوں سے بچا کر رکھتی ہے۔

سوال: آج کل معاشرے میں طلاق کا رجحان بہت بڑھ چکا۔ آپ کے نزدیک کامیاب اور خوشگوار شادی کا راز کیا ہے؟

ضروری ہے کہ اس وقت تمام پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں موجود ہوں۔ اس مرحلے کے بعد مفتی صاحب پھر تصنیف و تالیف کا کام کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ رات ۱۲ بجے تک چلتا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

جواب: خوشگوار زندگی کا ایک اہم گُر یہ ہے کہ بیوی شوہر کی پسند نا پسند کو سمجھتی ہو۔ یوں میاں بیوی کے تعلقات میں مضبوطی اور اعتماد آتا ہے۔ آج کل یہ رواج ہو چکا کہ بیوی جب باہر جائے، تو نئے کپڑے پہن اور میک اپ کر کے نکلتی ہے۔

دوسری طرف جب گھر میں رہے، تو سادہ کپڑے زیب تن کرتی اور عموماً بناؤ سنگار سے بے توجہی برتتی ہے۔ اس کے بدن سے پیاز و لہسن کی بُو آتی ہے۔ حالانکہ بیوی کا چلن الٹا ہونا چاہیے۔ وہ گھر سے نکلے، تو باحجاب ہو اور سادہ لباس پہنے۔ جبکہ گھر میں اسے شوہر کی خاطر بن سنور کر رہنا چاہیے۔ اس طرح گھر میں صحت مند اور خوشگوار ماحول جنم لیتا ہے۔

سوال: آپ کو شیخ الاسلام کی کون سی عادات پسند ہیں؟

جواب: (مسکراتے ہوئے) مجھے ان کی تمام عادتیں پسند ہیں، ماشاءاللہ! درحقیقت میرے رشتے دار اکثر مذاقاً مجھ سے کہتے ہیں، ہم نے آج تک ایسی بیوی نہیں دیکھی جو اپنے شوہر کی باتیں اتنی توجہ و غور سے سنتی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ انھوں نے ہمیں بہترین جوڑا بنایا۔ شاید وجہ یہ کہ ہم ہمیشہ ایک دوسرے کا بھلا چاہتے اور ثواب کمانے کی خاطر کام کرتے ہیں۔

سوال: کھانے میں شیخ الاسلام کو کیا پسند ہے؟

جواب: بکرے کے گوشت کا سادہ سالن اور دال ماش شوق سے کھاتے ہیں۔

سوال: ہمارے معاشرے میں بہت سی غیر اسلامی رسومات رواج پا چکی۔ کرپشن کا بھی دور دورہ ہے اور اشیا اکٹھی کرنے کی ہوس بڑھ رہی ہے۔ ایسے ماحول میں ایک مسلمان اپنے آپ اور گھر والوں کو کیسے محفوظ و مامون رکھے؟

جواب: اگر ایک خاندان دینی تعلیمات سے آگہی اور نیک و بد میں تمیز رکھتا ہے، تو وہ با آسانی دور حاضر کی تمام برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ اخلاقی برائیاں ہر دور میں ہوتی ہیں اور ان سے بچ کر تقویٰ پر چلنا ہی ایک مسلمان کا اصل کام ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک گھر میں سب سے اہم کردار ماں کا ہوتا ہے۔ وہ چاہے، تو پورے گھر کا ماحول اسلامی یا غیر اسلامی بنا سکتی ہے۔

اخلاقی برائیاں ہر دور میں ہوتی ہیں اور ان سے بچ کر تقویٰ پر چلنا ہی ایک مسلمان کا اصل کام ہے۔

ایک بار دورہ انگلستان کے دوران ایک مسلم گھرانے میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مقیم بچے بچیوں کو پاکستانی بچوں سے زیادہ مسنون دعائیں یاد تھیں۔ خواتین اور لڑکیاں باحجاب رہتیں۔ تمام مرد باقاعدگی سے اسلامی فرائض ادا کرتے۔

مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ لوگ انگلستان کے آزاد ماحول میں رہائش پذیر ہیں۔ اس کے باوجود آپ کا طرز زندگی سو فیصد اسلامی ہے۔ یہ کرشمہ کیونکر ظہور پذیر ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ ہمارے گھر کا ماحول ہمیشہ سے مذہبی رہا ہے۔

دراصل دینی گھریلو فضا میں پلتے بڑھتے بچے بیرونی منفی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر والدین اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوں، تو ان کی اولاد بھی انہی کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ ماضی کی طرح آج بھی اسلامی تعلیمات پر چلنا بہت آسان ہے۔ بس مسلمان میں خود اعتمادی اور ارادہ ہونا چاہیے۔

آپ کا بہت شکریہ کہ ہمارے لیے وقت نکالا اور اپنے عمدہ خیالات سے ہمیں مستفید کیا۔ ◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

یمن میں حارث بن عمرو الکندی نام کا ایک بادشاہ گزرا ہے۔ ایک دن اسے اطلاع ملی کہ عوف کندی نامی سردار کی لڑکی غیر معمولی طور پر حسین و جمیل ہے۔ بادشاہ نے اسی کی برادری کی عصام نامی ایک عورت کو حال معلوم کرنے بھیجا۔ وہ لڑکی کی والدہ کے پاس پہنچی جس کا نام امامہ بنت حارثہ تھا۔ اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

وہ اسے اپنی لڑکی کے پاس لے گئی اور کہا کہ یہ تیری خالہ ہے جو تجھے ملنے اور تیرے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئی ہے۔ اس سے کھل کر بات کر اور کوئی بات اس سے نہ چھپانا۔ وہ عورت اس لڑکی کو دیکھ کر اس کے حسن و جمال اور سلیقہ مندی کی قائل ہوگئی۔ واپس آکر بادشاہ سے صورت حال بیان کر دی اور اس کی بہت تعریف کی۔

یہ سن کر بادشاہ نے اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ چناں چہ اس کے ساتھ بادشاہ کی شادی ہو گئی۔ رخصتی کے وقت جب دلھن کو پالکی میں بٹھا کر خاوند کے گھر لے جانے کا مرحلہ آیا، تو ماں نے اسے چند نصیحتیں کیں۔ اس نے کہا:

اے بیٹی، اگر نصیحت کسی کے عقل و خرد یا اعلیٰ نسب

سسرال جاتی بیٹی کے نام

والدہ کی دس نصیحتیں

عقل مند دختر نے ان پر عمل کیا،
تو پُرمسرت ازدواجی زندگی کا خزانہ پالیا

مولانا محمد منصانی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کی وجہ سے کی جاتی، تو میں اسے ضرور چھوڑ دیتی اور تجھ سے چھپاتی۔ مگر یہ عقل مند کے لیے یاددہانی کے طور پر اور بے سمجھ کے لیے بطور تنبیہہ کی جاتی ہے۔ اس لیے میں تجھے نصیحت کر رہی ہوں۔

اے میری بیٹی، اگر عورت اپنے والدین کی دولت مندی اور ان کی والہانہ محبت کی وجہ سے مستغنی ہوتی، تو سب سے زیادہ میں اپنے خاوند سے لاپروا اور مستغنی ہوتی، مگر ایسا نہیں۔ بلکہ جس طرح عورتوں کے لیے مرد پیدا کیے گئے ہیں بالکل اسی طرح عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اے بیٹی، تو ایک مانوس ماحول اور وطن سے دور ایسے ماحول میں جا رہی ہے جسے تو نہیں جانتی۔ ایک ایسے ساتھی کے ہاں تجھے جانا ہے جس کے ساتھ تو مانوس نہیں جب کہ وہ تیرا مالک بن جائے گا۔ لہٰذا تو اس کی لونڈی بن جانا اس طرح وہ تیرا غلام بن جائے گا۔

اس سلسلے میں تو میری دس باتیں یاد رکھنا

☆ پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے خاوند کے ساتھ قناعت اور سادگی سے زندگی گزارنا۔

☆ اس کی بات غور سے سننا اور اطاعت کرنا کیونکہ قناعت میں دل کو راحت پہنچتی ہے اور اطاعت و فرمانبرداری میں مالک (خاوند) خوش ہوتا ہے۔

☆ تیسری بات یہ کہ تجھ سے خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہو۔

☆ تیرا خاوند تجھے صاف ستھرے اور مہکتے لباس میں ملبوس ہی دیکھے۔ اے میری بیٹی، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ عطر کی عدم موجودگی میں پانی سب سے خوشبودار ہے اس سے نہا اور بناؤ سنگار کر۔ حسن پیدا کرنے کے لیے تیرے پاس سرمہ موجود ہے، اس سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں۔

☆ پانچویں بات یہ ہے کہ اس کے کھانے کے وقت کا خیال رکھ۔

☆ سونے کے وقت بھی اس کے آرام کا خیال رکھ کیونکہ بھوک کی شدت ناقابل برداشت ہوتی ہے اور نیند سے اچانک جاگنا غصے کا سبب ہوتا ہے۔

☆ ساتویں بات اس کے مال کی حفاظت کرنا ہے۔

☆ آٹھویں نصیحت یہ ہے کہ اس کے رشتے داروں اور خاندان کا لحاظ رکھنا۔ کیونکہ مال کی حفاظت حسن ترتیب اور رشتے داروں اور خاندان کی رعایت حسنِ انتظام کی علامت ہے۔

☆ نویں یہ کہ اس کے رازوں کو ظاہر نہ کرنا۔

☆ دسویں یہ کہ اس کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا۔ کیونکہ اگر تو نے اس کے راز کو ظاہر کر دیا، تو سزا سے نہ بچ سکے گی اور اگر نافرمانی کی، تو اس کے غصے کو بھڑکا دے گی۔

اے بیٹی، جب وہ ناخوش ہو، تو خوش ہونے اور جب وہ خوش ہو، تو غم کا اظہار کرنے سے بچنا۔ کیونکہ پہلی چیز کوتاہی کی علامت ہے اور دوسری سے کدورت کا اظہار ہوتا ہے۔

اور تجھے اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تمام چیزیں، تو اپنے خاوند سے اس وقت تک حاصل نہ کر سکے گی جب تک کہ تو ان تمام معاملات میں جنھیں تو پسند یا ناپسند کرتی ہے، اپنے خاوند کی خواہش اور رضا کو اپنی مرضی پر ترجیح نہ دے۔ اللہ تعالیٰ تیرے لیے بہتری کرے اور تجھے اپنی رحمت سے نوازے۔

جب لڑکی اپنے خاوند کے ہاں پہنچی، تو اس نے اپنی والدہ کی نصیحتوں کے مطابق عمل کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے خاوند کا اعتماد حاصل کر لیا اور بڑی عزت پائی۔ ◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

جسے ہر کوئی جاننا چاہے

کامیابی کا راز

اُس نادر گُر کا بیان جس کی مدد سے ایک ناکام مسلمان خود کو کامیاب بنا سکتا ہے

قاری احمد ہاشمی

یہ دیکھا گیا ہے کہ بظاہر کامیاب نظر آنے والے بہت سے لوگ کسی نہ کسی لحاظ سے ناکام ہوتے ہیں۔ وہ یوں کہ ان کے پاس پیسے کی فراوانی، جائداد، عزت اور ہر طرح کی سہولیات موجود ہوتی ہیں۔ پھر بھی وہ مایوسی اور بے سکونی کی زندگی گزارتے ہیں۔ اسی طرح بے شمار لوگ جب صبح بیدار ہوں، تو پتا چلتا ہے کہ ان کے بچے اسکول جا چکے۔ جب وہ رات کو گھر آئیں، تو بچے سو رہے ہوتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بچے جو ہمارا اصل سرمایہ ہیں، ان کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا۔ یہ خرابی اسی لیے جنم لیتی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو متوازن نہیں رکھ پاتے۔

مثال کے طور پر کئی لوگ عبادت میں اس طرح مگن ہوتے ہیں کہ اپنی گھریلو ذمے داریاں بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ بیوی بچوں کو محنت سے حلال رزق کما کر کھلانا بذات خود بہت بڑی عبادت ہے۔ یہ لوگ اپنی آخرت بناتے بناتے اپنی دنیا اجاڑ لیتے ہیں۔ دین اور دنیا الگ الگ نہیں بلکہ دنیا، تو آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا

اخلاقیات

میں ہر وہ کام جو آپ اچھی نیت سے انجام دیں، آخرت میں اس کا صلہ پائیں گے۔

اسی طرح ہمارے نوجوانوں کی بڑی تعداد مختلف کھیلوں سے بہت جذباتی لگاؤ رکھتی ہے۔ دوسری طرف پڑھے لکھے طبقے کے کچھ افراد فقط کتابیں پڑھنے کو زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھتے ہیں۔ دراصل اگر آپ کے مقاصد اور اہداف صرف ایک شعبے تک محدود رہیں، تو عموماً آپ ناکام اور غیر منظم شخصیت کے مالک بن جاتے ہیں۔

میری نظر میں زندگی کے اہم ترین شعبہ جات کچھ اس طرح ہیں:

مالیات، صحت، خاندان، مستقبل، سماجی خدمت، آپ کی اپنی ذات، دین اور روحانیت۔

جو انسان ان تمام شعبوں میں توازن برقرار نہ رکھے، وہ حقیقی کامیابی کے مفہوم سے آگاہ نہیں ہو پاتا۔ اس لیے درج بالا شعبوں میں سے کسی ایک کو نظر انداز نہ کیجیے۔

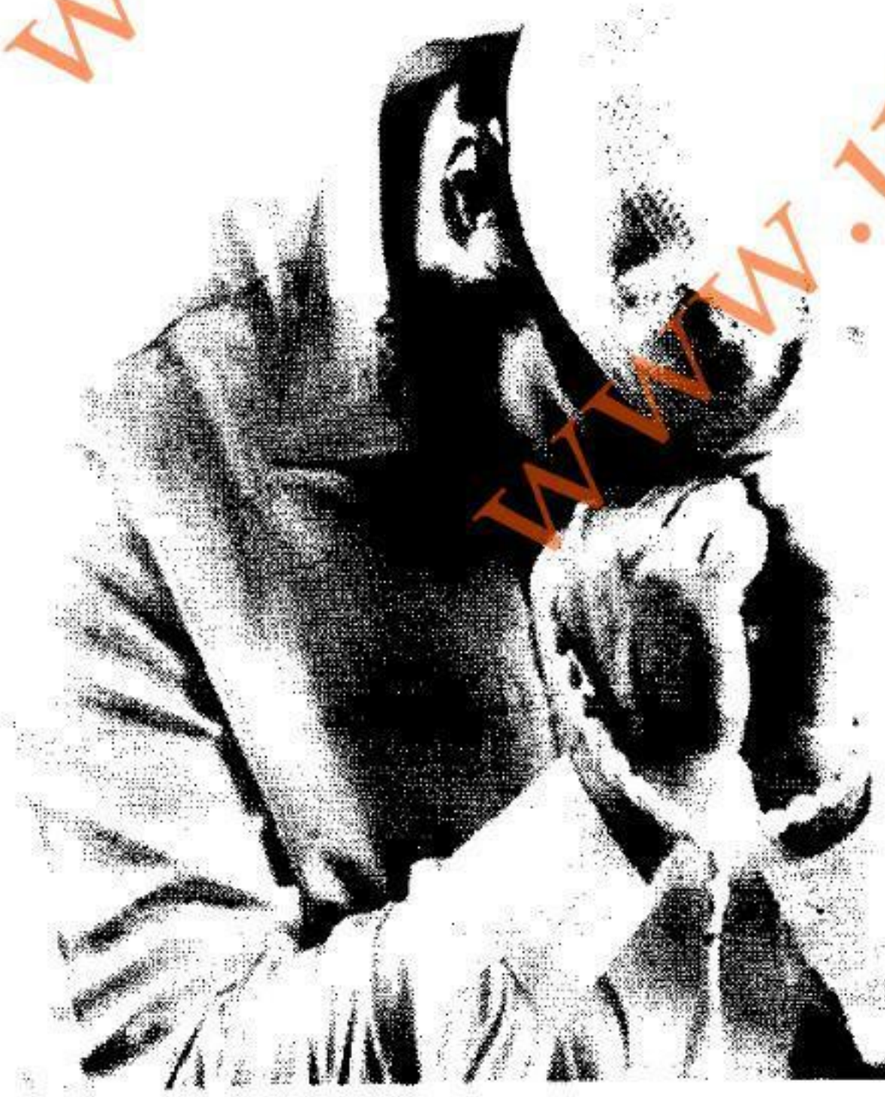

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

دولت ہونا ضروری ہے، لیکن پیسا سب کچھ نہیں۔ اسی طرح صحت قائم نہیں رہتی، تو ساری کامیابیاں دھری رہ جاتی ہیں۔ آپ کا بہترین اور خوبصورت وقت وہ ہے جو آپ گھر والوں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ آپ پر سب سے زیادہ حق اہل خانہ کا ہے۔

پسندیدہ شعبہ (Career) منتخب کیے بغیر آپ قید بامشقت کاٹیں گے، اس لیے یہ بھی زندگی کا بہت اہم شعبہ ہے۔ دولت اور آپ کا علم کسی کام کا نہیں اگر یہ دوسروں کی مدد اور آسانی کے لیے استعمال نہ ہو رہا۔ اسی لیے سماجی خدمت کرنا بھی ضروری ہے۔ آخر میں یہ بتانا لازم ہے کہ تمام شعبوں کی کامیابیاں کسی کام کی نہیں جب مالک (اللہ تعالیٰ) ہی آپ سے راضی نہ ہوں۔

چناں چہ کامیابی پانے کے لیے صدق دل سے اللہ سے دعا کیجیے۔ جب کامیابی مل جائے، تو اس مالک کا شکر ادا کریں۔ مذکورہ بالا تمام شعبوں کا توازن ہی ہمیں اندرونی سکون اور حقیقی خوشی سے آشنا کرواتا ہے۔

بعض افراد کو سماجی کارکن بننے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کا کام کروانے کے لیے بھاگتے پھرتے ہیں۔ ان کی لاتعداد دوستیاں ہوتی ہیں، لیکن ایک بھی سچا و مخلص دوست نہیں ہوتا۔ یہ لوگ دوسروں کی زندگیاں بناتے بناتے اپنی زندگی ناکام بنا لیتے ہیں۔ لہٰذا درج بالا شعبوں میں توازن رکھنا ضروری ہے۔ قرآن و سنت میں اسی توازن زندگی کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

حضورﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"خیر الامور اوسطھا"

"اعتدال سے کام انجام دینے میں ہی خیر ہے۔"

●●●

زندگی کے انداز

کہا جاتا ہے کہ کتابیں انسان کی دوست ہیں، لیکن آج کل بہت کم لوگ علمی و ادبی کتب پڑھتے ہیں۔ زیادہ تر تو فلمیں دیکھتے یا نیٹ استعمال کرتے ہیں۔ لوگ اپنی خواہشات ہر حالت میں پورا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات اس چیز کے مطابق نہ ہوں جو میں لایا ہوں۔"

انسان پر بُرا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتا ہے۔ اس لیے کبھی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ وہ صبر سے کام لے اور خوشی اور غمی یعنی ہر طرح کے حالات میں صرف اللہ رب العزت سے مدد طلب کرے۔

اگر ہم اپنا حق چاہتے ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے فرائض کو پورا کریں۔ رشوت لینے اور دینے سے گریز کریں کیونکہ اس سے معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ آج کل کے دور میں اب بھی کچھ لوگ قناعت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان سے کسی اور کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ مسکراہٹ ایک قیمتی تحفہ ہے جب بھی آپ کسی سے ملیں، تو مسکراتے ہوئے اور خوش اخلاقی سے ملیں اور کوشش کریں کہ آپ کسی کو دکھ نہ دیں۔ ہمیں چاہیے کہ سرکارِ دوعالم حضرت محمد ﷺ کی سیرت کو اپنائیں۔ جب تک مسلمان اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے کامیاب رہے۔ جب عمل کرنا چھوڑ دیا، تو ذلت اور پستی کا شکار ہو گئے۔ بقول شاعر

وہ معزز تھے زمانے میں صاحبِ قرآں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

(بنت محمد رزاق، میرپور، آزاد کشمیر)

www.pdfbooksfree.pk

اردو ڈائجسٹ کے سالانہ خریدار بن کر

✿ 560 روپے کی غیر معمولی بچت پائیے ✿ اس قیمت میں خصوصی نمبر بھی حاصل کیجیے

اُردو کے ہمہ رنگ، باوقار ڈائجسٹ کو اپنا دوست بناتے ہوئے
معلومات کی ایک نئی دنیا سے اپنے دامن کو بھریئے

دِلچسپ انٹرویوز، کہانیوں اور شگفتہ ادبی تحریروں سے اپنی زندگی کو پُر لطف بنائیے

قیمت فی پرچہ -/100 روپے	12 شماروں کی قیمت	سالانہ رجسٹرڈ ڈاک خرچ	کل رقم سالانہ	سالانہ بدل اشتراک	بچت
سالانہ خریداری	1200 روپے	360 روپے	1560 روپے	1000 روپے	560 روپے

سالانہ خریداری فارم

نام _____ فون نمبر _____

پتا _____ ای میل _____

میں ماہ _____ 20ء سے اُردو ڈائجسٹ کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں۔ مجھے اُردو ڈائجسٹ ارسال کر دیجیے۔

1۔ بذریعہ وی پی میں سالانہ قیمت پوسٹ مین کو ادا کر دوں گا۔ یا

2۔ میں مطلوبہ رقم -/1000 روپے کا بینک ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال کر رہا ہوں۔ یا

3۔ میں نے -/1000 روپے اُردو ڈائجسٹ کے اکاؤنٹ نمبر 110-800380 بینک آف پنجاب سمن آباد میں آن لائن جمع کروا دیئے ہیں۔ اور اپنا ایڈریس ای میل کر رہا ہوں۔ یا

4۔ ہماری ویب سائٹ پر جا کر سبسکرپشن فارم پُر کریں اور ہمیں ای میل کر دیں۔ یا

5۔ ہمیں 0301-8431886 پر ایس ایم ایس کریں۔ ہمارا نمائندہ آپ سے رابطہ کرے گا۔

تاریخ _____ دستخط _____

اردو ڈائجسٹ۔ سرکولیشن مینیجر۔ سمن آباد۔ لاہور 54500۔ پاکستان فون نمبر: +92-42-35290738 +92-42-37589957
ای میل: subscription@urdu-digest.com ویب سائٹ urdudigest.pk فیکس: +92-42-35290731

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اُردو ڈائجسٹ کی ٹیم

دلابھٹی کے دیس میں

گورنمنٹ ڈگری کالج، پنڈی بھٹیاں میں منعقدہ ایک پُروقار علمی تقریب کا احوال

محمد اسلم لودھی

ایک دانشور کا قول ہے: ''کسی بھی قوم کی بقا اس حقیقت پر استوار ہے کہ وہ اپنی نئی نسل کو کیسی تعلیم و تربیت دے رہی ہے۔'' ظاہر ہے' تعلیم یافتہ اور باشعور نئی نسل ہی مستقبل کے چیلنجوں سے نمٹنے کا شعور رکھتی ہے۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ پچھلے ۵۵ برس سے دینی' اخلاقی' علمی اور ادبی تحریروں کے ذریعے لاکھوں پاکستانیوں کو علم و شعور کی دولت عطا کر چکا۔ اب نئی نسل کو بھی دینی و قومی اقدار اور علم و ادب سے آگاہی کرانے کا فریضہ جاری و ساری ہے۔

پچھلے ماہ طے پایا کہ گورنمنٹ کالج' پنڈی بھٹیاں کے طلبہ اور اساتذہ سے ملاقات کی جائے۔ ایک مقصد تو اردو ڈائجسٹ کو متعارف کرانا تھا۔ دوسرا یہ کہ نوجوان طلبہ کو لکھنے پڑھنے کے مفید مشغلے کی طرف مائل کیا جائے۔

اردو ڈائجسٹ کی ٹیم محمد اسلم لودھی' غلام سجاد اور رضوان حیدر پر مشتمل تھی۔ ۱۲ر مارچ ۲۰۱۵ء کی صبح پنڈی بھٹیاں جانے کے لیے صبح ۹ بجے دفتر سے روانگی ہوئی۔ آسمان پر بادلوں کے آوارہ ٹکڑے منڈلا رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ خوشگوار موسم نے ہم پر مثبت اثرات مرتب کیے۔

موٹروے پر سفر کا آغاز ہوا۔ لاہور سے نکلتے ہی دور طلبہ اور اساتذہ سے ملاقات کی جائے۔ ایک مقصد دور تک لہلہاتی فصلوں کے خوبصورت منظر نے ہمارا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

استقبال کیا۔ اور ہم فطری دلکشی کے حسن میں کھو گئے۔ ان مناظر نے ہمارا جذبہ الوطنی سوا کر ڈالا اور ہم بانیان پاکستان کو دعائیں دینے لگے جنھوں نے قدرتی وسائل سے مالا مال وطن ہمیں عطا کیا۔

موٹروے پر سفر کرتے ہوئے راستے میں اپر چناب سمیت نصف درجن نہریں بھی آئیں۔ سبھی پانی سے خالی ملیں۔ کوئی نہر بھی قابل دید نہیں تھی کہ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں ۶۶ ڈیم بنا کر پاکستانی دریاؤں کا پانی بھی زبردستی روک لیا ہے۔ جدید سہولتوں سے آراستہ موٹروے کا معیار دیکھ کر خوشی ہوئی۔ وہ اپنی تعمیر کے ۱۷ سال بعد بھی بہت اچھی حالت میں ہے۔ ہم نے ۱۱۰ کلومیٹر کا سفر صرف ایک گھنٹے دس منٹ میں طے کر لیا۔ ہمارے دل میں موٹروے بنانے والوں کے لیے تحسین بھرے جذبات ابھر آئے۔

پنڈی بھٹیاں پچاس ہزار نفوس پر مشتمل قصباتی شہر ہے۔ یہ شہر پنجاب کے ایک غیور راجپوت دلا بھٹی سے منسوب ہے۔ پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد کا دوسرا بڑا قصبہ اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ لاہور سے ۱۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے چناب کے کنارے واقع ہے۔ چار اطراف سے شیخوپورہ، چنیوٹ، فیصل آباد اور سرگودھا کے اضلاع میں گھرا ہوا ہے۔ ضلعی مقام، حافظ آباد اس کے شمال مشرق میں ۵۹ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

یہ قصبہ تقریباً آٹھ صدیاں قبل تغلق دور میں وجود میں آیا جب جیسلمیر کے علاقے بھٹیر سے اٹھ کر آنے والے بھٹی قبیلے کے افراد یہاں آباد ہوئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تعداد اور قوت میں اس طرح اضافہ کرتے گئے حتی کہ علاقے میں اپنی عملداری قائم کر لی۔ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں یہاں کا زمیندار دلا بھٹی نئی زرعی اصلاحات کی وجہ سے باغی ہو کر مغل حکومت کے مدمقابل آ کھڑا ہوا۔ دلا بھٹی کی بہادری سے کئی لوک داستانیں منسوب ہیں۔ انہی داستانوں کے سبب آج بھی مقامی تاریخ و ثقافت میں اس کا نام نڈر ہیرو کے طور پر لیا جاتا ہے۔ ۱۵۹۹ء میں مغلوں نے اسے گرفتار کر لاہور کے محلہ نخاس میں تختہ دار پر لٹکا دیا۔

مغلوں کے عہد میں پنڈی بھٹیاں انتظامی طور پر پرگنہ حافظ آباد میں شامل تھا۔ ۱۸۰۲ء میں اس پر سکھ حکمران راجا رنجیت سنگھ قابض ہو گیا۔ اس دوران بھٹی قبیلے کے سرکردہ افراد نے بھاگ کر جان بچائی اور جھنگ کے سیالوں کے ہاں پناہ لی۔ سکھوں نے مسلمانوں کے مذہبی مقامات کو شدید نقصان پہنچایا۔ بالخصوص شاہی جامع مسجد کے صحن کو اصطبل میں تبدیل کر دیا۔

جب انگریزوں نے پنجاب پر قبضے کے لیے سکھوں سے لڑائیاں لڑیں، تو بھٹی قبیلے نے اپنے مقبوضات کی بحالی کے لیے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ انگریزوں کی فتح کے بعد وہ پنڈی بھٹیاں قصبے کو دوبارہ اپنی عملداری میں لینے میں کامیاب ہو گئے۔ انگریزی عہد میں یہاں لاہور سے سرگودھا تک براستہ پنڈی بھٹیاں سڑک تعمیر ہوئی۔ تھانہ، مدرسہ اور شفاخانہ تعمیر ہوئے۔ قیام پاکستان سے پہلے یہ قصبہ دیسی گھی کی فروخت کا بڑا مرکز تھا۔ اس کے علاوہ چمڑے کی کاٹھیوں کی وجہ سے بھی مشہور ہوا۔ یہاں چاول چھڑنے کے متعدد کارخانے اور جینز کی پتلونیں تیار کرنے کی ایک بڑی فیکٹری بھی ہے۔ یہ علاقہ چاول کی کاشت کے حوالے سے بہت مشہور ہے۔

پنڈی بھٹیاں میں ۱۸۸۱ء میں میونسپل کمیٹی قائم ہوئی۔ ٹاؤن کمیٹی کی عمارت انتہائی دلکش اور قدیم تھی۔ یہاں ایڈیشنل سیشن و سول عدالتوں کے علاوہ کئی سرکاری دفاتر بھی ہیں۔ طلبہ و طالبات کے لیے ڈگری کالجز، کالج

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

آف ٹیکنالوجی اور ووکیشنل انسٹیٹیوٹ موجود ہے۔ غلہ منڈیوں کے علاوہ یہاں شورزدہ زمینوں کی تحقیق کرنے والا بڑا ادارہ بھی بنایا گیا۔ میاں خیر محمد نون کی خانقاہ بھی اسی شہر کا حصہ ہے جنھیں ۱۷۶۵ء میں سہ حاکمان لاہور کے دور میں سکھوں نے شہید کر دیا تھا۔

☆☆☆

ہم گورنمنٹ ڈگری کالج میں داخل ہوئے' تو وائس پرنسپل پروفیسر اسد سلیم شیخ نے ہمارا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ پرنسپل پروفیسر محمد اویس سے بھی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اردو ڈائجسٹ کے علمی و ادبی مشن کو سراہا اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ پروفیسر اسد سلیم شیخ نے بتایا کہ یہ کالج ۱۹۹۶ء میں قائم ہوا تھا۔ کالج کے تین ہونہار طالب علم ڈویژن بھر میں اوّل پوزیشنیں حاصل کر چکے۔ ۱۲۵ کنال پر پھیلے اس کالج میں طلبہ کے لیے ہوسٹل کی سہولت بھی موجود ہے۔

جدید سائنسی علوم اور انفارمیشن ٹیکنالوجی سے روشناس کرانے کے لیے کمپیوٹر سنٹر بھی کام کر رہا ہے۔ پروفیسر شاہد علی شعبہ انگریزی' پروفیسر رائے محمد ریاض ساجد شعبہ اردو' اسد سلیم شیخ شعبہ سیاسیات' امیر خان شاہد شعبہ تاریخ' رائے اللہ دتہ شعبہ فزیکل ایجوکیشن' ڈاکٹر محمد عارف نون شعبہ پنجابی سے وابستہ ہیں۔ کالج میں اساتذہ کی کئی اسامیاں اب بھی خالی ہیں جو لمحہ فکریہ ہے۔

پروفیسر اسد سلیم شیخ ہمیں لے آڈیٹوریم میں پہنچے جہاں ایک سو بیس کے لگ بھگ طلبہ موجود تھے۔ تلاوت قرآن پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔ نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد کالج کے تین طلبہ محمد رمضان تھرڈ ایئر' حافظ محمد ثقلین صالح' فرسٹ ایئر اور محمد عباد سیکنڈ ایئر نے اردو ڈائجسٹ کی جانب سے دیے گئے موضوع ''والدین اور اولاد میں دوریاں کیوں بڑھ رہی ہیں؟'' پر فکر انگیز اظہار خیال کیا۔ اس کے بعد اردو ڈائجسٹ کی جانب سے مجھے دعوت تقریر دی گئی۔ میں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:

''اردو ڈائجسٹ برصغیر پاک و ہند بلکہ مشرق وسطیٰ' یورپ اور امریکا تک اردو پڑھنے والوں کا محبوب رسالہ ہے۔ یہ ڈائجسٹ ایک فرد کی طرح لاکھوں خاندانوں کا حصہ بن چکا۔ اس کے پڑھنے والوں میں نسل در نسل کے لوگ شامل ہیں۔ اس کی تحریروں میں مقدس رشتوں سے محبت' دین اسلام کی سربلندی اور وطن عزیز سے گہری محبت کا درس ملتا ہے۔

اردو ڈائجسٹ کی حیثیت پاکستانی معاشرے میں روشنی کے مینار جیسی ہے۔ اس میں شائع ہونے والی تحریروں کا ایک ایک لفظ آپ کے جذبات' احساسات' امنگوں اور جذبات کا ترجمان ہوتا ہے۔ آج ہمارا آنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ بھی اردو ڈائجسٹ کے لیے معاشرتی کہانیاں' افسانے اور سائنسی موضوعات پر تحریریں لکھیے۔ آپ ہی میں ہمیں دانشور' ادبا' علما اور سائنس داں تلاش کرنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتیں عطا کی ہیں' انھیں صرف چراغ دکھانے کی ضرورت ہے۔ اردو ڈائجسٹ وہی روشنی لیے آپ کی دہلیز پر دستک دے رہا ہے۔ اپنی زندگی سے مایوسیاں نکال پھینکیں۔

اردو ڈائجسٹ میگزین ہی نہیں سماجی راہنما کی بھی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں آپ جیسے باصلاحیت نوجوانوں سے مخاطب ہو کر بہت خوشی محسوس ہوئی۔ اللہ نے چاہا' تو یہ سلسلہ دراز ہو گا۔ ہم پاکستان کی ہر یونیورسٹی اور کالج میں جا کر باصلاحیت نوجوانوں کو اردو میں سوچنے' لکھنے اور پڑھنے کی ترغیب دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔

☆☆☆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بعدازاں سب ایڈیٹر غلام سجاد نے اردو ڈائجسٹ کا مختصر تعارف کروایا۔ اساتذہ کرام اور طلبہ کو اردو ڈائجسٹ کا مستقل قاری بننے کی ترغیب دیتے ہوئے انھیں نئے اور گزشتہ شمارے اعزازی طور پر دیے۔ اردو ڈائجسٹ کے خوبصورت پرچے جن نوجوانوں کو ملے' ان کے چہرے کھلتے چلے گئے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اردو ڈائجسٹ ٹیم کی پنڈی بھٹیاں آمد کو کالج میں خوشگوار جھونکے کے مانند محسوس کیا گیا۔

اس کے بعد ہم پروفیسر اسد سلیم شیخ کی رفاقت میں گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین پہنچے۔ کالج کی پرنسپل' مسز فریدہ کریم صاحبہ نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ ہمیں لیے کالج کے آڈیٹوریم پہنچیں جہاں چالیس پچاس کے قریب طالبات پہلے سے موجود تھیں۔ ہم نے وہاں بھی دور حاضر میں اردو ڈائجسٹ کی اہمیت اور افادیت سے طالبات کو آگاہ کیا۔ اور انھیں ترغیب دی کہ وہ باقاعدگی سے اس مفید رسالے کا مطالعہ کریں۔ طالبات نے اردو ڈائجسٹ میں گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

تقریبات سے فارغ ہونے کے بعد پروفیسر اسد سلیم شیخ ہمیں لیے پنڈی بھٹیاں کا تاریخی شہر دکھانے چل پڑے۔ چھوٹی چھوٹی اینٹوں سے بنا یہ قدیم شہر سادگی و حسن میں اپنی مثال آپ ہے۔ ہماری دلچسپی کا مرکز انجمن اصلاح المسلمین نامی لائبریری بنی۔ یہ ۱۹۳۲ء میں قائم ہوئی۔ اس میں قدیم اردو اور فارسی مخطوطوں کے علاوہ قرآن پاک کے بہت پرانے نسخے بھی محفوظ ہیں۔ لائبریری میں چار ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔ ہمیں وہ تلوار بھی دکھائی گئی جو پنڈی بھٹیاں شہر کی جانب سے انجمن اصلاح المسلمین نے مجاہد ائیر کموڈور ایم ایم عالم کو بھارتی جنگی جہاز گرانے پر پیش کی تھی۔ ایم ایم عالم نے یہ تلوار وصول کر کے' پنڈی بھٹیاں شہر کو بطور تحفہ لوٹا دی۔ وہ اب اس لائبریری میں محفوظ ہے۔

وقت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ ہمیں واپس لاہور جانے کی فکر بھی لاحق تھی' لیکن پروفیسر اسد سلیم شیخ ہمیں اپنے بڑے سے گھر میں لے گئے۔ اُسے اگر ادبستان کے لقب سے پکارا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ اس میں باقاعدگی سے ادبی نشستیں ہوتی ہیں۔ پنڈی بھٹیاں کے ادیب، شاعر اور اہل ذوق ہفتے میں ایک دن وہاں جمع ہو کر اپنا تازہ کلام سناتے اور جی بھر کے داد وصول کرتے ہیں۔ پروفیسر صاحب جس قدر پروقار شخصیت کے حامل انسان ہیں اسی طرح انھوں نے اپنے گھر کو بھی ادبی اور روایتی ماحول فراہم کر کے تاریخی رہائش گاہ میں تبدیل کر رکھا ہے۔ کھانا سادہ لیکن مزیدار تھا۔

اسی اثنا میں دلا بھٹی سنگت کے جنرل سیکرٹری بشیر دیوانہ آ پہنچے۔ انھوں نے پنجابی کی خوبصورت غزل ''ٹالی دے تھلے'' سنا کر محظوظ کیا۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے چار بج چکے تھے۔ پروفیسر صاحب نے مجھے اپنی معروف کتاب ''دلے دی بار'' تحفہ دی۔ میں نے انھیں اردو ڈائجسٹ کا تازہ شمارہ اور اپنی کتاب ''محبت'' پیش کی۔ کتابوں اور محبتوں کے تبادلے کے ساتھ ہی پنڈی بھٹیاں کا یہ تاریخ ساز دورہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ ہم اس وقت واپس لاہور پہنچے جب شام کا اندھیرا ماحول کو اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ لیکن اس کی خوشگوار یادیں ہمیشہ ہمیں اپنی خوشبو سے مہکاتی رہیں گی۔

(اس مضمون کی تیاری میں پروفیسر اسد سلیم شیخ کی کتاب ''دلے دی بار'' سے استفادہ کیا گیا۔)

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ذمے داری اور قابلیت

قدرت کا ہر نظام فطری اصولوں پر چل رہا ہے۔ ہر کام صلہ' سزا' جزا' رتبہ جسمانی بیماری' نفسی بیماری نیز ہر ہر شے خاص طے شدہ اصولوں کے تحت سرگرم رہتی ہے۔ قدرت آپ کو جس طرح کی قابلیت عطا کرے' اس طور آپ پر ذمے داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ آپ پر جیسی بھی ذمے داری ہو' جو کام بھی آپ کے سپرد ہو' یہ چنداں ممکن نہیں کہ آپ وہ ذمے داری نبھانے کے قابل نہ ہوں۔ قدرت بڑی شفافیت سے آپ کے کاموں کا عیادہ کرتی اور ہر طرح سے آپ کو وہ کام پورا کرنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ وہ کام کیسے پورا کرتے ہیں۔ آیا احسن طریقے سے یا پھر مصیبت سمجھ کر' یہ طے ہے کہ کرنا تو آپ کو پڑے گا۔ اگر آپ خدا کی مرضی پر راضی ہو کر وہ کام بخوشی کریں گے' تو وہی کام آپ کی کامیابی کا ضامن ہو گا بلکہ عین عبادت ہو گا اور اگر آپ نے وہ ذمے داری سمجھی تو آپ پر وہی کام تنگ ہوتا جائے گا اور حقیقتاً مصیبت بن جائے گا۔ اپنی قابلیت کی قدر کیجیے اور اپنے حصے کے کام ایمانداری اور احسن طور پر کیجیے۔

زندگی ایک سمندر

زندگی ہر شخص کے لیے ایک سمندر کے مانند ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس سمندر سے کس شے کو حاصل کرتا ہے۔ کئی لوگ اس سے موتی و جواہر نکالتے ہیں۔ کئی لوگ خوب صورت سیپیاں اور اکثر لوگ محض ریت' مٹی چنتے ہیں۔ اگر آپ زندگی کے سمندر سے کچھ حاصل نہیں کر سکے' تو یہ آپ کی کمزوری ہی نہیں نااہلی بھی ہوتی ہے۔ کوئی موتی چُنے' پتھر چُنے یا محض ریت..... اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ خود ہی سوچنا اور آگے بڑھ کر ڈھونڈنا ہوتا ہے۔ انسان اور زندگی کا تعلق بھی اسی طرح کا ہے۔ انسان اپنی اہلیت اور بصیرت کے مطابق زندگی سے حاصل کرتا ہے۔ زندگی اپنے سمندر میں غوطہ لگانے والوں کی بے حد قدر کرتی ہے۔ بظاہر انسان کے ہاتھ میں اس کی پیدائش اور موت نہیں ہوتی باقی تمام زندگی وہ اپنی مرضی و منشا پر گزارتا ہے' مگر خالق کائنات نے اس کی محنت اور کوشش کا اجر اسی کے ہاتھ میں رکھ دیا ہے۔

رب اُمید ہی کیوں توڑتا ہے؟

عاجزی و انکساری انسان کو اللہ تعالیٰ کے انتہائی قریب لے جاتی ہے۔ اللہ کو عجز بے حد پسند ہے۔ وہ انسان میں عجز و فرمانبرداری پیدا کرنے کے لیے اسے تمام عمر مختلف کاموں میں الجھائے رکھتا ہے۔ اس کی اُمید توڑتا ہے' ارادے ادھورے رہنے دیتا ہے۔ خواہشات کی تکمیل نہیں کرتا' بنتے کام بگاڑ دیتا ہے اور ساری زندگی اس میں عجز پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ جب تک انسان میں عاجزی پیدا نہ ہو وہ رسوائی اُٹھاتا رہتا ہے اور تمام تر تدابیر کے باوجود خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ جو شخص اس راز کو پا لیتا اور عجز اختیار کر لیتا ہے وہ دنیا و آخرت میں اعلیٰ و ارفع مقام پاتا ہے۔ اس کی خواہشات اس کے لبوں سے پہلے اس کے قدموں میں آن پہنچتی ہے اور جو شخص اس نعمت سے مرصع نہ ہو وہ تمام عمر ٹھوکریں کھاتا اور رسوا ہوتا رہتا ہے۔

(خزیمہ سلیمان' راولپنڈی)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کیرئیر راہنمائی

نماز

مغرب پڑھ کر گھر آیا تو امی نے اطلاع دی کہ ڈرائنگ روم میں علی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ علی میرے دوست کا چھوٹا بھائی ہے اور ہمارا ہمسایہ بھی۔ میں بھی اسے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتا ہوں۔ اسی لیے وہ مجھے اپنی تمام پریشانیاں بتاتا ہے اور راز بھی۔ اس دن وہ آیا تو کچھ پریشان لگ رہا

ایک کامیاب کاروباری کے تجربات کا نچوڑ جان کر آپ بھی باروزگار ہو سکتے ہیں

وطن عزیز میں بیروزگاری اہم مسئلہ بن چکا۔ اعداد و شمار کے مطابق ہماری افرادی قوت چھ کروڑ نوے لاکھ پر مشتمل ہے۔ ان میں سے تقریباً ۷۰ تا ۸۰ لاکھ بیروزگار ہیں۔ دوسری طرف ہر سال ایک لاکھ سے زائد نئے نوجوان عملی زندگی میں قدم دھرتے ہیں اور انھیں ملازمت کی تلاش ہوتی ہے۔

سرکاری ملازمتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ نجی اداروں میں ملازمتیں نکلتی ہیں مگر انھیں مطلوبہ صلاحیتوں والی افرادی قوت نہیں مل پاتی۔ ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ اپنا کاروبار کرنے ہی سے پاکستانی نوجوانوں کے معاشی حالات درست ہو سکتے ہیں۔ مگر نئی نسل کی اکثریت نہیں جانتی کہ کاروبار کس طرح کیا جائے اور کون سا؟ زیر نظر مضمون میں کاروبار کرنے کا طریق کار ہی آسان فہم انداز میں بتایا گیا ہے۔ پڑھیے اور آج ہی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی جدوجہد شروع کر دیجیے۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net
www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بیروزگاری دور کرنے والے

کاروبار کرنے کے قیمتی گُر

نوجوانوں اور متوحش والدین کے لیے راہنما تحریر

طیب طارق

تھا۔ میں نے چہرے کے تاثرات بھانپتے ہوئے پوچھا یہ کہ کیا بات ہے علی، خیریت ہے؟

میرے پوچھنے کی دیر تھی وہ تو جیسے پھٹ پڑا اور کہنے لگا ''طیب بھائی! مجھے ماسٹرز کیے ایک سال ہوگیا مگر ابھی تک ملازمت نہیں ملی۔ گھر والوں کی طرف سے بھی دباؤ ہے کہ اگر گھر پیسے نہیں دینے تو کم از کم اپنا خرچ تو اٹھاؤ تاکہ تمہاری شادی کرسکیں۔ میں خاندان میں جس لڑکی کو پسند کرتا ہوں، اس کے گھر والوں کی بھی یہی شرط ہے کہ میں پہلے ملازمت کروں، پھر منگنی کریں گے۔ مجھے تو ڈر ہے اس کی منگنی کسی اور سے نہ ہو جائے۔ کیا فائدہ ان ڈگریوں کا جب ان کے ذریعے چار پیسے کمانے مشکل ہو جائیں۔ دل کرتا ہے ان ڈگریوں کو جلا کے راکھ کردوں۔''

جب اس نے جی بھر کے اپنے دل کا غبار نکال لیا تو میں نے پوچھا: ''علی تم کاروبار کیوں نہیں کرلیتے؟ تم نے ماسٹرز کیا ہوا ہے، ذہین بھی ہو تو اپنا کاروبار کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اللہ کے پیارے نبی ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے کہ تجارت میں رزق کے دس حصے ہیں۔ پھر کاروبار سے نہ صرف تم اپنے معاشی حالات بہتر بناؤ گے بلکہ ملک کی معاشی ترقی میں بھی اپنا کردار ادا کرسکتے ہو۔ تمہارے جیسے لاکھوں نوجوان کاروبار کرکے اس ملک میں معاشی انقلاب کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔''

وہ کہنے لگا ''طیب بھائی میں کاروبار کرنا چاہتا ہوں، مگر ڈرتا ہوں۔''

''کس بات کا ڈر؟'' میں نے پوچھا۔

کہنے لگا ''مجھے کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں۔ اگر میری رقم ڈوب گئی تو پھر کیا ہوگا؟ والد صاحب ساری عمر کی جمع پونجی مجھے دیں گے۔ اگر بینک سے لیتا ہوں اور کاروبار نہ چل سکا تو ساری عمر قرضہ اتارتا رہوں گا۔ مجھے یہ بھی نہیں پتا کہ کون سا کاروبار کرنا چاہیے، کس میں زیادہ منافع ہوگا اور جتنی رقم میرے پاس ہے اس میں کون سا کاروبار ہوسکتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں ماسٹرز کے بعد کاروبار ہی کرنا چاہتا تھا، مگر یہ تمام باتیں سوچ کے ڈر گیا۔ پھر ہمارے ہاں کوئی ایسا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ادارہ بھی نہیں جو اس حوالے سے راہنمائی دے سکے۔"

میں نے کہا "دیکھو علی، تمہارے سارے خدشات ایسے شخص کے مانند ہیں جو کسی مقابلے میں شامل ہونے سے پہلے ہی یہ سوچنے لگے کہ میں ہار جاؤں گا۔ اگر سکندر اعظم دنیا فتح کرنے سے پہلے یہی سوچتا کہ اُسے شکست ہو جائے گی، تو کبھی دنیا کا عظیم فاتح نہ بنتا۔ مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر ہندوستان آنے سے پہلے یہ سوچ لیتا کہ اُسے شکست ہوگی، تو آج ہندوستان کی تاریخ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ سٹیفن ہاکنگ اپنی معذوری کو حرزِ جاں بناتا تو اس صدی کا سب سے بڑا سائنس دان نہ بن پاتا۔ سب سے پہلے اپنے اوپر یقین کرنا سیکھو کہ ہاں میں کرسکتا ہوں، میں چاہوں، تو دنیا بھی مسخر کرسکتا ہوں۔ علامہ اقبال کا فلسفہ خودی اسی یقین کی طاقت اور اپنے اوپر اعتماد کا نام ہے۔

"تم نے اپنے جو خدشات بتائے، ان کا حل نکالنا ممکن ہے۔ دراصل کم و بیش ہر آدمی خطرے کے امکانات سے ڈرتا اور انھیں کم کرنا چاہتا ہے۔ کاروبار کے تناظر میں اگر ہم بات کریں، تو اس میں بھی رقم ضائع ہونے کا خطرہ ہم کم سے کم کرسکتے ہیں۔ پہلا سیدھا سادہ فارمولا، تو یہ ہے کہ آپ کے پاس جتنی رقم ہے، اس کے ایک تہائی حصے سے کاروبار شروع کرو۔ یعنی ایک انگریزی محاورے کے مطابق اپنے سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں کبھی مت ڈالیں۔

"دوسرا نکتہ یہ کہ اگر کاروبار کے لیے پیسے کم ہیں یا آپ نقصان سے ڈرتے ہیں، تو اپنے کسی بااعتبار دوست یا عزیز رشتے دار کے ساتھ شراکت کرلیجیے۔ اگر آپ کے پاس بالکل معمولی رقم ہے، لیکن آئیڈیا ٹھوس ہے، تو اپنے کسی مالی طور پر مستحکم رشتے دار یا دوست سے بات کیجیے..... یہ آئیڈیا میرا، محنت میری، پیسا تمہارا اور منافع ہم آپس میں خاص شرح سے بانٹیں گے جو آپس میں طے کیا جا سکتا ہے۔

"اب تو آئی ٹی سے متعلقہ کاروبار مثلاً آن لائن دکان، سافٹ ویئر، موبائل ایپ، آن لائن پبلشنگ یا کسی بھی طرح کی آن لائن خدمات کے لیے سرمائے کا حصول آسان ہو چکا۔ اس سلسلے میں حکومت پنجاب نے پلان ۹ کے نام سے ایک منصوبہ شروع کیا ہے۔ ملک کی مایہ ناز یونیورسٹی لمز نے بھی ایک پروگرام شروع کر رکھا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ کا آئیڈیا بہت شاندار ہو اور انھیں پسند آجائے۔

"اگر آپ چھوٹی سطح کا کاروبار کرنے کے لیے سرمایہ چاہتے ہیں، تو اس کے لیے اخوت فاؤنڈیشن، کشف مائیکروفنانس موجود ہیں۔ اہم بات یہ کہ چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروبار کے لیے درکار سرمائے کی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے اب پاکستان میں بھی کراؤڈ فنڈنگ اور اینجل فنڈنگ جیسی عالمی سہولیات میسر ہیں۔ اس سرمائے کے حصول کے طریقوں اور متعلقہ کمپنیوں کے بارے میں تفصیل تمھیں پھر کبھی بتاؤں گا۔

"تیسرا نکتہ تم نے اٹھایا کہ تمھیں کاروبار کا تجربہ نہیں ہے اور کون سا کاروبار کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آپ امتحان میں کامیابی کے لیے تیاری کرتے ہیں، کاروبار میں کامیاب ہونے کے لیے بھی تیاری کرنی پڑے گی تاکہ ناکامی کا امکان کم سے کم ہو اور رقم بھی ضائع نہ ہو۔"

علی نے حیران ہوکر پوچھا "کاروبار کی تیاری سے کیا مراد ہے؟"

میں نے جواب دیا: "جس طرح کسی بھی مقابلے میں آپ کے حریف ہوتے ہیں، اسی طرح کاروباری دنیا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کاروبار کرنے سے پہلے فزیبلٹی رپورٹ بنانی ضروری ہے

میں بھی حریف ملتے ہیں۔ لہٰذا مقابلے کے لیے متعلقہ کاروبار کے معیار اور مصنوعہ کی خصوصیات پر مکمل گرفت، مارکیٹ ریٹس سے آگاہی اور کاروبار میں منافع کی صلاحیت جانچنے کے لیے اس کی فزیبلٹی تیار کرنے کو کاروباری تیاری کہا جا سکتا ہے۔ ساتھ میں یہ بھی ضروری ہے کہ اگر آپ کو اس کاروبار کا بالکل تجربہ نہیں، تو اسے شروع کرنے سے پہلے تین چار مہینے کسی متعلقہ فرم میں انٹرن شپ کر لیں یعنی تھوڑا عملی کام سیکھ لیا جائے تاکہ نقصان کا امکان کم ہو سکے۔ کاروباری خاندانوں میں اب بھی یہی رواج ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پہلے ملازمین کے ساتھ بٹھا کر کام سکھاتے، پھر کرسی پر بٹھاتے ہیں۔''

علی کو اب میری باتوں میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی، کہنے لگا ''طیب بھائی اگر آپ برا نہ مانیں، تو آج رات کا کھانا ہم اکھٹے کھائیں، میں آپ سے کاروبار کے حوالے سے مزید راہنمائی چاہ رہا ہوں۔''

میں نے کہا ''بھئی تم مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح عزیز ہو، اگر ہو تو میں فجر تک تمہاری راہنمائی کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

ہم پھر ایک مقامی تکہ شاپ کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستے میں اس نے ایک میڈیکل اسٹور سے کھانسی کا سیرپ لیا۔ کھانے کا آرڈر دے کر جب دوبارہ بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے اس سے کہا ''علی اگر تم واقعی کاروبار کے بارے میں سنجیدہ ہو، تو ہمیں روزانہ ایک نشست رکھنی چاہیے جس میں کاروبار کے ایک موضوع پر سیر حاصل گفتگو کر سکیں۔ یہ موضوع بہت وسیع ہے اور ایک نشست میں اس پر تفصیلی بات چیت ممکن نہیں۔ ان نشستوں میں ہم کاروباری آئیڈیاز پر بات کریں گے۔ کاروبار کی ہر شکل مثلاً امپورٹ، ایکسپورٹ، آن لائن کاروبار وغیرہ کی عملی مشکلات اور اسے شروع کرنے کی حکمت عملی بھی زیر بحث آئے گی۔ ہم دیکھیں گے کہ عملی دنیا میں کاروبار کیسے ہو رہا ہے اور کیسے شروع ہو سکتا ہے۔''

میرا یہ کہنا تھا کہ اس کی تو باچھیں کھل گئیں، کہنے لگا ''نیکی اور پوچھ پوچھ، میں تو خود یہی چاہتا تھا، اچھا ہو گیا آپ نے یہ بات خود ہی کہہ دی۔'' چناں چہ فیصلہ یہ ہوا کہ ہم ہفتے میں تین دن نشست رکھیں گے اور کاروبار کے ایک موضوع پر تفصیلی بات چیت کیا کریں گے۔ طے پایا آج ہم کاروبار کے متعلق بنیادی باتیں کریں گے مثلاً کاروبار کہاں سے اور کیسے شروع کیا جائے، کون سا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کاروبار کیا جائے اور اس کی فزیبلٹی کیسے بنائی جائے۔ میں نے سمی کو جو کچھ بتایا' اس سے بیروزگار نوجوان اور ان کے متوحش والدین بھی راہنمائی پا سکتے ہیں:

''انسان کاروبار رقم کمانے کے لیے کرتا ہے تاکہ اپنا معیار زندگی بہتر بنائے اور خوشحال مستقبل کی بنیاد رکھ سکے۔ کاروبار میں آپ کچھ نہ کچھ بیچتے ہیں چاہے وہ کوئی خدمات ہوں (مثلاً اسکول، کمپیوٹر کاج، دائیہ اور ویکیل کی خدمات) کوئی تیار شدہ مال ہو یا غیر تیار شدہ مال یا چاہے کوئی تحریری یا آن لائن مال جیسے میگزین وغیرہ۔ اس میں سے خرچہ نکال کر جو بچے وہ آپ کا منافع ہوتا ہے۔

دنیا میں اس وقت سرمایہ داری نظام مقبول ہے۔ سرمایہ داری نظام میں ہر چیز بکتی ہے۔ اس وقت تم نے جو جوتے پہنے ہوئے ہیں ان سے لے کر تمہارے پڑوں اور کھانے تک ہم مختلف اشیا خریدنے یعنی بیچنے والے کو پیسے دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر چیز یا آئٹم کی اپنی سپلائی چین ہوتی ہے۔ سپلائی چین کو ہم سادہ زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی چیز کے بننے یا زمین سے نکلنے سے لے کر صارف کے ہاتھوں میں پہنچنے کا سفر۔

مثال کے طور پر تم نے ابھی کھانسی کا شربت خریدا۔ یورپ یا چین کی کسی کمپنی نے اس کا رامٹیریل یا خام مال بنایا۔ پاکستان کے کسی امپورٹر نے اسے باہر سے منگوایا اور مقامی فارما کمپنی کو بیچا۔ فارما کمپنی نے اسے کھانسی کے شربت میں تبدیل کر کے ڈسٹری بیوٹر کو بیچا۔ ڈسٹری بیوٹر نے شربت فارمیسی والے کو بیچا۔ فارمیسی والے سے آخر وہ تم تک پہنچ گیا۔

اس سارے عمل میں مینوفیکچرر، امپورٹر، ہول سیلر، ڈسٹری بیوٹر ریٹیلر یا فارمیسی، ہر ایک نے اپنا منافع رکھا اور دوا کو آگے بیچا۔ اسی طرح ایک کھانسی کی دوائی کے ساتھ کئی کاروبار جڑے ہیں۔ اس بوتل پہ جو لیبل چپکا ہے، وہ اس کے مینوفیکچرر نے کہیں اور سے پرنٹ کروایا۔ شیشے کی بوتل کہیں اور سے لی اور اس کا ڈھکن کہیں اور سے خریدا۔ جس کارٹن میں یہ پیک ہو کے ڈسٹری بیوٹر اور فارمیسی کے پاس گئی' وہ اس نے کہیں اور سے خریدا ہو گا۔ شربت میں جو مرکبات استعمال ہوئے مثلاً چینی وغیرہ وہ اس نے کہیں اور سے خریدی ہو گی۔ اس طرح کھانسی کی دوائی کے ایک برانڈ سے کم از کم دس طرح کے کاروبار چل رہے ہیں۔

اب اس سپلائی چین کے کسی بھی حصے میں داخل ہو کر تم کاروبار شروع کر سکتے ہو۔ یہی حساب باقی تمام کاروباری شعبوں کا بھی ہے۔ اب یہ فیصلہ تم نے کرنا ہے کہ اس سپلائی چین کے کس حصے میں داخل ہو کر امپورٹر ایکسپورٹر بننا ہے، ہول سیلر یا ریٹیل یعنی دکان بنانی ہے۔ رئیس میں تم آن لائن شاپ یعنی دکان بھی بنا سکتے ہو جو اس وقت بشموں پاکستان دنیا میں سب سے زیادہ پھیلتا رجحان ہے۔ اس کے علاوہ سروسز کا شعبہ بھی تمہارے لیے کھلا ہے جس میں تم اکیڈمی سے لے کر کمپیوٹر کاج اور اسکول تک بنا سکتے ہو۔ پھر جدید رجحانات میں ڈے کیئر سنٹرز شامل ہیں۔

فزیبلٹی رپورٹ کی تیاری

کون سا کاروبار شروع کرنا چاہیے یا کون سا تمہارے لیے بہتر رہے گا؟ اس بات کا فیصلہ تمہیں درج ذیل آٹھ عوامل کا سائنسی اور اعداد و شمار کی بنیاد پر تجزیہ کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔

۱۔ ذاتی دلچسپی۔ ۲۔ منافع کی شرح۔ ۳۔ کل درکار سرمایہ کاری۔ ۴۔ کاروبار یا مصنوعہ مانگ ۵۔ کیش فلو

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

(پیسے کا بہاؤ) یعنی جن کو آپ نے سامان بیچنا ہے ان کے ساتھ کام اُدھار پر ہے یا نقد؟ اگر اُدھار پر ہے تو کتنے دن کا اور پیچھے سے یعنی جن سے آپ نے سامان خریدنا ہے ان کے ساتھ آپ کا کام اُدھار پر ہے یا کیش اور اگر اُدھار پر ہے تو کتنے دن کا اُدھار ہے اور رقم ٹوٹ کر یعنی قسطوں میں تو واپس نہیں ملتی۔ ۶۔ مارکیٹ میں مدمقابل کتنے ہیں۔ ۷۔ آنے والے زمانے میں رجحان کس چیز کا بڑھ رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کا کاروبار آنے والے وقت میں لوگوں کے بدلتے رجحان کی وجہ سے اپنی اہمیت کھو بیٹھے۔ ۸۔ متعلقہ کاروبار کا تجربہ۔

انہی میں سے دلچسپی اور تجربے کا عنصر نکال کر باقی عناصر کا اعداد و شمار کی بنیاد پر سائنسی تجزیہ کاروبار کی فزیبلٹی رپورٹ کہلاتا ہے۔ بلکہ اگر ہم فزیبلٹی کی کتابی تعریف سے باہر نکل کر بات کریں، تو یہ دونوں عناصر بھی فزیبلٹی کی تعریف میں شامل ہیں کیونکہ کاروبار کی کامیابی میں اعداد و شمار کے علاوہ انسانی حوصلہ، کاروبار چلانے کی لگن، تجربہ اور اس سے سیکھے سبق یہ سب انسانی رویے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

فزیبلٹی بنانے کا مقصد یہ ہے کہ کاروبار سے کمائی کی ممکنہ استعداد، مانگ میں اضافے اور منافع کا حقیقت کے قریب ترین تخمینہ لگا لیا جائے تاکہ نقصان کا اندیشہ کم سے کم ہو۔ اب اگلا سوال یہ ہے کہ فزیبلٹی کیسے بنائی جائے؟ ہم ان ہی آٹھ عناصر کو تھوڑا تفصیل سے لیتے ہیں جس سے تمہیں فزیبلٹی کی بنیادی باتیں سمجھ آجائیں گی۔

۱۔ کاروبار میں دلچسپی:

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ جو کاروبار تم نے شروع کرنا ہے کیا تمہیں اس سے دلچسپی ہے بھی یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مشورہ تمہیں دکان کا دیا جا رہا ہو لیکن تم دل میں سوچ رہے ہو کہ میں اب اتنا پڑھ لکھ کے دکانداری کروں گا؟ لہٰذا صرف کسی کے مشورے پر بغیر سوچے سمجھے کبھی کوئی کاروبار شروع مت کرنا۔ پہلے یہ دیکھو کہ تمہارا اپنا دل کیا چاہتا ہے؟ اور کاروبار کرنے کی خاطر تمہارے پاس کوئی آئیڈیا ہے؟ اگر آئیڈیا ہے تو پہلے اس کی مکمل فزیبلٹی بناؤ۔ اس چیز، مال یا خدمات کی ممکنہ مانگ کی عملی جانچ پڑتال کرو اور پھر اللہ پر بھروسا کر کے اسے شروع کرنا۔ ان شاءاللہ رب تعالیٰ کی مدد سے کامیابی تمہارا مقدر ہوگی۔

علی نے لقمہ دیا ''طیب بھائی، میں نے ابا جان سے ایک دکان شروع کرنے کا مشورہ کیا تھا لیکن وہ اسے سنجیدہ لینے کے بجائے الٹا میرا مذاق اڑانے لگے کہ اب تم پڑھ لکھ کے دکان داری کرو گے۔''

میں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا' دیکھو علی، یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ ہم پڑھ لکھ کر کاروبار کرنے کو حقیر چیز سمجھتے ہیں۔ کاروبار جیسی اہم چیز کو ہم نے کم پڑھے لکھے لوگوں یا کارپوریٹ سیکٹر کے حوالے کیا ہوا ہے۔ یہی حال ہمارے زمیندار بھائیوں کا ہے کہ ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ زمینداری کرنا گناہ کبیرہ سمجھنے لگتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ کہ والدین

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بھی ان کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

دکانداری کوئی بری چیز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پڑھ لکھ کر اسے آپ نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کر رہے ہیں یا نہیں؟ حقیقتاً پڑھ لکھ کر آپ دکانداری میں اس انداز سے جدّت لا سکتے ہیں کہ ایک ہی دکان کا نام آپ کو کروڑوں روپے دلوا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کلینکس (clinix) نام کی ایک فارمیسی لاہور میں آج سے تقریباً دس بارہ سال پہلے کھلی تھی۔ آج اس فارمیسی کی پوری چین ہے، ایک برانڈ ہے اور اس کی ماہانہ سیل کروڑوں روپوں تک جا پہنچی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ فارمیسی کی دکانداری کوئی برا کام تو نہیں۔ اصل بات تو یہ ہوئی کہ آپ اسے چلا کیسے رہے ہیں اور اسے آگے بڑھانے کے لیے آپ میں کتنا جذبہ اور حوصلہ موجود ہے۔

اسی طرح اگر ریٹیل اسٹور کی بات کریں، تو لاہور میں ایچ کریم بخش کے نام سے ایک دکان مال روڈ پر موجود تھی۔ اب اس کی کئی برانچیں ہیں۔ اگر ہم آن لائن دکان کی بات کریں، تو دراز پی کے (daraz.pk) اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا آن لائن ریٹیل اسٹور بن چکا جس کی سیل محتاط تخمینے کے مطابق پاکستان کے کسی بھی بڑے ریٹیل اسٹور کے برابر یا اس سے زیادہ ہی ہوگی۔ زمینداری اور کاشت کاری سے متعلق نئے خیالات اور رجحانات پر بھی ہم ایک نشست میں بات کریں گے۔ ابھی ہماری توجہ اسی موضوع کی طرف مرکوز رہنی چاہیے۔

۲۔ منافع کی شرح:

کسی بھی کاروبار میں سب سے اہم چیز اس کے منافع کی شرح اور سیل کا ممکنہ تخمینہ ہوتی ہے۔ کاروبار ہم منافع کمانے کے لیے کرتے ہیں، اس لیے بے شک تھوڑی سرمایہ کاری کے ساتھ وہ کام شروع کر دیجیے جس میں منافع کی شرح بلند ہو اور ساتھ ساتھ سیل کا بھی مناسب بندوبست ہو سکے۔ تم کاروبار کے جس شعبے کی فزیبلٹی بنانا اور جن چیزوں کی خرید و فروخت کرنا چاہ رہے ہو، پہلے ان کے معیار اور تکنیکی خصوصیات کے حوالے سے مکمل معلومات حاصل کر لینا۔

مثلاً اگر تم ملبوسات کا کاروبار کرنے لگے ہو تو کپڑے کی اقسام، کوالٹی، ان کی موٹائی اور چوڑائی وغیرہ کا معلوم کرنا یعنی ایسی چیزیں جن کی بنیاد پر ان کے نرخ کا تعین ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان چیزوں کی تکنیکی معلومات کے ساتھ ہول سیل مارکیٹ/ڈسٹری بیوٹر/ ریٹیل سے یعنی جہاں سے تم نے اپنا مال بیچنے کے لیے خریدنا ہے، پوچھو کہ یہ چیزیں تمھیں کس قیمت پر ملیں گی؟ پوری مارکیٹ کا سروے کرو یا چار پانچ فیکٹریاں لازمی گھومو تاکہ تمھیں کم از کم ریٹ بہتر معیار کے ساتھ مل سکے اور تم اپنا منافع بڑھا سکو۔

اس کے بعد جس مارکیٹ میں تم نے اپنی چیزیں بیچنی ہیں وہاں خریدار بن کے جاؤ اور اپنی مطلوبہ چیزوں کا ان کی تکنیکی خصوصیات کے ساتھ نرخ معلوم کرو کہ فی الوقت ان کا کم از کم ریٹ کیا چل رہا ہے۔ قیمتیں معلوم کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ شروع شروع میں مارکیٹ میں اپنے قدم جمانے کے لیے ہو سکتا ہے کہ تمھیں کم از کم ریٹ سے بھی نیچے ریٹ دینا پڑے تاکہ خریدار تمہاری طرف متوجہ ہوں اور مستقل طور پر تمہارا مال خریدیں۔

اب مصنوعہ بیچنے کا جو کم از کم ریٹ ہے، اس میں سے جس ریٹ پہ تم خریدو گے، اسے نکال کے اپنا بنیادی منافع نکال لو۔ اب اپنے کاروبار کرنے کے خرچ کا حساب نکالو۔ مثال کے طور پر آپ کو کاروبار شروع کرنے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کے لیے ایک کمرا بطور دفتر (کرایہ+بجلی+چائے وغیرہ: ۲۲۰۰۰ روپے) ایک آفس بوائے (۸۰۰۰ روپے) اور ایک سیلز مین (تنخواہ ۲۰۰۰۰ روپے) کی ضرورت ہے' تو آپ کا ماہانہ خرچہ ہوا ۵۰۰۰۰ روپے۔

اگر آپ کے کاروبار کی سیل ۲۵ فیصد بنیادی منافع کے ساتھ ۲۰۰۰۰۰ روپے ماہانہ ہے' تو آپ ۵۰۰۰۰ روپے ماہانہ کما رہے ہیں۔ یہ کاروبار کے بنیادی خرچے پورے کرنے کے لیے کافی رقم ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ۲۰۰۰۰۰ روپے آپ کے کاروبار کا ''بریک ایون پوائنٹ'' (break even point) ہوا یعنی سیل کا وہ مرحلہ جہاں آپ کی آمدنی خرچ کے برابر ہوگئی۔ اس مرحلے کے بعد آپ کی جتنی بھی سیل بڑھی' اس کی بچت آپ کی اپنی ہوگی۔

اس مرحلے پر آکر علی تھوڑا پریشان ہوگیا اور پوچھنے لگا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا' کاروبار سے مجھے فوری کمائی نہیں ہوگی۔ میں نے جواب دیا: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اس مسئلے کا حل یہ ہوتا ہے کہ جب آپ فزیبلٹی بنائیں' تو تنخواہ کا ایک حصہ چاہے تھوڑا ہی سہی' منیجر کے لیے بھی رکھیں۔ چونکہ آپ سارا انتظام کر رہے ہیں' اس لیے وہ تنخواہ آپ کے حصے میں آئے گی۔ دوسری بات یہ کہ جہاں تنخواہ ایک جگہ مستقل رہتی یا برسوں بعد بڑھتی ہے' وہیں کاروبار میں مسلسل محنت سے آپ ایک سال کے اندر اندر اپنی ممکنہ تنخواہ سے دگنا تگنا کما سکتے ہیں۔

۳۔کل درکار سرمایہ کاری:

تیسری اور سب سے اہم چیز کاروبار شروع کرنے کے لیے درکار سرمایہ کاری ہے۔ متعلقہ مارکیٹ یا اس شعبے کے جان پہچان والے لوگوں سے رابطہ کر کے یہ معلوم کرو کہ اس کام میں سرمایہ کاری کتنی درکار ہوگی۔ اگر آپ ہول سیل کا کام کرنے یا دکان کھولنے کا سوچ رہے ہو تو اس میں بنیادی سرمایہ کاری آپ کے مال کی ہوگی۔ اگر مینوفیکچرنگ کا سوچ رہے ہو تو جو مشینیں آئیں گی' ان کا خرچہ کتنا ہوگا۔ اس کے علاوہ آپ کو مزدوروں کی تنخواہ، بجلی، پانی اور دیگر اخراجات کا کم از کم چھے ماہ کا خرچہ اپنے ذہن میں رکھ کر تخمینہ لگانا ہوگا۔

رہ گئی زمین تو اگر آپ چھوٹی سطح سے شروع کرنا چاہتے ہو' تو وہ تمھیں کرائے پر بھی مل جائے گی۔ یا کرائے پہ کوئی جگہ لے اس میں مشینیں رکھ کر کام شروع کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس اتنی رقم نہیں کہ آپ امپورٹ یا مینوفیکچرنگ کا کام شروع کر سکیں' تو سرمایہ کاری کم کرنے کے اور بھی حل ہیں۔ ان پہ میں تب بات کروں گا جب ہم امپورٹ یا مینوفیکچرنگ کے موضوعات پر تفصیلی نشست کریں گے۔

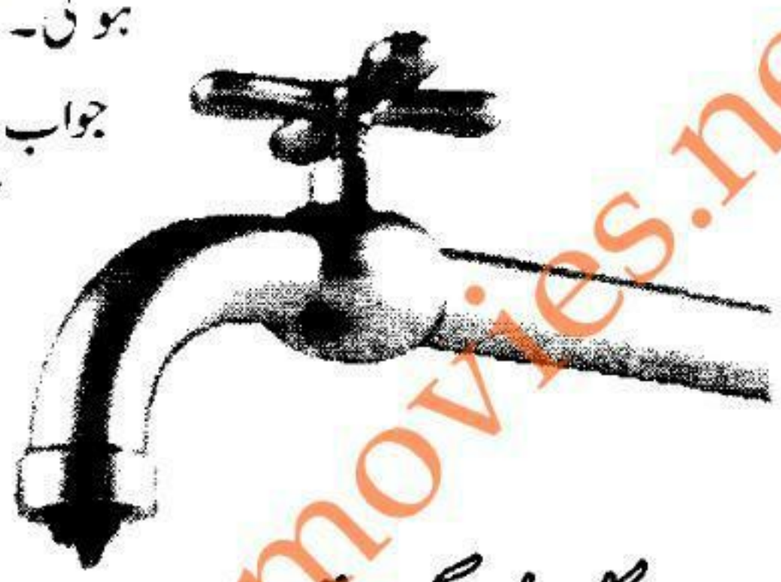

کاروبار کے دوران کیش فلو بہت اہمیت رکھتا ہے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

۴۔ مانگ کا تخمینہ:

چوتھی اہم چیز جس کا فزیبلٹی میں حساب لگانا ضروری ہے وہ ہے مانگ کا تخمینہ! کچھ چیزوں کی مانگ زیادہ لیکن منافع تھوڑا ہوتا ہے۔ کچھ چیزوں کی مانگ کم اور منافع زیادہ ہوتا ہے۔ مینوفیکچرنگ، ریٹیل یا ہول سیل جس میں بھی آپ کاروبار کرنے جا رہے ہیں، اپنی مصنوعہ کی مانگ کا درست تخمینہ لگانا بہت ضروری ہے۔ زیادہ خریدنے یا پیداوار کی صورت میں آپ کا پیسا پھنس جائے گا اور کم پیداوار یا خریدنے کی صورت میں آپ کی سیل کم ہوگی۔

اگر آپ بالکل نیا کاروبار کرنے جا رہے ہیں جس کے مصنوعات کی مانگ کا آپ کو مکمل اندازہ نہیں، تو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ خریداروں کی مارکیٹ میں جا کر متعلقہ مصنوعات کی سیل کے متعلق سروے کریں کہ ان کی ماہانہ کھپت کتنی ہے۔ تقریباً پندرہ بیس دکانوں کا سروے کر کے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے جس کا اطلاق آپ محتاط طریقے سے پوری مارکیٹ پر کر سکتے ہیں۔ نئی مصنوعات یا اپنا نیا آئیڈیا متعارف کراتے وقت یہ بات اصول کا درجہ رکھتی ہے۔

۵۔ پیسے/نقدی کا بہاؤ (کیش فلو):

کسی بھی کاروبار میں کیش فلو یعنی پیسے کا بہاؤ ایسے ہی اہمیت رکھتا ہے جیسے جسم میں خون۔ مالیات کی کتابوں میں درج ہے کہ نقد رقم کی مثال کاروباری دنیا میں ایسے ہی ہے جیسے کسی سلطنت میں کوئی بادشاہ ہو اور باقی سب غلام۔ آپ کام رقم کمانے کے لیے کرتے ہیں لیکن کاروبار اُدھار پر چلتا ہے۔ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں ہول سیل اور مینوفیکچرنگ کا کاروبار اُدھار پر ہوتا ہے۔ کچھ شعبوں میں اُدھار زیادہ چلتا، کچھ میں کم دیر کا ہوتا ہے۔ پاکستان میں البتہ ایک اضافی تکلیف دہ مسئلہ یہ ہے کہ آپ جب اپنے گاہک کو اُدھار دے دیں تو وہ واپس بڑی مشکل سے کرتا ہے۔ مزید برآں وہ رقم توڑ کر یعنی قسطوں میں واپس کرتا ہے۔

لہٰذا آپ جو بھی کاروبار کرنے لگے ہیں، اس میں یہ دیکھیں کہ گاہک کے ساتھ آپ کا اُدھار کتنے دن کا ہے اور جہاں سے آپ اپنا سامان خریدتے ہیں، ان کے ساتھ اُدھار کتنے دن کا چلے گا۔ کوشش کریں کہ کام ایسا شروع کریں جس میں آپ کا اپنے گاہک/خریدار کے ساتھ اُدھار کا دورانیہ، آپ کی کمپنی سے یعنی جس سے آپ سامان خریدتے ہیں، اُدھار کے دورانیے کے مقابلے میں مختصر ہو۔ یوں آپ کی نقدی کا چکر اس طرح بنے کہ آپ اپنے خریدار سے پیسے پکڑیں اور اپنا منافع نکال کر اپنی کمپنی کو رقم دے دیں۔

اگر آپ کا اُدھار اپنے گاہک کے ساتھ ۳۰ دن کا ہے، تو کمپنی کے ساتھ آپ کا اُدھار ۴۵ دن کا ہو۔ اگر اس کے الٹ ہوا تو آپ کو مال اپنی جیب سے خریدنا پڑے گا۔ اکثر آپ کے کھاتے یا سافٹ ویئر تو منافع دکھائیں لیکن اصلاً آپ کے پاس نقد رقم نہیں ہوگی۔ اس مسئلے کا ایک حل یہ ہے کہ آپ جو بھی چیز بیچ رہے ہیں، اس میں آپ برانڈنگ کریں یعنی اس مصنوعہ کا ایک نام بنا کے اسے اسی نام سے بیچیں اور اپنے معیار کو خراب نہ کریں۔ برانڈنگ کے فوائد اور اہمیت پر بھی ہم ایک نشست رکھیں گے۔

۶۔ کاروباری مقابلہ:

اگر آپ کوئی نیا کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں، تو یہ لازمی دیکھیں کہ اس شعبے یا مصنوعہ میں آپ کے کاروباری حریف کتنے ہیں؟ آپ کے مقابلے میں کتنے لوگ مارکیٹ

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں اس چیز کو بیچ رہے ہیں؟' یہ دیکھنا اس لیے ضروری ہے کہ مارکیٹ میں سخت مقابلہ قیمتیں کم کر دیتا ہے۔ نتیجے میں منافع کی شرح کم ہو جاتی ہے اور جب آپ محنت ہی منافع کے لیے کر رہے ہیں' تو پھر کیا فائدہ ایسے کام میں ہاتھ ڈالنے کا جس میں منافع کی شرح بہت کم ہو۔

ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی نیا شخص ایک مصنوعہ لے کے آئے' تو وہ مارکیٹ میں اپنے قدم جمانے کے لیے خریدار سے کہتا ہے کہ مجھ سے تم ۱۰ روپے سستی چیز لے لو۔ چناں چہ آپ کے کچھ یا کافی خریدار آپ کو چھوڑ کے اس سے مال لینے لگتے ہیں۔ پھر جب کوئی نیا حریف آئے' تو وہ ریٹ مزید کم کر دیتا ہے۔ اب پیچھے سے وہ چیز سب کو اتنی لاگت کی ہی پڑتی ہے۔ اس سے ہوتا یہ ہے کہ منافع کی شرح انتہائی گر جاتی ہے۔

مثلاً جب کیو موبائل مارکیٹ میں آیا' تو اس نے چین کے بنے فیچرز کو برانڈ بنا کے انتہائی سستے داموں مارکیٹ میں بیچا۔ چونکہ چین کے برانڈڈ موبائل میں کوئی اور کاروباری حریف تھا ہی نہیں' لہٰذا اس نے اچھی مارکیٹنگ کے بل بوتے پر نہ صرف مارکیٹ کا اچھا خاصا شیئر حاصل کر لیا بلکہ ٹھیک ٹھاک منافع بھی کمایا۔ اب اس کے بعد بے شمار کمپنیاں مثلاً ہوائی' وائس وغیرہ مارکیٹ میں آ گئی ہیں' لیکن انھیں بھی قیمتیں کم رکھنی پڑ رہی ہیں۔ ساتھ میں مارکیٹ کا ویسا حصہ بھی نہیں ملا جیسا کیو موبائل کو مل چکا جس کی وجہ سے اب منافع کی شرح بہت کم ہو چکی۔

نئے آئیڈیے یا نئی مصنوعہ کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ ایک تو منافع کی شرح بہت اچھی ہوتی ہے' دوسرے یہ کہ اگر وہ مصنوعہ خریداروں کو پسند آ جائے' تو آپ اس کے مارکیٹ لیڈر بن جاتے ہیں۔ وہی مصنوعہ آپ کی کمپنی کو چلانے میں ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوتی ہے۔

۷۔ مارکیٹ کا رجحان:

دور اندیش لوگ آئندہ آنے والے بیس برس کا سوچتے' کوتاہ نظر صرف آج کی سوچ رکھتے جبکہ بیوقوف کوئی واقعہ گزرنے کے بعد اس پر غور کرتے ہیں۔ یہی مثال صد فیصد کاروبار پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ آپ جو کاروبار کرنے جا رہے ہیں' اس کی فزیبلٹی میں یہ تجزیہ بھی شامل کریں کہ آج سے بیس سال بعد آپ کہاں کھڑے ہوں گے۔ آپ جو کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں' کیا مارکیٹ کا رجحان اسی جانب چل رہا ہے یا آپ کی گنگا الٹی بہہ رہی ہے۔ کیا آپ کسی ایسے آئیڈیا یا مصنوعہ پر کام تو نہیں کر رہے جس کی مانگ مارکیٹ سے آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے۔

دوسری بات یہ دیکھیں کہ آپ کے کاروبار میں بڑھوتری کا امکان کتنا ہے۔ اگر آپ اسے آج شروع کرتے ہیں' تو بیس سال بعد کہاں کھڑے ہوں گے۔ اگر آپ اس کام کی بلندیوں تک پہنچ جائیں' تو تب آمدنی کتنی ہو گی اور اس کام میں کس طریقے اور کن مصنوعات کے اضافے سے آپ اپنی سیل اور آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں ماہانہ آمدنی کا جو ہدف ہے' کیا وہ اس کاروبار سے باحسن طور پر پورا ہو سکتا ہے؟

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

یہ معلومات پانے کے لیے آپ انٹرنیٹ سے ڈیٹا ڈھونڈ سکتے ہیں۔ مثلاً آپ پاکستان سے ایک مصنوعہ ایکسپورٹ کرنا چاہتے ہیں، تو آپ انٹرنیٹ کی مدد سے یہ ڈھونڈیں کہ اس کی ایکسپورٹ پاکستان سے بڑھ رہی ہے یا کم ہو چکی؟ اس مصنوعہ یا سیکٹر کی مجموعی ایکسپورٹ کتنی ہے؟ دوسرے اپنے مشاہدے کی طاقت تیز کر کے کاروبار سے وابستہ لوگوں کا مشاہدہ کریں۔ باتوں باتوں میں ان سے معلومات پوچھیں تا کہ آپ درست تخمینہ لگا سکیں اور کسی طور پر بھی نقصان نہ اٹھائیں۔

۸۔ متعلّقہ کاروبار کا تجربہ:

جب آپ کوئی نیا کاروبار شروع کرنے لگیں، تو منافع کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ آپ کو بھائی یا آپ کے والد کو کس کام کا تجربہ ہے۔ اگر اس کاروبار میں منافع اور کیش فلو تحقیق کے مطابق مناسب ہے اور اس کام میں کاروباری حریف بھی کم ہیں، تو آپ کو وہ کاروبار شروع کرنے کے متعلق لازمی سوچنا چاہیے۔ تجربہ ایسی چیز ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔

تجربے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تجربے کار آدمی مارکیٹ میں نیک نام رکھتا ہے۔ اس کو چیزیں بیچنے اور کمپنی سے ادھار پر چیزیں لینے میں آسانی رہتی ہے۔ یعنی بالکل نئے کاروبار والی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور آپ کے لیے شروع ہی سے کچھ نہ کچھ آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اگر آپ کے پاس متعلقہ کاروبار کا تجربہ نہیں، تو اپنا کاروبار شروع کرنے سے پہلے کم از کم پانچ چھے ماہ کسی متعلقہ فرم میں انٹرن شپ کریں۔ اس کے دو فوائد ہیں: ایک یہ کہ آپ مارکیٹ میں دھوکا کھانے سے بچ جائیں گے۔ مارکیٹ چاہے ایکسپورٹ کی ہو، امپورٹ یا مقامی، اس میں دھوکا بہت زیادہ ہے۔ جو مال آپ نے خریدنا ہے، اگر آپ کو اس کی صحیح پہچان نہیں ہو گی، تو کوئی نہ کوئی آپ کو دھوکا دے جائے گا۔ آپ کے پیسے ڈوبیں گے اور جن کو آپ آگے بیچیں گے، وہاں نام بھی خراب ہو گا۔

چھے مہینے انٹرن شپ کرنے سے فائدہ یہ ہو گا کہ آپ کو چیزوں کے معیار کی صحیح پہچان ہو جائے گی۔ دوسری وجہ یہ کہ صرف فزیبلٹی بنانے سے اپنے شعبے سے متعلق کئی تکنیکی باتوں کا آپ کو علم نہیں ہو پاتا۔ وہ انٹرن شپ کر کے کافی حد تک ہو جائے گا۔ مثلاً مارکیٹ میں کون سے لوگ اُدھار میں برے اور لوگ اچھے ہیں، کس کمپنی کا مال ٹھیک ہے، کون سی کمپنی دھوکا دے سکتی ہے وغیرہ۔

میری گفتگو ختم ہوئی تو میں نے گھڑی پہ وقت دیکھا، رات کے بارہ بج رہے تھے۔ میں نے کہا ''بھئی ہمیں بہت دیر ہو چکی۔ باقی باتیں اب اگلی نشست میں کریں گے۔ اگلی نشست میں ہم ایکسپورٹ اور امپورٹ کے آئیڈیاز پر بات کریں گے۔''

وہ کہنے لگا: ''بالکل ٹھیک ہے طیّب بھائی، سوال تو اب بھی میرے ذہن میں بہت سے ہیں، لیکن انھیں ہم اگلی نشست کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں۔

(مضمون نگار بہ لحاظ پیشہ ایک کاروباری ہیں اور شوق کے اعتبار سے لکھاری۔ ان سے ای میل ایڈریس tayyab.tariq@urdu-digest.com پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔)

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

تازہ افسانہ

ماں جیسی دیالو اور انتریامی

موچی کی میم صاحب

اس غریب و مسکین کا رشتہ انجانی عورت کی ممتا سے بھوک کے ناتے جڑ گیا تھا

ذکیہ مل بیگ

جب اس نے کھانے سے بھری ٹرے کو سامنے پایا، تو موچی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سلیقے سے سجی ٹرے میں گرم گرم روٹیاں تھیں۔ سالن، اچار، سلاد اور پانی بھی تھا۔ اسے سمجھ نہ آیا کہ اس خودغرضی کے دور میں کس نے یہ بے غرضی کر ڈالی۔

اس نے ممنونیت سے ٹرے تھام لی۔ اسے شدید بھوک لگی تھی، لیکن وہ ایک ہی وقت کا کھانا کھا پاتا تھا۔ ایک موچی کی بھلا کیا آمدنی ہو سکتی ہے؟ بہرحال برسوں بعد اس نے سیر ہو کر کھایا اور پانی پی سستانے لگا۔

"ٹرے واپس کر دیں۔" ایک بارہ تیرہ سال کے لڑکے نے آ کر کہا۔

موچی نے آہستہ سے کہا "میم صاحب کو شکریہ بولنا۔"

"ٹھیک ہے۔" لڑکے نے بے پروائی سے جواب دیا۔

موچی اپنے کام میں جت گیا۔ کچھ دیر کے

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

پاس کام ہوتا تھا اور کبھی نہیں۔ وہ اپنا مستقل ٹھکانا بھی نہیں بنا پایا تھا۔ کل ہوسکتا ہے کہ دانہ پانی کہیں اور لکھا جائے۔

☆☆☆

''یہ کھانا لے لیں۔'' آواز سنتے ہی موچی نے حیرت سے سر اٹھا کر لڑکے کو دیکھا۔ وہ امید نہیں کر رہا تھا کہ آج بھی اسے گھر کی روٹی نصیب ہوگی اور وہ بھی اتنے اہتمام کے ساتھ۔ اس کے ذہن میں چند سوالات نے سر اٹھایا۔ لیکن بھوک کی شدت کے سامنے وہ سوالات دھواں بن کر غائب ہوگئے۔ آج بھی کھانا اچھا تھا اور تازہ بھی۔ اس نے سیر ہوکر کھایا۔ جب لڑکا برتن اٹھانے آیا، تو اس نے میم صاحب کو سلام بولا۔

اب تو یہ روز کا معمول بن گیا۔ سہ پہر ہوتے ہی لڑکا اس کے لیے کھانا لے آتا۔ اسے امید نہ تھی کہ یہ سلسلہ چل پڑے گا۔ وہ لڑکے سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے جو اسے کھانا بھیجتی تھی؟ اور اس کا مقصد کیا ہے۔ لیکن زبان کی رکاوٹ حائل تھی۔ وہ اس کی زبان بول نہیں سکتا تھا۔

وہ چند ماہ پہلے ہی اپنے قبائلی علاقے سے اسلام آباد روزگار کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ سڑک کنارے ایک چھپر تلے جوتے سینے کا کام کرتا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے اس کے علاقے میں حالات بہت مخدوش ہوگئے تھے۔ افلاس نے لوگوں کی زندگیوں کو تلخ ترین بنا دیا تھا۔ چناں چہ اس کے پاس ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ وہ غریب الدیار تھا اور غریب الزبان بھی! وہ ایک پائپ میں رہتا اور انسانیت کے درجے سے بھی نیچے کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔

آج کھانا آیا، تو وہ فارغ بیٹھا تھا۔ کام بالکل نہ تھا۔ اس نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ البتہ تسلی تھی کہ اس کے لیے من و سلویٰ اترے گا ضرور! کھانے کی ٹرے تھامنے کے بعد آج اس نے پہلی بار نظریں اٹھا کر سڑک کے پار واقع گھر کی جانب غور سے دیکھا۔ ایک خاتون جو کام والی چادر میں لپٹی تھی اور اس نے چہرہ ڈھانپا ہوا تھا، اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

موچی نے ممنونیت سے میم صاحب کو دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر ماتھے پر رکھ لیا۔ میم صاحب اس کا سلام دیکھ کر سرعت سے اندر چلی گئی۔ لڑکے نے واپسی پر ٹرے اٹھاتے ہوئے اسے ایک لفافہ دیا اور کہا ''امی نے کہا ہے، رات کو کھا لینا۔''

موچی کا دل بھر آیا۔ میم صاحب دیالو ہی نہیں بلکہ انتریامی بھی تھی۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ آج کل اس کے پاس کام نہ ہونے کے برابر ہے؟ اس کا دل چاہا کہ وہ اسے ماں کہہ کر بلائے۔ لیکن وہ ماں کی محبت سے بھی صحیح معنوں میں آشنا نہ تھا۔

اس کی ماں کے ۱۲ بچے تھے اور وہ بھی ۳۵ سال کی عمر میں۔ جس عورت نے کبھی اچھا نہیں کھایا اور نہ کبھی اچھا پہنا۔ وہ بھلا اتنے بڑے کنبے میں اپنی محبت کیسے تقسیم کر سکتی تھی؟ محبت سے محرومی تو نسل در نسل چلی آرہی تھی۔ اس کی ماں کے ۱۸ بہن بھائی تھے۔ اگرچہ ۱۰ بچپن میں فوت ہوگئے۔ لڑکی ہونے کے ناتے اسے بھی محبت کا حقدار سمجھا ہی نہیں گیا۔ پھر لگاتار بچوں کی پیدائش نے اسے مستقل روگی بنا دیا۔

ماں کی زندگی محض جبری مشقت تھی۔ ان کے علاقے میں خوشیاں ویسے بھی نایاب تھیں جیسے کہ دھوپ۔ دونوں فطرت سے منسلک ہیں اور قدرت نوازنے میں مساوات کی قائل نہیں۔ البتہ سردی اور اندھیرے کی نعمت بے بہا ہے۔ بہرحال اس کی ماں بچوں کو کسی نہ کسی طور

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

پالتی رہی، لیکن انھیں مادرانہ محبت نہ دے سکی۔ اسی لیے موچی کو معلوم نہ تھا کہ کیا میم صاحب کی مہربانی ماں کی آغوش جیسی نرم گرم ہے؟ بہرحال اس کے لیے تو میم صاحب کا احسان مادرانہ محبت سے بھی بڑھ کر تھا کیونکہ ماں کبھی اسے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھلا سکی تھی۔

☆☆

آج بہت رونق تھی۔ میم صاحب کے گھر مہمان آ جا رہے تھے۔ موچی کبھی کبھی نگاہ اٹھا کر ادھر دیکھ لیتا۔ مگر اسے ان سے کیا لینا دینا؟ اس کی چھوٹی سی دنیا تھی۔ وہ کبھی اسکول نہیں گیا تھا۔ نماز پڑھنا بھی بہ مشکل سیکھ سکا۔ اس کی مختصر دنیا نے ذہن کو کھلنے ہی نہیں دیا۔ افلاس نے ذہن کو روٹی سے آگے سوچنے سے مفلوج کر دیا تھا۔

وہ بہت سارے معاملات پہ تدبر کرنے کی صلاحیت سے پیدائشی و خاندانی طور پر معذور تھا۔ وہ صرف اگلی روٹی کے متعلق سوچ سکتا تھا۔ اسی لیے اسے اپنی کم مائیگی کا زیادہ احساس نہیں تھا۔ یہ نعمت تھی کیونکہ سوچ کا دروازہ وا ہوتے ہی دکھوں کی پھوار اس کی کمزور ہستی کو بھگو دیتی۔ اس کے لیے نہ سوچنے کا عمل ہی زندہ رہنے کا محرک تھا ورنہ آگاہی کی شدت شاید اسے مار ڈالتی۔

البتہ اسے یہ احساس ضرور ہوا کہ میم صاحب اسے مہمانوں کے جھمیلے میں بھی نہیں بھولی۔ آج تو طرح طرح قسم قسم کے لوازمات سے پُر تھی۔ اس نے ایسے کھانے خان کی شادی پر بھی نہیں کھائے تھے۔ علاقے کے رئیس نے بھی اپنی شادی پر بریانی، گوشت کا سالن اور روٹیاں بنوائی تھیں۔ اب تو وہ ہر روز اتنا سیر ہو کر کھاتا تھا جتنا خان کی شادی پر کھایا تھا اور بدلے میں دو دن تک شادی کے انتظامات بیگار کے طور پر نبھائے تھے۔ آج پھر موچی کے دل سے میم صاحب کے لیے دعائیں نکلیں۔ لڑکا ٹرے اٹھانے آیا، تو اس نے پوچھا ''تم نے کیا کھایا؟''

لڑکے نے جواب دیا ''جو تم نے کھایا۔''

وہ لڑکے کو اکثر اندر باہر جاتے دیکھتا تھا، لیکن احساس کمتری کے باعث کبھی نہیں پوچھ سکا کہ وہ کون ہے۔ البتہ روزانہ یہ پوچھ لیتا ''تم نے کیا کھایا؟''

لڑکا ایک ہی جواب دیتا ''جو تم نے کھایا۔''

کئی دن گزر گئے۔ موچی کا من و سلویٰ قوم یہود کی طرح لازم تھا۔ وہ پردیس میں دکھی تو ہوتا، لیکن پیٹ کا بھرنا اسے بہت زیادہ غمگین نہ ہونے دیتا۔ اسے میم صاحب سے عقیدت ہو گئی جو بدلے کی لالچ کے بغیر اس کے لیے غیبی امداد کا کردار ادا کر رہی تھی۔

> وہ بہت سارے معاملات پہ تدبر کرنے کی صلاحیت سے پیدائشی و خاندانی طور پر معذور تھا۔ وہ صرف اگلی روٹی کے متعلق سوچ سکتا تھا۔

☆☆

گھر کے سامنے آج بہت رونق تھی۔ کئی کاریاں اس گھر کے سامنے سے آ جا رہی تھیں۔ موچی آج دس دن بعد کام پر واپس آیا۔ وہ گاؤں چلا گیا تھا۔ اسے جانا ہی پڑا، اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ پُرملال تو تھا، لیکن بہرحال ماں سے وابستگی روایتی تھی۔ اس بے چاری کے پاس بیٹے کے لیے وقت ہوتا ہی نہیں تھا۔ بچپن ہی میں وہ کھیتوں میں کام کرنے لگا تھا۔ ادھر ماں کو گھر کے کئی کام کرنے ہوتے تھے۔

وہ چپ چاپ رونق دیکھتا اور کھانے کا انتظار کرتا رہا۔ اس کی اشتہا بہت بڑی ہوئی تھی۔ ماں کے انتقال پر بھی اسے پیٹ بھر کھانا نہ مل سکا تھا۔ میم صاحب تو روز طرح طرح کے کھانے بھیجتی..... کباب، چٹنی، گوشت کا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سالن، بگھارگلی دال، تری میں تیرتی سبزی، زردہ، پلاؤ، روٹی، کھیر ہر روز الگ سالن۔ لگتا تھا کہ آج تو بہت اچھا سالن ملنے والا ہے۔ دعوت جو تھی۔ تھوڑی دیر میں شامیانوں میں دیگیں کھڑکھنے لگیں۔ برتن بولنے لگے۔ وہ سوچنے لگا کہ میم صاحب تو کھانا لگنے سے پہلے ہی ٹرے بھجوا دیا کرتی تھیں۔ آج کیا ہوا؟ وہ دیر تک کھانے کا انتظار کرتا رہا، بہت دیر تک!!

دھیرے دھیرے گاڑیاں رخصت ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ شامیانے اتر گئے اور دیگیں چلی گئیں۔ وہ سڑک کے پار اس خوبصورت سفید بنگلے کو دیکھتا رہا جو زیادہ بڑا تو نہیں لیکن اجلا ضرور تھا۔ کمروں میں جلتی بتیاں نظر آرہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد شام اترنے لگی۔ بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ وہ مایوس ہو کر اٹھنے لگا! پہلی دفعہ اس در سے نامراد ہوا تھا۔

اچانک وہی لڑکا بازار کی جانب جاتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھوں میں ٹرے نہ تھی۔ چہرہ ستا ہوا تھا۔ موچی نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا، تو وہ گڑبڑا گیا۔ اس نے موچی کو حزن بھری نظروں سے دیکھا اور کہا ''امی پرسوں اچانک گزر گئیں۔''

موچی کو سمجھ نہیں آیا۔ اس نے کہا ''کیا بولا تم نے؟''

وہ لڑکا روتے ہوئے بولا ''میری ماں مر گئی۔''

موچی کا سر جھک گیا۔ اس کے دل پر بوند بوند غم کی بارش ہونے لگی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا رشتہ انجانی عورت کی ممتا سے بھوک کے ناتے جڑ گیا تھا۔ موچی کو تکلیف کا شدید احساس ہوا اور اسے لگا، آج پھر اس کی ماں مر گئی۔

◆◆◆

نعت رسول ﷺ

وہ من جانب خدا ہے جو بھی فرمایا محمدؐ نے
کہا جو بھی وہی پھر کر کے دکھلایا محمدؐ نے

یہ اذن رب ہے عفو و درگزر کرنا عبادت ہے
تو ''عفو و درگزر'' دنیا کو بتلایا محمدؐ نے

تھا حکم رب کسی کا حق نہیں مارو کبھی بندو
تو کیسے حق ادا کرتے ہیں سکھلایا محمدؐ نے

اوامر سارے اللہ کے ہمیشہ ماننے ہوں گے
اوامر پر عمل خود کر کے بتلایا محمدؐ نے

کہا خالق نے تم پرہیز رکھو ہر برائی سے
بدی سے دور رہ کر خود ہی دکھلایا محمدؐ نے

عبادت ہم کو کرنی ہے فقط اللہ کی لوگو
عبادت کیسے کرتے ہیں یہ سکھلایا محمدؐ نے

وہ ہیں اعمال صالح لے کے جو جائیں گے جنت میں
عمل خود سب سے پہلے کر کے دکھلایا محمدؐ نے

شفاعت آپؐ کی مل جائے تو چمکے نصیب اپنا
یہ درجہ صرف من جانب خدا پایا محمدؐ نے

دیا قران اللہ نے ہدایت کے لیے سب کی
ہدایت کس طرح ملتی ہے سمجھایا محمدؐ نے

فقط اللہ ہے معبود برحق، خالق و رازق
یہ پیغام خدا بندوں کو پہنچایا محمدؐ نے

کریں تعمیل قرآن اور سنت کی ہمیشہ ہم
یہی ہے حکم رب لوگوں سے فرمایا محمدؐ نے

بفضل حق تعالیٰ شان سے توحید کا پرچم
ثناؔ ہر اک طرف دنیا میں لہرایا محمدؐ نے

(ڈاکٹر ثنا قریشی، کراچی)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سائنس

پاکستان کی تجارتی شہ رگ

کراچی ڈوبنے کا خطرہ

شہر نگاراں کے سمندر برد ہو جانے کی ڈراؤنی سناؤنی سائنسی کسوٹی پر غلط اُتری یا صحیح؟

رضوان علی شاہ

"اگر آپ کا ملک مٹنے کے خطرے سے دوچار ہو، تو آپ کیا کریں گے؟"

یہ وہ دل دہلا دینے والا سوال ہے جو بحرالکاہل میں واقع ننھے سے جزیرے، تووالو کے وزیراعظم، اینیلی سوپوگوا نے دنیا والوں سے پوچھا۔ جناب سوپوگوا اقوام متحدہ کی زیرنگرانی منعقد ہونے والی ''کلائمٹ سمٹ'' میں شریک تھے۔ تبدیل ہوتی عالمی آب و ہوا کے اثرات کا جائزہ لینے کی خاطر یہ کانفرنس دسمبر ۲۰۱۴ء میں پیرو میں منعقد ہوئی۔

تووالو ان سیکڑوں جزائر اور ساحلی شہروں میں سے ایک ہے جن کی بقا کو سمندر کی سطح بلند ہونے سے شدید خطرات لاحق ہو چکے۔ ان میں ہمارا شہر کراچی اور سندھ کے دیگر ساحلی علاقے بھی شامل ہیں۔ سائنس دانوں کا دعویٰ ہے کہ اگر سمندر کی سطح بڑھتی رہی، تو اس

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

صدی کے اختتام تک روشنیوں کا شہر کراچی پانی میں ڈوب جائے گا۔

کیا یہ دعویٰ سائنسی حقائق پر مبنی ہے؟ کیا واقعی تقریباً دو کروڑ پاکستانیوں والا بنتا بستا شہر کراچی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا؟ آئیے جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ان سوالات کا جواب تلاش کرتے ہیں۔

☆☆

سورج کی روشنی جب زمین پر پڑے، تو اس کی کچھ حرارت واپس خلا میں جاتی ہے۔ جب یہ حرارت ارضی خلا سے گزرے، تو وہاں موجود گیسیں کچھ گرمائش جذب کر لیتی ہیں۔ انسان پچھلے ڈیڑھ سو برس میں رکازی ایندھن (تیل، گیس، کوئلہ، لکڑی) جلا کر کھربوں ٹن گیسیں (کاربن ڈائی آکسائیڈ، میتھین وغیرہ) فضا میں بھیج چکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فضا میں گیسوں کی مقدار ماضی کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ چکی۔

ان گیسوں کی خاصیت یہ ہے کہ یہ جذب شدہ حرارت کو واپس زمین کی سمت پلٹا دیتی ہیں۔ اسی باعث پچھلے ایک سو برس میں زمین کے درجہ حرارت میں اضافہ ہو چکا۔ خیال ہے کہ ایک صدی میں عالمی درجہ حرارت ۱.۵۳ فارن ہائٹ (۰.۸۵ سینٹی گریڈ) تک بڑھ چکا ہے۔

درجہ حرارت بڑھنے کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر آب و ہوائی (Climate) تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں جبکہ موسم (Weather) بھی تبدیل ہونے لگے ہیں۔

خطرناک بات یہ کہ بمطابق ماہرین رواں صدی کے آخر تک زمین کا درجہ حرارت مزید ۲ تا ۵ ڈگری سینٹی گریڈ بڑھ جائے گا۔ دنیا میں بڑھتی اسی گرمی کے باعث کئی مسائل جنم لے چکے۔

مثال کے طور پر پاکستان میں بارشوں اور موسموں کے طور طریقے (Pattren) بدل رہے ہیں۔ اب مارچ کے آغاز تک اچھی خاصی سردی رہتی ہے، جبکہ گرمی اوائل دسمبر تک چلتی ہے۔ اسی طرح مون سون کی بارشیں ستمبر تک جاری رہتی ہیں۔

یہی بڑھتا درجہ حرارت سمندروں کی سطح ابھار کر کرۂ ارض کے ماحول میں عظیم تبدیلی لا رہا ہے۔ اعداد و شمار کی رو سے درجہ حرارت میں اضافے کے مطابق ۲۱۰۰ء تک سمندروں کی سطح ''تیرہ سے بیس فٹ'' تک بلند ہو جائے گی۔

گویا جو جزائر اور ساحلی علاقے سطح سمندر سے محض ۱۳ فٹ اونچے ہیں، وہ اگلے ستر اسی سال میں یقینی طور پر غرقاب ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر مالدیپ جو سطح سمندر سے صرف چھے سات فٹ بلند ہے۔ گویا یہ جزیرہ ۲۰۵۰ء تک صفحہ ہستی سے معدوم ہو سکتا ہے۔

اب کراچی کو لیجیے۔ اس کا ساحل سمندر سے ۵ فٹ بلند ہے۔ جوں جوں حیدرآباد کی طرف بڑھیے، سطح زمین بلند ہوتی جاتی ہے۔ کراچی کی سب سے بلند بستی، منگھوپیر ۵۳۰ فٹ اونچی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کراچی کے نزدیک بحیرہ عرب ۲۰ فٹ بلند ہوا، تو اس کی تمام ساحلی بستیاں مثلاً کلفٹن، کیماڑی، ڈیفنس، لیاری، اور صدر وغیرہ ڈوب سکتی ہیں۔

سمندری پانی دو وجوہ کی بنا پر بلند ہو رہا ہے۔ اول پانی گرم ہونے کے بعد پھیلتا ہے۔ چناں چہ بڑھتی گرمی نے سمندری پانی کو پھیلا دیا۔ دوسرے درجہ حرارت بڑھنے سے پوری دنیا میں گلیشیئر پگھل رہے ہیں۔ ان کا پانی سمندروں میں شامل ہو کر سطح تیزی سے بلند کر رہا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

شعبہ موسمیات (Meteorological Department) کراچی سے وابستہ ماہر موسمیات ڈاکٹر غلام رسول کا کہنا ہے کہ پاکستانی پہاڑی علاقوں میں ''۸۱۲۳'' گلیشیئر واقع ہیں اور ان میں سے صرف ۲۳ گلیشیئروں پر جمی برف میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بقیہ گلیشیئر برف پگھلنے کی وجہ سے چھوٹے ہو رہے ہیں۔

یاد رہے، امریکی محکمہ ارضیات کا کہنا ہے کہ اگر قطب شمالی، قطب جنوبی، ہمالیہ وغیرہ میں موجود سبھی چھوٹے بڑے گلیشیئر پگھل گئے، تو سمندروں کی سطح ''۲۶۲ فٹ'' تک بلند ہو جائے گی۔ اگر خدانخواستہ ایسی خوفناک صورت حال نے جنم لیا، تو تمام بڑے ساحلی شہر مثلاً ٹوکیو، ممبئی، کراچی، لاس اینجلس، نیویارک، ڈھاکہ، منیلا، جکارتہ، شنگھائی وغیرہ سمندر برد ہو جائیں گے۔ بلکہ پانچ بڑے ممالک مثلاً انڈونیشیا، نیوزی لینڈ، پاپوانیوگنی، مارشیس، برطانیہ کے وسیع رقبے کو بھی نگل جائے گا۔

تاہم خوش قسمتی سے آپ یا کرہ ارض کے موجودہ باشندے سمندروں کو ''۲۶۲ فٹ'' تک بڑھتا نہیں دیکھ سکیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ سبھی گلیشیئر پگھلنے میں کم از کم ایک تا دس ہزار برس کا عرصہ لگائیں گے۔ لیکن حضرت انسان نے اپنی ترقی کا موجودہ سفر اسی طرح جاری رکھا، تو کرہ ارض دو سو فٹ سے زیادہ بلند سمندروں میں غرق ہو سکتے ہیں۔

وجہ یہ کہ دنیا والے ہر سال ''۳۴ ارب ٹن'' سے زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ فضا میں پھینک رہے ہیں۔ یہ عیاں ہے کہ فضا میں جتنی زیادہ گیسیں ہوں گی، وہ اتنی ہی زیادہ حرارت جذب کر کے واپس زمین کی سمت پھینکیں گی۔

گویا آنے والے برسوں میں زمین پر حدت بڑھتی جائے گی۔ عالمی آب و ہوا اور موسموں کے لیے یہ کوئی اچھی خبر نہیں..... اس انسان ساختہ عمل سے پوری دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

مثال کے طور پر جزیرہ قطب جنوبی و شمالی میں برف نہ رہی، تو وہاں ملنے والے برفانی ریچھ، پینگوئن اور چرند پرند دیگر اقسام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ادھر بنگال میں واقع خوبصورت جنگل، سندربن ڈوبنے کا خطرہ جنم لے چکا۔ اس جنگل میں شاہانہ ٹائیگر کے علاوہ جانوروں اور پرندوں کی نایاب قسمیں پائی جاتی ہیں۔

مستقبل میں پاکستان کو لاحق بڑا خطرہ سیلابوں کا بکثرت آنا بھی ہے۔ پہاڑوں پر جمے گلیشیئر پگھلنے سے یقیناً پنجاب اور سندھ میں زبردست سیلاب آئیں گے۔ چونکہ زمین خشک ہونے میں وقت لگائے گی لہٰذا کسان اپنی فصل کاشت نہیں کر سکیں گے۔ یوں فصلوں کی کاشت کا زمانہ بدل سکتا ہے۔

مزید برآں پاکستان میں بڑے ڈیم نہ ہونے کی صورت سیلابوں کا بیشتر میٹھا پانی سمندر میں پہنچ جائے گا اور جب ہمالیہ کے پہاڑوں میں بارشیں نہیں ہوں گی، تو پاکستان میں پانی کی قلت پیدا ہو سکتی ہے۔

غرض ''عالمی گرماؤ'' (Global Warming) ایک بہت بڑی آفت ہے جو رفتہ رفتہ بنی نوع انسان پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ لیکن جدید انسان مستقبل سے بے پروا ہو کر کرہ ارض کا قدرتی توازن بگاڑنے میں لگا ہے۔ افسوس کہ موجودہ انسانوں کی غلطیوں سے پیدا ہونے والے خرابیوں کا بوجھ آنے والی نسلیں اٹھائیں گی۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

"میں صاف بتا دیا تھا کہ میں کوئی عام سی لڑکی نہیں۔ زندگی گزارنے کے میرے کچھ اصول ہیں، میں انہی ضابطوں اور طریقوں کے مطابق ہی رہوں گی۔ آپ نے میری بات سنی تھی اور مانی بھی۔ اب یہ کیا کہ صبح شام مجھے لیکچر دیتے رہتے اور میری شکایتیں میرے امی اور ابا کے سامنے لگاتے ہیں۔ کل تو حد ہی ہوگئی، میری سب سے اچھی سہیلی کے سامنے میرا قصہ شروع کر دیا۔ آخر آپ کو اپنا وعدہ کیوں یاد نہیں رہتا؟ کیا سب کچھ سامنے دیوار پر لکھ کر لگوا دوں؟" لائبہ جو ابھی ابھی ایک شادی سے لوٹی تھی، غصے سے پھٹ پڑی۔

"ہاں..... کیا تھا وعدہ..... مانتا ہوں۔ مگر یہ بھی مانتا ہوں کہ وہ میری بے وقوفی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم وقت کے ساتھ ساتھ خود کو بدل لو گی۔ طبیعت کا بچپنا رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ حالات سے کچھ تبدیلی تم میں بھی آ جائے گی... مگر نہیں۔ میں ہی پاگل تھا۔ تب تمہاری خوبصورتی کی پٹی بندھی تھی میری آنکھوں پر اور تمہاری اداؤں کے پتھر پڑ گئے تھے میری عقل پر۔ تمہارے اصول..... ہونہہ، جان چکا ہوں۔ ان اصولوں سے جن میں ساری دنیا صرف اور صرف تمہارے ہی گرد گھومتی ہے۔ دیکھو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ اب میری برداشت کی حد ختم ہو چکی۔" قاسم بھی شادی میں لائبہ کی بدتمیزی کی وجہ سے خاصے غصے میں تھے۔

"کیا کر لیں گے آپ؟ ناراض ہو جائیں گے؟ مجھے

خوبصورتی کی دیوانی گھر کو بھول بیٹھی

شوہر اور اولاد سے بچھڑی ایک بیوی کا سبق آموز قصہ

صادقہ محبوب

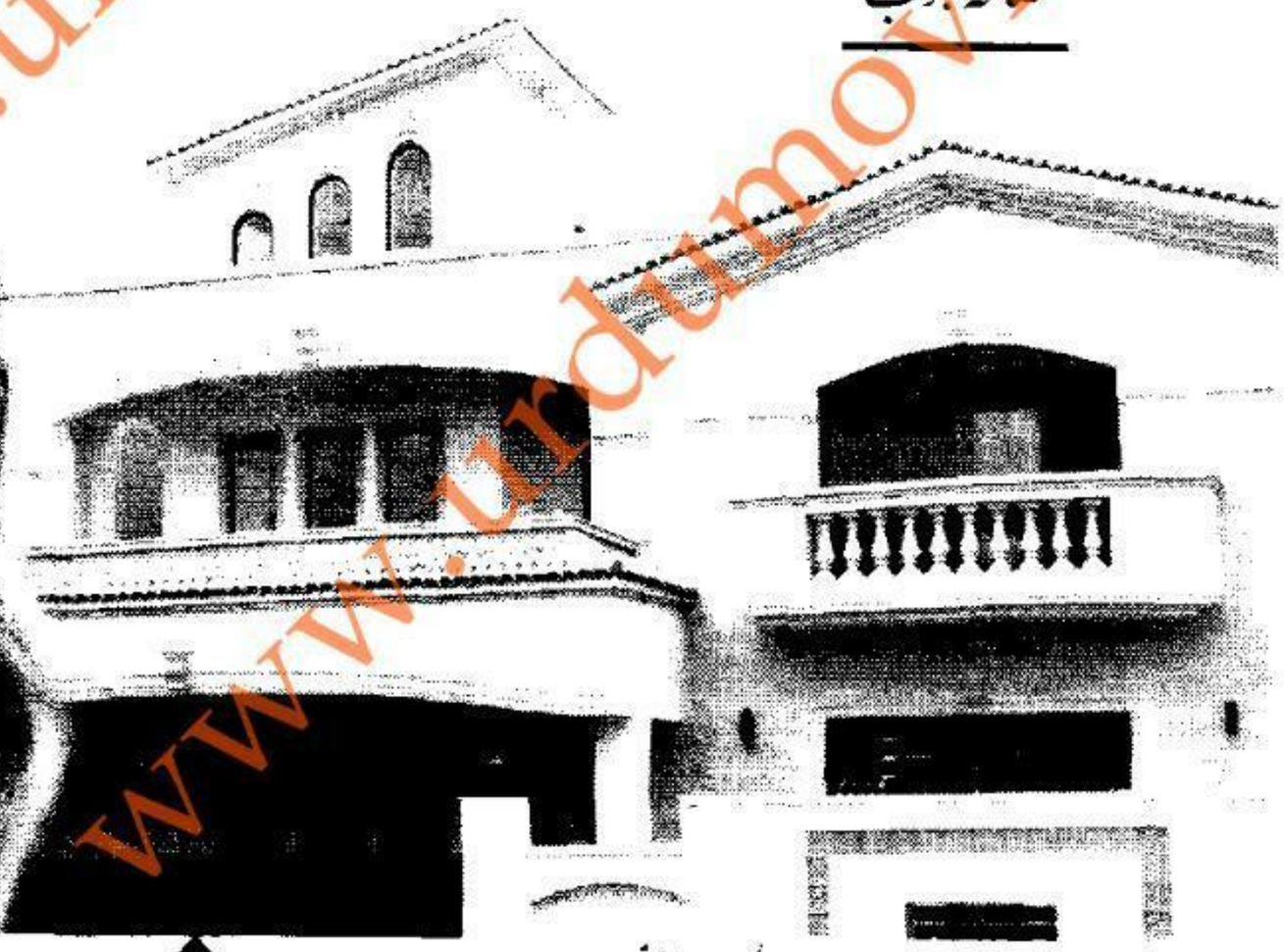

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مردوں کو اپنے قول کا پکا ہونا چاہیے، آپ کی طرح تھکا تی نہیں۔" لائبہ بے پروائی سے بولی۔

"ہاں تم آئرنی رہو۔ یہ گھر جو میں نے تمہارے نام لکھ دیا اور سارا کاروبار..... تمہارے بغیر تو میں کنگلا ہو جاؤں گا نا۔ بس میری مت ماری گئی تھی کہ اپنے ہاتھ کاٹ کر تمہارے حوالے کر دیے۔" قاسم تاسف سے بولے۔

"دیکھیں اگر ٹھنڈے دماغ سے سوچیں، تو ایسی زندگی گزارنے میں ہم دونوں ہی کی بہتری ہے۔ آخر میرے طور طریقوں میں غلط بات کیا ہے؟ بس وقت کا احساس اور ترجیحات کا تعین۔" لائبہ اب کچھ نرم پڑ گئی تھی۔

"ہاں ہاں..... ان طور طریقوں میں دوسروں کی گنجائش ہی کہاں ہے! ہفتے کے سات دن تم نے اپنی دیکھ بھال کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔ سوموار کا دن تمہارے بالوں اور منگل تمہارے چہرے کا۔ بدھ تمہارے ہاتھوں پاؤں کا۔ جمعرات کا پورا دن تم تیل، ابٹن اور انڈے میں نہائی رہتی ہو۔ جمعہ پانی کا دن..... جانے کون کون سی چیزیں پانی میں ابال ابال کر سارا دن غسل ہوتا ہے۔

"غضب خدا کا، غسل تک تو بات صحیح مگر اس انٹل بم سب صرف پانی ہی پئیں؟ ٹھوس غذا کا داخلہ گھر میں ممنوع..... آخر رہ گیا ہفتہ اتوار..... دو دن جب بچے گھر میں ہوں تو اماں غائب سارا دن شاپنگ اور درزی..... لوگ درزی سے کپڑے اپنا ناپ دے کر سلواتے ہیں اور تم خود کو تول تول کر ہلکائے آج دو کلو وزن بڑھ گیا، تو اگلے ہفتے چار کلو اتر گیا۔ مہارانی چلے تو کپڑا خود پر لپیٹ کر درزی سے کہو کہ اب سلائی کرو۔" قاسم جلے دل سے بولتے ہی چلے گئے۔

"مگر اس سادہ سے معمول میں آپ یا دوسروں کا کیا نقصان ہے؟ میری ورزش، سیر، ہلکا کھانا، اچھا لباس ان سب سے دوسروں کو کیا مسئلہ ہے؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آج بھی لوگ آپ کی بیوی کو ستائش بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ دو بچوں کی ماں ہوں مگر سب مجھے ان دونوں کی بہن سمجھتے ہیں۔ آج بھی کئی لوگوں نے یہی کہا کہ مسز قاسم، آپ تو کسی کالج کی طالبہ لگتی ہیں۔" لائبہ فخریہ لہجے میں بولی۔

"بس یہی ثابت کرتی رہنا۔ آج تمہارا اور ڈولی کا لباس بالکل ایک جیسا تھا۔ ماں بیٹی بالکل ایک طرح سے تیار تھیں..... ڈولی کتنی اچھی لگ رہی تھی اور تم..... تمہارا انداز کتنا بچکانہ تھا۔ ماں کو ماں ہی لگنا چاہیے۔ سنجیدگی، ٹھہراؤ، وقار ماں کے زیور ہیں۔ لیکن تم تو مسلسل اسی کوشش میں تھیں کہ خود کو ڈولی سے بھی کم عمر ثابت کر دو۔" قاسم غصے سے بولے۔

"آپ کو میرے بننے سنورنے سے تکلیف کیا ہے؟ دیکھیں آج بھی کتنی فٹ ہوں۔ میرا سائز وہی ہے جو شادی سے پہلے تھا۔ بال بھی ویسے کے ویسے..... آپ کو تو فخر کرنا چاہیے۔" لائبہ ہنوز خود کو آئینے میں دیکھنے میں مصروف تھی۔

"ہاں ہاں اور عقل بھی ویسی ہی ہے جیسے بچپن میں تھی..... بلکہ اس سے بھی گئی گزری! اچھلے بھلے گھر کو اسپتال بنا رکھا ہے۔ بیس سال سے صبح ناشتے میں جو کا دلیا اور ایک عدد ابلا ہوا انڈا کھا رہا ہوں۔ سارا دن دفتر میں سر کھپا کر آؤ، تو شام کو بیگم صاحبہ کچی سبزیاں کاٹ سلاد بنا کر رکھ دیتی ہیں یا پھر سبزیوں کا سوپ۔ رات کو کھانا کے نام پر ابلے ہوئے چنے۔ وہ بھی کالے..... خدا کی پناہ! تم مجھے شوہر سمجھتی ہو یا بکرا....." قاسم روز کے کھانے کو یاد کرتے ہوئے بولے۔

"بھئی جو میں خود نہیں کھاتی دوسروں کے لیے بھی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

نہیں بناتی۔ اچھی غذائی عادات سے صحت ہمیشہ درست رہتی ہے۔ میرے گھر تو یہی سادہ کھانا پکے گا۔" لائبہ اطمینان سے بولی۔

"تمھارے گھر میں ہم بیماری نہیں، تو فاقے سے ضرور مر جائیں گے۔ بچوں کی صحت دیکھی ہے..... اور بچوں کو چھوڑ میرے مہمانوں کے ساتھ کیا کرتی ہو..... دوپہر کو بلاؤ یا رات کے کھانے پر..... پتلا سوپ، ڈش بھر کے سلاد اور وہ ابلی ہوئی ایک عدد مرغی..... جو اکیلی لائبہ بلکہ شرمندہ شرمندہ سی ڈونگے میں لڑھک رہی ہوتی ہے۔ اس میں مسالا لگانے سے بھی تمھارا وزن بڑھنے لگتا ہے۔" قاسم بولے۔

"بس آپ کو لڑنے اور شکایتیں لگانے کا بہانہ چاہیے ورنہ آج کل سب لوگ یہی کھانے کھاتے ہیں۔" لائبہ بے نیازی سے بولی۔

"لوگ نہیں صرف تم..... تمھاری اور بچوں کی صحت دیکھی ہے۔ بے چارے بچے فاقے کر کر کے بالکل چوزے سے بن چکے۔ چینی ان کی بند، چھوٹا بڑا گوشت ان پر حرام، باہر کی چیزیں ان کے لیے منع..... ایتھوپیا کے فاقہ کشوں کی طرح ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ دن میں دو دو ٹہلتے بھی ہیں۔ عین ڈائننگ روم میں تولنے کی مشین رکھی ہے..... دروازے پر چارٹ لگا ہے: "کھانے سے پہلے وزن اور بعد میں..... بھلا یہ گھاس پھوس، پتلا سوپ اور تمھارے شوق آفاق کا لے چنے کھا کر کسی انسان کا وزن بڑھنے کا ایک فیصد بھی امکان ہے؟ تم خود تو دیوانی ہو، ہم تینوں پر تو رحم کرو۔" قاسم بولے۔

"آپ یہ بچوں کی بے چارگی کی تصویر کشی نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ دونوں گھر میں بیٹھتے ہی کب ہیں؟ ساتھ میں دادی کے گھر سے جانے کیا کیا بلا کھا کر آتے ہیں۔ اور آپ بھی تو وہیں سے کھا پی آتے اور میرے سامنے اپنی بے چارگی کا ایسا نقشہ پیش کرتے ہیں۔" لائبہ نے بھی جواب دے کر حساب برابر کیا۔

"بیگم صاحبہ! نہ تم ہم سب کو کچھ کھانے کو دو نہ کسی آئے گئے کو پوچھو..... نہ کسی سے ملو اور نہ کسی سے بات چیت کرو، تو کوئی بھی آخر کب تک تمھاری چمکتی جلد اور بالوں سے متاثر رہ سکتا ہے؟" قاسم بولا۔

"میں تو خوش ہوں..... یہی صحت مند طرز زندگی ہے۔ آپ کبھی ٹی وی پر صبح کے پروگرام دیکھیں، تو اندازہ ہو بھلا کاروباری بات چیت میں صحت کے نئے اصول کون بتاتا ہوگا؟ چینی، چکنائی، چاول، مٹھائی، بیکری کی اشیا کے بجائے سبزیاں و پھل کھانا۔ سبز چائے پینا، خوب ورزش کرنا اور ہر کام میں باقاعدگی..... یہی اچھی صحت کے اصول ہیں۔" لائبہ بے حد مطمئن تھی۔

"ان اصولوں میں بچوں کی دیکھ بھال، پڑھائی، شوہر کے کھانے پینے اور رشتہ داروں سے تعلقات کو بھی تو شامل کیا جا سکتا ہے؟" قاسم یہ جانتے ہوئے بھی بولتے چلے گئے کہ لائبہ پر ان کی یہ نصیحتیں کبھی اثر نہیں کرتیں۔ لائبہ کو مکمل توجہ سے اپنا میک اپ صاف کرتا دیکھ کر آخر دو بچوں کے کمروں کی طرف چل دیے جو ماں کی اس بے اعتنائی کا ہمیشہ شکار رہے تھے۔

لائبہ اور قاسم کی شادی ہوئے بیس برس بیت چکے تھے۔ لائبہ تھی تو دور پرے کی رشتے دار مگر اس شادی کی وجہ وہ دھواں دھار عشق بنا جو قاسم کو لائبہ کی خوبصورتی کی وجہ سے ہوا۔ لائبہ کی یہ عادتیں نئی نہ تھیں۔ وہ ہمیشہ سے خود پسندی کا شکار تھی۔ اسی لیے والدین نے قاسم سے ان کا گھر اور کاروبار لائبہ کے نام کرنے کی شرط پر رشتہ دیا۔ سو

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اب قاسم کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد کی مالک لائبہ تھی۔ وہ بڑے طمطراق سے ان کے بنگلے میں رہتی۔

قاسم کا خیال تھا کہ وقت اور اولاد لائبہ کی زندگی میں تبدیلی لے آئے گی مگر یہ خام خیالی ثابت ہوئی۔ اسے آج بھی ہر طرف ''میں میں اور میں'' ہی دکھائی دیتا۔ کھانے پینے اور لباس میں حساسیت مزید شدت اختیار کر رہی تھی۔ بلکہ بیٹی ڈولی جواب کالج جانے لگی تھی، اسے خود سے زیادہ دلکش لگتی، تو اس کی کیفیت مزید قابل رحم ہو جاتی۔ لائبہ کے فیشل اور مساج مزید بڑھ جاتے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے گزرنے والا وقت مزید طویل ہو جاتا۔

ڈولی نے قد نکالا تو اس کے متناسب سراپے نے بچی کی دلکشی میں اضافہ کر دیا۔ لائبہ کی ورزش کا دورانیہ بھی یکدم طویل ہو گیا۔ آخر ورزش کی زیادتی اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ لائبہ کی غذا میں ملٹی وٹامن بھی شامل ہونے لگے اور دیسی نوسکھے بھی۔ گھر کے دوسرے افراد اس کی ترجیح تو کبھی نہ تھے، مقابلے بازی میں وہ اور بھی دور ہونے لگے۔ قاسم نے والدہ کے ہاں کھانا تناول کرنا معمول بنا لیا۔ بچے بھی دادی ہی کے گھر جا کر خوشی محسوس کرتے۔ دادی، چاچا، چاچی اور ان کے بچے سب ہی بے تکلف اور گرم جوشی سے ملتے، باتیں کرتے، کھاتے پیتے۔ بس کبھی کبھی قاسم اپنی چھوٹی بہو کے احسان تلے خود کو دبا ہوا محسوس کرتے۔ ڈولی اور علی کو دادی کے گھر میں پیار ملتا اور توجہ، مان اور خلوص بھی۔ اپنائیت اور شفقت بھی۔

لائبہ کے معمول میں ہفتے میں ایک مرتبہ ساس کا حال پوچھنے جانا بھی شامل تھا۔ دن اور وقت دونوں مقرر تھے۔ سو سسرال میں سب کو لائبہ کی آمد کی خبر ہوتی۔ بے حد تکلف سے ساس کا حال پوچھا جاتا۔ باتوں باتوں میں دیورانی پر خوب تنقید ہوتی جو ایک فربہ اور گھریلو لڑکی تھی..... لائبہ کو دوسروں کی بات سننے کی عادت ہی نہ تھی۔ محض خود ہی بول بول اور دوسروں کو غذائی چارٹ دے دے کر مرعوب کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جاتی۔ دیورانی نے لائبہ کی خاطر مدارت کرنا ہی چھوڑ دیا کہ وہ سامنے آنے والی ہر شے میں سے کیڑے نکالتی۔ لہٰذا چینی، تیل، مسالوں، گوشت ہر چیز سے مبرا صرف ایک گلاس منرل واٹر یا تازہ پھل کا رس ہی اس کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔

بچے بھی دادی ہی کے گھر جا کر خوشی محسوس کرتے۔ دادی، چاچا، چاچی اور ان کے بچے سب ہی بے تکلف اور گرم جوشی سے ملتے، باتیں کرتے، کھاتے پیتے۔

غرور سے اکڑی گردن اور بے حد سیدھی کمر لیے بیٹھی لائبہ اس کو نوش جان کرنا پورے سسرال پر احسان سمجھتی۔ جانے قاسم، ڈولی اور علی کا دل اس اجڈ اور گنوار گھر میں کیوں لگتا ہے؟ وہ اس سوال کا جواب اپنی بیس سالہ شادی شدہ زندگی میں ہرگز نہ ڈھونڈ پائی۔ دیگر لوگوں نے بھی اسے کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا۔ لوگ اسے وہی کچھ کہتے جو وہ سننا چاہتی تھی۔

اس کا گھر کسی اسٹیج ڈراموں کی طرح کا سجا ہوا تھا۔ چمکتا ہوا جدید نمونے کا باورچی خانہ، قیمتی پردے، فرنیچر، سامان آرائش اور سب سے بڑھ کر انتہائی حسین اور چمکتی دمکتی گھر کی مالکن!

مصروف زندگی میں کبھی کبھی اسے گھر کی خاموشی کھٹکنے لگتی۔ زندگی کا مصنوعی پن محسوس ہونے لگتا۔ مگر لائبہ نے کبھی خود کو اپنے بنائے قوانین توڑنے کی اجازت نہیں دی۔ کسی کھڑکی کو کھولنا، پردے ہٹانا اور باہر کی تازہ ہوا اور

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

روشنی محل میں آنے کی اجازت دینے کا اختیار تو شاید لائبہ کو خود بھی نہ تھا۔

کبھی کبھی اسے اپنے میکے کی یاد بھی آجاتی۔ مگر میکے میں بھاوجیں، ان کے بچے، رشتے دار سب ہی کی آمد متوقع ہونے لگتی۔ اور وہ اپنے گھر اور معمول میں کسی کی مداخلت قبول نہیں کرسکتی تھی۔

لائبہ کو اپنے بچوں سے بے حد محبت تھی۔ ان کے لیے قیمتی سے قیمتی لباس اور کھلونے خریدتی..... دونوں کے کمرے بہت خاص توجہ سے سجائے گئے۔ رنگوں اور سجاوٹوں میں وہ دونوں کمرے اپنی مثال آپ تھے۔ بس عام ماؤں کی طرح وہ ان کے لاڈ اٹھانے، چومنے اور پیار کرنے کی قائل نہ تھی۔ وہ ان دونوں میں وقت قیمتی ہونے کا احساس بچپن ہی سے پیدا کرنا چاہتی تھی۔ دونوں کا ٹائم ٹیبل بہت سختی سے بنا کر ان پر عمل کرایا جاتا۔ لائبہ کے لاڈ کے اپنے انداز تھے۔ مگر ماں کی محبت کو قیمتی چیزوں کے ڈھیر میں سے ڈھونڈ کر محسوس کرنا ڈولی اور علی کو آیا ہی نہیں، سو وہ پیار، محبت، توجہ، اپنائیت اپنے باپ اور دھیال سے ڈھونڈنے پر مجبور ہوگئے۔ صبح سویرے اسکول کالج روانگی کے بعد دوپہر کو دونوں سیدھے اپنی اکیڈمی پہنچتے۔ وہاں سے شام میں دادی کے گھر، رات گئے کھانا کھا کر باپ کے ساتھ اپنے گھر۔ اپنے قیمتی، سجے ہوئے کمرے میں بس رات کو وہ سونے آتے اور صبح سے پھر وہی معمول شروع ہوجاتا۔

اس دن لائبہ اپنے گھر میں سیڑھیوں سے گر گئی۔ اسے ہرگز امید نہ تھی کہ محض دو سیڑھیوں سے پھسلنے پر ٹانگ فریکچر ہوجائے گی۔ صبح کا وقت تھا۔ ملازمہ کاموں میں مصروف تھی۔ لائبہ کی چیخ پر وہ دوڑی آئی۔ اسے اٹھایا اور پھر دیورانی کو فون کیا۔ دیورانی فوراً پہنچیں اور اسپتال لے گئیں۔ قاسم بھی سیدھے اسپتال آگئے۔ لائبہ کو ٹانگ میں شدید تکلیف تھی۔ مگر درد کے ساتھ ساتھ اپنے حلیے کی فکر زیادہ تھی۔ ”قاسم پلیز، گھر سے میرا بالوں والا برش، لپ اسٹک اور پرفیوم لے آئیں اور ایک چھوٹا آئینہ بھی۔ جانے میں کیسی دکھ رہی ہوں؟ ڈاکٹر اور نرسیں کیا سوچتے ہوں گے میرے حلیے کے بارے میں۔“ لائبہ ہنوز اپنے سراپے کی فکر میں تھی۔

”بیگم! ڈاکٹر صاحب تمھاری ٹانگ دیکھیں گے، انھیں تمھاری لپ اسٹک سے بڑی اور تکلیف کا اندازہ نہیں لگانا۔ ایکسرے بھی صرف ٹانگ ہی کا لیا جائے گا شکل کا نہیں۔ اس لیے بے فکر رہو۔“ قاسم سختی سے ڈپٹ کر بولے۔

ٹانگ کا آپریشن کرکے پلاسٹر چڑھا دیا گیا۔ دونوں بچے اور رشتے دار دو تین دن اسے دیکھنے آتے رہے۔ لائبہ آخر کار اپنے گھر آگئی۔ سب افراد خانہ کا اپنا معمول تھا..... اسکول، کالج، دفتر! لائبہ تو پہلے بھی کسی کے لیے کچھ نہ کرتی تھی، سو کسی کو کوئی فرق نہ پڑا۔ البتہ بستر کا پابند ہو کر لائبہ کے لیے وقت گزارنا مشکل ہوگیا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ہر کام کے لیے دوسروں کی محتاج ہوگئی۔

بستر کا پابند ہو کر لائبہ کے لیے وقت گزارنا مشکل ہوگیا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ہر کام کے لیے دوسروں کی محتاج ہوگئی۔

”ڈولی! کبھی تو میرے پاس بیٹھا کرو۔ روز چاچی اور دادی کے ساتھ پوری شام گزار کر آتی ہو۔ ماں کو بھی پوچھ لیا کرو۔“ آج رات جب تینوں حسب معمول کھانا کھا کر گھر آئے، تو لائبہ بے اختیار بول اٹھی۔ بے حد نزاکت سے گال سے گال ملا کر چومتی ڈولی حیران ہوگئی۔

”ماما! کیا کر رہی ہیں آپ؟ روز ہی تو آتی ہوں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

آپ کے پاس اور آپ کی خیریت بھی روز ہی پوچھتی ہوں۔ بھلا اس کے علاوہ اور کیا بات کروں۔'' ڈولی اسپاٹ لہجے میں بولی۔

ماں بیٹی والا رشتہ تو لائبہ نے کبھی بنایا ہی نہ تھا۔ ڈولی تو اس کی حریف تھی، جس سے لاشعوری طور پر اس کا مقابلہ ہی چلتا تھا۔ اپنے حلقۂ احباب میں وہ کبھی کبھی ڈولی کو انتہائی خوبصورت لباس پہنا کر متعارف کرایا کرتی تھی..... مگر صرف اور صرف اپنی تعریف میں اضافے اور ایک اچھی اور باذوق ماں کہلوانے کے لیے۔

''علی! بیٹا آپ ہی کبھی آ کر بیٹھ جایا کرو میرے پاس۔'' لائبہ ڈولی کی حیرت کی تاب نہ لاتے ہوئے بیٹے سے مخاطب ہوئی جو قیمتی کپڑے اور جوگرز پہنے سامنے دھری کاؤچ پر بیٹھا تھا۔ سلام کے بعد اس نے اپنے موبائل پر کوئی گیم لگا لی تھی۔ بھلا وہ ماں سے گپ شپ کا عادی کب تھا؟

''جی ماما..... بیٹھا تو ہوں آپ کے پاس۔'' وہ بے دلی سے بولا۔

لائبہ نے غور سے اپنے جوان ہوتے بیٹے کو دیکھا جس کے جوتوں، کپڑوں اور چیزوں کے لیے وہ بلکان ہوتی پھرتی تھی۔ مگر اس کی جماعت، پڑھائی، دوستوں، مشاغل، سرگرمیوں، دلچسپیوں سے قطعاً لاعلم تھی۔ وہ خود لاتعلق رہی اور اب یہ لاتعلقی ایک دیوار کے مانند اس کے درمیان کھڑی تھی۔

قاسم روزانہ پوری شام اپنی والدہ کے ہاں گزارتے۔ بچے بھی اپنی تمام محرومیاں دھیرے دھیرے پوری کر لیتے۔ توجہ، تعلق، محبت سب کچھ انہیں دادی، چاچی، چاچا اور عزیز و اقارب سے مل جاتا۔

اور یہ قاسم ولا، لائبہ کا گھر، اسٹیج ڈراموں کے مانند دے گا۔

خاموش، محبتوں سے خالی، بس صاف ستھرا، سجا ہوا اور بے حد خوبصورت مالکن سے مزین تھا۔ جہاں چند مکالمے بولے جاتے اور پھر اسکرپٹ ختم۔ اس گھر میں صحت مند طرزِ زندگی تھا..... کھانے پینے کی بے حد صحت مندانہ عادتیں، طریقے، ورزش کے لیے مکمل جم، مشینیں، صفائی، ایک ماہر آرائش سے اس گھر کی تزین و آرائش بھی کرائی گئی..... مگر وہاں محبت اور الفت کی کمی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے، محبت و الفت کی پنیری ایک مزیدار کھانے، اسے بنانے والی ماں اور مل کر کھانے والے افراد کے دسترخوان ہی سے پھوٹتی ہے۔

افراد خانہ کی بات چیت ختم ہو چکی تھی۔ بچے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔ قاسم اپنا شبینہ لباس پہن بستر پر لیٹ گئے۔ دن بھر کی تھکن اور مصروفیت کی وجہ سے جلد ہی نیند کی وادیوں میں جا پہنچے۔ آج وہاں کوئی بحث نہ تھی اور نہ دلائل تھے۔ قاسم اب حقیقت تسلیم کر کے سکون میں تھے۔

لیکن پہلی بار لائبہ کو احساس ہوا کہ اس نے اپنی پوری زندگی محض اس پانچ فٹ دس انچ کے وجود کو دیکھنے، بنانے اور سنوارنے میں لگا دی۔ خوبصورت نظر آنے کی خاطر اس نے اپنے وقت، سرمائے، رشتوں، محبتوں اور بچوں سب کو گنوا دیا جو ستائش اسے بیٹی کی ماں ہونے کے ناتے ملنا چاہیے تھی، وہ ڈولی کے برابر دکھنے میں ڈھونڈتی رہی ۔

تم بادشاہِ وقت تھے، کٹوا دیے تھے ہاتھ
اب قصر گر رہا ہے، تو معمار کیا کرے

آج محل کی خوابیدہ شہزادی کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اسے امید تھی کہ اب آنے والے دنوں میں اس کا پیار بھرا طرزِ عمل شوہر اور بچوں کے رویے بھی ضرور بدل

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

۷ر فروری

کو دہلی میں بڑی چہل پہل تھی کیونکہ آج وہاں مقامی انتخابات ہونے والے تھے۔ صحافیوں کے جائزے بتا رہے تھے کہ سماجی راہنما، اروند کیجر یوال کی عآپ (عام آدمی پارٹی) کو دیگر جماعتوں پر برتری حاصل ہے۔ لیکن جب ۱۰ر فروری کو نتائج کا اعلان ہوا، تو پتا چلا کہ ''کیجر یوال لہر'' نے

بھارتی سیاست کا نیا موڑ

مسلمانانِ دہلی نے عآپ کو فتح دلا دی

دارالحکومت میں مقیم بیشتر مسلمانوں کے ووٹ اروند کیجر یوال کی جھولی میں گرے

نشان احمد

''مودی لہر'' کا صفایا کر ڈالا۔ خاص بات یہ کہ اس سابق سرکاری افسر کی قائم کردہ پارٹی کی جیت میں دہلی کے مسلمانوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

یاد رہے کہ دہلی وفاقی علاقہ (یونین ٹیریٹری) ہے۔ آئینی طور پر اس علاقے میں وفاقی حکومت حکمران ہے۔ لیکن ۱۹۹۲ء میں وہاں مقامی حکومت بنا کر شہر کا نظم و نسق اس کے حوالے کر دیا گیا۔ اب صرف سیکیورٹی کے معاملات وفاقی حکومت کے پاس ہیں۔ مقامی حکومت

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

انتخابات کے ذریعے منتخب ہو کر آنے والے عوامی نمائندے چلاتے ہیں۔

دہلی وفاقی علاقے کی موجودہ آبادی تقریباً پونے دو کروڑ ہے۔ اس آبادی میں سے ۱۲ فیصد مسلمان ہیں جن کی تعداد بیس لاکھ سے زیادہ بنتی ہے۔ یہ مسلمان پوری دہلی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تاہم پرانی دہلی کے چھے حلقوں۔ مٹیا محل، بلی ماراں، چاندنی چوک، اوکھلا، سیلم پور اور مصطفیٰ آباد میں مسلمانوں کی آبادی ۳۰ فیصد سے زائد ہے اور ان حلقوں میں مسلم ووٹ فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے۔

دہلی کے مسلمان طویل عرصہ کانگریس کو ووٹ دیتے رہے۔ سیکولر پارٹی ہونے کے ناتے بھارت کے سبھی مسلمانوں کو یقین تھا کہ کانگریس ان کے مفادات کا تحفظ کرے گی۔ تاہم کانگریس حالیہ انتخابات میں بی جے پی کا مقابلہ نہیں کر پائی کیونکہ کرپشن اسکینڈلوں نے اسے بہت نامقبول بنا دیا تھا۔

عآپ نے ۲۰۱۳ء میں پہلی بار دہلی کے انتخابات میں حصہ لیا۔ مسلمانوں کی اکثریت اسے غیر اہم سیاسی پارٹی سمجھتی تھی۔ اس لیے بیشتر ووٹ کانگریس کی جھولی میں گیا۔ درحقیقت دہلی میں کانگریس نے ۷۰ نشستوں میں سے صرف ۸ جیتیں اور ان میں سے آدھے کامیاب امیدوار مسلمان تھے۔

لیکن ۲۰۱۵ء میں صورت حال یکسر تبدیل ہوگئی۔ اب بھارت میں اروند کیجریوال انتہا پسند ہندوؤں کے خلاف مورچہ بند ہو چکے۔ وہ نریندر مودی اور ان کے گولے کی مسلم دشمن کارروائیوں کو سرعام للکارتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانانِ دہلی کو یقین ہو گیا کہ عآپ ہی انھیں انتہا پسند ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے بچا سکتی ہے۔

مزید برآں کیجریوال نے بھی مسلم حلقوں میں بھرپور مہم چلائی اور انھیں اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اس طرح اروند کیجریوال کے روپ میں مسلمانوں کو ایک قابل اعتماد دوست بلکہ مسیحا مل گیا۔ اسی باعث دہلی کے حالیہ انتخابات میں "۷۷ فیصد" مسلمانوں نے عآپ ہی کو ووٹ دیا۔

ماہرین سیاسیات کی رو سے مسلمانانِ دہلی نے کبھی اتنی بڑی تعداد میں کسی سیاسی پارٹی کو ووٹ نہیں دیے۔ یوں انھوں نے وفاقی علاقے کی انتخابی تاریخ میں نئی مثال قائم کر دی۔ مزید برآں مسلمانوں کے بھرپور ووٹ ملنے کی وجہ ہی سے عآپ نے ان ۱۰ میں سے ۹ حلقوں میں زبردست کامیابی حاصل کی جہاں مسلم ووٹ اہمیت رکھتا ہے۔ اس جیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۷۰ رکنی اسمبلی میں عآپ کو فیصلہ کن برتری حاصل ہوگئی۔

عآپ نے مقامی راہنماؤں سے گفت وشنید کے بعد مسلم اکثریتی علاقوں میں پانچ مسلمان امیدوار کھڑے کیے۔ چاندنی چوک سے شہر کے مشہور سماجی کارکن، الکا لانبہ کو ٹکٹ دیا گیا۔ جبکہ بقیہ علاقوں میں مسلمانوں کے نمائندوں ہی کو ٹکٹ ملے۔

دہلی کے مشہور علاقے، اوکھلا سے امانت اللہ خان کو ٹکٹ ملا۔ انھوں نے ایک لاکھ سے زائد ووٹ لے کر علاقے میں نیا ریکارڈ قائم کر ڈالا۔ بی جے پی کا امیدوار، براہم سنگھ صرف ۴۰ ہزار ووٹ لے سکا۔ مٹیا محل میں عاصم احمد خان (۴۷ ہزار ووٹ)، بلی ماراں میں عمران حسین (۵۷ ہزار ووٹ) اور سیلم پور میں حاجی بھولے (۵۷ ہزار ووٹ) نے بھی معاصرین کو بری طرح ہرایا۔

مصطفیٰ آباد میں عآپ نے سماجی راہنما، حسن احمد کو ٹکٹ دیا تھا۔ کانگریس کی طرف سے محمد یونس کھڑے ہوئے۔ علاقے میں دونوں راہنما برابر کی شہرت رکھتے ہیں، اس لیے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

مسلم ووٹ ان میں تقسیم ہوگیا۔ حسن احمد نے ۵۲،۳۵۷ ہزار جبکہ محمد یونس نے ۴۹،۷۹۱ ہزار ووٹ لیے۔ دوسری طرف بی جے پی کے امیدوار، جگدیش پردھان ۵۸،۳۸۸ ہزار ووٹ لے کر جیت گیا۔ یوں اس حلقے میں جمہوریت کی بوالعجبی کے باعث عآپ فتح سے ہمکنار نہ ہوسکی۔

انتخابات ۲۰۱۳ء میں عآپ نے ۲۸ نشستیں جیتی تھیں اور اسے ۲۹٫۵ فیصد ووٹ پڑے۔ انتخابات ۲۰۱۵ء میں عآپ نے ۶۷ نشستیں جیت لیں اور ووٹ ڈالنے والوں میں صرف دو برس کے دوران پارٹی کی مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا۔ بی جے پی بلند بانگ دعووں کے باوجود صرف ۳ نشستیں جیت پائی۔ پچھلے انتخابات میں اس نے ۳۱ نشستیں جیتی تھیں۔ بچاری کانگریس ایک بھی نشست نہ جیت سکی۔ ووٹروں کی کل تعداد ایک کروڑ تینتیس لاکھ تھی۔ ان میں سے ۶۷ فیصد نے ووٹ دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عآپ مسلمانان دہلی کی امیدوں پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ یہ تو حقیقت ہے کہ ہندو اور سکھ باشندوں کی نسبت بیس لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کے مسائل زیادہ ہیں۔ ان کے بیشتر علاقے بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ جہاں اسکولوں، کالجوں اور اسپتالوں کی تعداد کم ہے۔ نوجوانوں کی اکثریت بیروزگار ہے۔ پھر انھیں ہندو تعصب کا بھی سامنا ہے۔ غرض دہلی ہی نہیں بھارت میں مقیم مسلمانوں کی اکثریت گوناں گوں مسائل میں الجھی ہوئی ہے۔

عآپ کی کامیابی نے یہ دیوانا بھی نیست و نابود کر ڈالی کہ نریندر مودی ناقابل شکست ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ دہلی انتخابات میں زبردست ناکامی کے بعد بھی مودی حکومت ہندو انتہا پسندی کے اپنے ایجنڈے کو بڑھاوا دینا جاری رکھے گی؟ عآپ کی جیت نے بہرحال دنیا والوں کو پیغام دیا ہے کہ بھارت میں بیشتر باشندے سیکولر طرز حکومت ہی پسند کرتے ہیں۔ اگر بھارت کو ہندو ریاست بنانے کی سعی ہوئی، تو مسلمان، سکھ اور عیسائی ہندو انتہا پسندوں کا بھرپور مقابلہ کریں گے۔

دوسری طرف انتہا پسند ہندو مسلسل اقلیتوں پر حملے کر رہے ہیں۔ اواخر فروری میں آر ایس ایس کے چیف، موہن بھگوت نے یہ بیان دے کر بھارت میں سنسنی پھیلا دی: "مدر ٹریسا غریبوں کی خدمت اس لیے کرتی تھی کہ انھیں عیسائی بنا سکے۔" اس بیان پر سماجی راہنماؤں، سیاست دانوں اور عام لوگوں نے آر ایس ایس کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔

◆◆◆

غزل

وقت گزارنا سیکھ لیا ہے
دل نے ہارنا سیکھ لیا ہے
اس سے جان چھڑانی ہے
جان کو وارنا سیکھ لیا ہے
یاروں نے احسان کیے ہیں
قرض اُتارنا سیکھ لیا ہے
پھول ہوئے ہیں اتنے مہنگے
خار سنوارنا سیکھ لیا ہے
ہجر گوارا کون کرے گا
من کو مارنا سیکھ لیا ہے
ارشد اس کے جلووں سے
شوق ابھارنا سیکھ لیا ہے
شعر کی آڑ میں ارشد اس کو
یار پکارنا سیکھ لیا ہے

(الحاج رشید ارشد، وہاڑی)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

معاشرتی افسانہ

موت کا سندیسہ بن بیٹھا

لال جوڑا

ایک معصوم فاختہ کی دلگداز کہانی،
جو اپنے انجان پن میں شاطر و مکار باز
کے خونی پنجوں میں جا پھنسی تھی

ناگمہ بشیر از حیدرآباد

صحن میں ایک طرف کونے میں بنے چولھے پر آگ جلاتی عورت نے اپنی پاٹ دار آواز سے کسی کو پکارا ''کلو... اری کلو، اٹھ جا اب۔ اٹھ کے صحن میں جھاڑو دے۔ ورنہ بوتی پھرے گی کہ دھوپ آگئی، میں نہیں دیتی جھاڑو۔''

مگر صحن میں ٹوٹی چارپائی پہ لیٹی کلو پہ اس آواز کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عورت نے دوسری بار اور اونچی آواز دی تو قریب بیٹھے بوڑھے مرد نے اپنی میلی دھوتی کا پلو سنبھالتے عورت کی طرف ناگواری سے دیکھا اور بولا:

''بس کر فاطمہ، اب بس بھی کرو۔ سونے دے اسے۔ رات بھی تو نے اس کو رلا رلا کے سلایا ہے۔''

''کیا بکتے ہو، میں نے رلایا ہے؟'' فاطمہ مرد پر قہر برساتی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی ''اور تو کچھ زیادہ نہ بول، چل اٹھ آگ جلا، میں آٹا گوندھ لوں۔ ٹائم چڑھتا جارہا ہے۔ گھر میں آٹا بھی ختم ہونے کو ہے۔ شمو نے کام سے جان چھوڑے گی تو جاؤں گی ملکوں کی طرف، ان کی گندم بنائی ہے، آٹا پسوانا ہے۔ جاتی ہوں تو پھر روٹی ٹکر کچھ مل جاتا ہے۔ تم دونوں باپ بیٹی بیٹھے دن میں خواب دیکھا کرو بس! ارے ہاتھ پلا ہلاؤ گے، تو کچھ نصیب میں لے گا نا' یوں منہ میں کوئی نہیں ڈالنے والا۔''

''اب چپ بھی کر جا فاطمہ بیگم کی زبان تو جب چل پڑے پھر رکنے کا نام تھوڑی لیتی ہے۔'' بوڑھا پھونکنی سے چولھے میں پھونک مارتے ہوئے بولا ''تو جلد روٹی پکا،

www.bookstube.net
www.urdumovies.net
www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں بھی ملکوں کے ڈھور ڈنگر چرانے جاؤں، دھوپ دوڑی آرہی ہے۔"

"اور اس کالے منہ والی کو کون اٹھائے گا؟ تو بھی سن لے مراد بخش، میں اتنی فارغ نہیں بیٹھی کہ اس کے ناز نخرے برداشت کروں، مجھے پتا ہے، اب یہ روٹی کھائے گی اور نہ پانی پیے گی۔ ہائے اوئے ربا، ایک ہی بیٹی دینی تھی، تو اچھی سی دیتا، اس کا نہ رنگ نہ روپ، چڑیل پیدا ہو گئی میرے گھر میں۔ اور نخرے اتنے ہیں لگتا ہے کسی بڑے اسکول کی "میڈم" ہے۔ شکل سوہنی ہوتی تو کوئی لے جاتا، اب ساری عمر میرے ویہڑے بیٹھی مجھے ستائے گی۔" فاطمہ ماتھا پیٹتی ہوئی بولی۔

مراد بخش نے تڑپ کے فاطمہ کی طرف دیکھا اور کہا "بس اب چپ ہو جا، نہیں تو اسی پھونکنی سے سر پھاڑ دوں گا تیرا! خبردار میری دھی کو کچھ کہا۔" بیوی کو جھاڑتے ہوئے بولا۔ پھر کلو کو اٹھانے اس کی طرف چل دیا۔

کلو منہ کھولے سوئی ہوئی تھی۔ نیند میں بھی مسکراہٹ اس کے کالے کلوٹے چہرے پر طاری تھی۔ جسم پر پھٹا پرانا جوڑا تھا۔ مراد بخش نے بڑی بے بسی سے کلو کی طرف دیکھا، اس کا دل اندر سے کٹ کے رہ گیا۔ سوچنے لگا، میری شہزادی دھی، تیری ضد بھی تو شہزادیوں جیسی ہے۔ پگلی! تو جانتی بھی ہے تیرا بابا ملکوں کے ڈھور ڈنگر چرانے والا غریب آدمی ہے۔ وہ تیرا پیٹ تو صحیح طرح بھر نہیں سکتا۔ اری میری جندرانی، تو خواب بھی کتنے "اُچے اُچے" دیکھتی ہے۔

"جھلی نہ ہو تو! سارا دن تیرا بابا اور تیری ماں ملکوں کے گھروں میں گدھوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ جب ہر فصل پر کچھ اناج ملے، تو گھر گزارا ہوتا ہے۔ میں بھلا کیسے تیرے خواب پورے کر سکتا ہوں؟" میلے دامن سے مراد بخش نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا۔

وہ نرمی سے بیٹی کے بالوں میں آہستہ آہستہ اپنی پتلی پتلی بوڑھی انگلیاں پھیرنے لگا۔ "اے میری لاڈو میری رانی دھی، اٹھ پتر، نہ کھپایا کر ماں کو، اٹھ پتر! اگر تو نے آج روٹی نہ کھائی، تو تیرا بابا بھی بھوکا رہے گا۔ ہاں بس کہہ دیا میں نے۔"

لیکن کلو ٹس سے مس نہ ہوئی۔ "اٹھ پتر نہیں تو میں بھی تجھے وہی کہوں گا جو سارے پنڈ والے کہتے ہیں۔ اور جو وہ تجھے کہتے ہیں نا، ہوں رب دی، تیرے بابا کا سینہ چیر کے رکھ دیتے ہیں۔ اٹھ میری ....." بابا زور سے ہنسا۔

کلو یک دم چارپائی سے اٹھ بیٹھی اور بولی "بابا تم بھی سب کی طرح مجھے ہو گے ....." وہ بُری طرح ناراض ہو کر اپنا سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھ گئی۔

"تو پھر تُو نہ ستایا کر اپنے بابا کو چل اٹھ ہاتھ منہ دھو، روٹی لا، ہم دونوں مل کے کھاتے ہیں۔ آج ملکانی نے جو لسی دی اس میں مکھن کا پیڑا بھی ڈالا ہے اتنا بڑا!" بابا نے ہاتھ سے سائز بنایا، کلو ماں کو کن انکھیوں سے دیکھتی بابا سے لپٹ گئی۔ وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے لاڈ سے بولی۔ "بابا! میرا لال جوڑا کب لائے گا؟"

"چپ پگلی، ہولے بول، تیری ماں نے سن لیا، تو پھر شروع ہو جائے گی۔ مشکل سے چپ ہوئی ہے۔ ہاں

> تیری ضد بھی تو شہزادیوں جیسی ہے۔ پگلی! تو جانتی بھی ہے تیرا بابا ملکوں کے ڈھور ڈنگر چرانے والا غریب آدمی ہے۔ وہ تیرا پیٹ تو صحیح طرح بھر نہیں سکتا۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سن تیرے تایا سے پورے تین سو روپے مانگ کر لایا ہوں۔ کل شہر جاؤں گا تیرا جوڑا لینے، اس عید پر تو لال جوڑا ہی پہنے گی۔ چل اب تو اٹھ جا۔''

دور بیٹھی فاطمہ دونوں باپ بیٹی کو گھور رہی تھی۔ پھر روٹیاں پٹخ پٹخ کے چنگیر میں رکھنے لگی۔ مراد بخش نلکے کی طرف جاتی کلو کو کچھ دیر تک گہری نظر سے دیکھتا رہا۔ پھر ایک ٹھنڈی آہ بھر اپنے آنسو چھپاتا روٹی لینے چولھے کی طرف چل دیا۔

☆☆

فاطمہ اور مراد بخش کے ہاں پندرہ سال بعد بڑی منتوں مرادوں سے ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ بہت زیادہ کالی رنگت والی بچی کو دیکھ کے میاں بیوی کچھ دیر پریشان تو ہوئے مگر پھر اپنے رب کے شکر گزار ہو گئے۔ وہ کون ہوتے تھے خدائی بنائی مخلوق میں کیڑے نکالنے والے؟ لیکن سیاہ رنگ اور دو لمبے باہر کو نکلے دانتوں کے ساتھ جب بچی باہر نکلنے کا ارادہ کرتی تو ماں باپ دل مسوس کے رہ جاتے۔ وہ پکڑ کے واپس گھر لے آتے کیونکہ وہ جانتے تھے، بیٹی باہر نکلی، تو گاؤں کا کوئی بچہ اس کے ساتھ کھیلنا پسند نہیں کرے گا۔

جب بڑی ہوئی تو اسے روکنا ممکن نہیں رہا، وہ جب روتی دھوتی گھر آتی تو ماں باپ کا کلیجا کٹ کے رہ جاتا۔ کوئی اسے چڑیل کہتا اور کوئی کلو! اس کا اصل نام تو کہیں دور رہ گیا۔ اب وہ گاؤں میں کلو کے نام سے جانی پہچانی جاتی۔ زندگی کی پندرہ بہاریں دیکھ چکی تھی، مگر پورے گاؤں میں کوئی اس کی سہیلی نہ بنی۔ وہ حسرت سے سب کو دیکھتی۔ سب لڑکیاں آپس میں کھیلتی، مگر کلو کو نظر انداز کر دیتیں۔

گاؤں میں لڑکوں کی آپس میں کبھی لڑائی ہوتی تو وہ ایک دوسرے کو بد دعا دیتے۔ ''اللہ کرے کلو تیری گھر والی بنے۔'' اور جس کو بد دعا دی جاتی، وہ دینے والے پر غصہ کرتا اور بولتا: ''ہاں ہاں تاکہ سارے اس بھوتنی چڑیل کو دیکھ کے ڈر کے مارے بھاگ جائیں۔ میرے گھر میں سدا اندھیرے ہی رہیں۔ میرے آنگن میں تو ریشماں آئے گی روشنیاں بکھیرنے!'' وہ پھر ایک دوسرے کی کمروں پر دھپ لگاتے بھاگ جاتے۔

کلو کے کانوں میں کبھی کبھار یہ آوازیں پڑتیں، تو وہ کھڑی کی کھڑی رہ جاتی۔ پھر روتی ہوئی گھر آتی اور چپ چاپ بستر پر لیٹ جاتی۔ ماں اور باپ دونوں جانتے تھے اب کلو کیا سوچ رہی ہے۔ ''بابا! سارے کیوں نفرت کرتے ہیں مجھ سے؟'' وہ اکثر پوچھتی۔

اماں ٹھنڈی سانس بھرتی، کلو سے آنکھیں چراتی اپنے کاموں میں لگ جاتی۔ البتہ بابا اسے اپنے سینے سے لگاتا اور کہتا ''تو چھوڑ ان سب کو، ادھر آ، میں تجھے کہانی سناؤں، میں ہوں نہ تیرا بیلی۔ بول کہانی سنے گی کہ کھیلے گی میرے ساتھ؟'' اور وہ چارپائی پر لیٹ جاتی جہاں بابا اسے کہانی سناتا۔ وہ خیالوں میں پریوں کے دیس گھومنے لگتی۔ وہاں ایک لال پری ہوتی جو بہت رحم دل تھی۔ کلو کو لگتا، لال پری ضرور میری سہیلی بنے گی۔

بابا کو جہاں اور بہت سے غم تھے، ایک یہ بھی تھا کہ کلو کے ساتھ کی ساری لڑکیاں بیاہی جا چکی۔ مگر مراد بخش کے گھر آج تک کلو کا ہاتھ مانگنے کوئی نہ آیا۔ اس نے اپنے کئی دوستوں کو کہہ رکھا تھا کہ کلو کا خیال رکھنا، مگر کہیں سے حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ مراد بخش بیوی سے کہتا ''کیا ہوگا کلو کا؟ سب سے بات کر لی۔ ہر طرف مایوسی ہے۔ اب تو

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہم ہیں، کل کو نہ رہے، تو کیا بنے گا ہماری کلو کا؟'' دونوں کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔

ابھی کچھ روز پہلے کلو ملکوں کے گھر گئی۔ ان کے بیٹے کی شادی تھی۔ ماں سے کام سنبھالا نہ جاتا تھا۔ دلہن کو دیکھ کے کلو کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے لگا، بابا کی کہانی والی لال پری زمین پر اتر آئی ہے۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھتی رہی۔ دلہن کے جوڑے سے نگاہیں نہ ہٹیں، جھلمل کرتے جوڑے کو پاگلوں کی طرح تکتی رہی۔ ''کیوں ری، کیا دیکھ رہی ہے چھوٹی ملکانی میں؟'' ماسی پھاتاں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''ماسی! کتنی سوہنی ہے نکلے ملک کی ووہٹی، ہے نا!''

''آہو، ہے تو، پر تو کھڑی یہاں کیا کر رہی ہے چل جا کام کرا اپنی ماں کے ساتھ۔'' ماسی پھاتاں نے کلو کو وہاں سے بھگا دیا۔

بس اسی دن سے لال جوڑا اس کی نگاہوں میں سما گیا۔ وہ خیالوں میں لال جوڑا پہنے گھومتی، اترائی پھرتی۔ تصور میں اس کے ہاتھوں پر مہندی بھی سج جاتی۔ انہی خیالوں میں وہ ڈولی میں بیٹھ بابا کے آنگن سے کسی دوسرے آنگن میں پہنچ جاتی پھر یہاں آ کر اس کے خیالوں کو جھٹکا سا لگ جاتا۔ دلہن کی ڈولی تو دولھے کے ساتھ سجتی ہے۔ مگر اس نے سنا تھا، ایک دن بابا اماں سے کہہ رہا تھا کہ ممدو نے بھی انکار کر دیا۔ نجانے کلو کا یاد کب ہوگا۔

آخر کلو نے سوچ لیا، اس آنگن میں کوئی برات اترے گی نہ اس کی ڈولی اٹھے گی۔ لہٰذا گولی مارو براتیوں کو اور دفع دور برات لانے والا۔ میں تو لال جوڑا پہنوں گی اور ضرور پہنوں گی۔ آخر وہ اپنے بابا کی لاڈلی تھی تو ضدی کیوں نہ ہوتی۔ اب وہ خیالوں میں لال جوڑا پہنے اترائی پھرتی۔ تبھی ماں سے ضد کر بیٹھی کہ اب کی عید پہ میں لال جوڑا پہنوں گی، گوٹے اور ستاروں والا۔ ماں نے لاکھ سمجھایا ''عید کا جوڑا بی بی نے تجھے دے دیا ہے، بڑا سوہنا ہے۔ میرے پاس کوئی روپوں کے ڈھیر پڑے ہیں جو تیری فضول فرمائشیں پوری کروں۔ کل جا کے بانو کی مشین سے تیرے ناپ کا کروا دوں گی۔''

''لیکن میں بی بی ملکانی کا پرانا جوڑا ہرگز نہیں پہنوں گی۔'' کلو اکڑ گئی۔

واہ بھئی واہ، دھی تو مزدوروں کی اور نخرے امیروں کے!''

مگر کلو نے نہ ماننا تھا نہ مانی۔ وہ ماں سے ناراض ہو کے کھانا پینا چھوڑ بیٹھی۔ اب بابا کے وعدے پر دونوں کھانا کھا رہے تھے۔

اگلے دن مراد بخش کلو کا لال جوڑا لینے شہر چلا گیا۔ قرض کے تین سو روپے اس نے جیب میں ڈالے ہوئے تھے۔ سارا دن مارا مارا پھرتا رہا، مگر تین سو کا کوئی جوڑا بازار سے نہ ملا۔

وہ دکاندار سے کہتا ''کوئی تین سو تک کا جوڑا دکھا، میرے پاس اس سے زیادہ رقم نہیں۔''

دکان دار ہنس کے کہتے ''بزرگو! کون سے زمانے کی بات کرتے ہو۔ وہ دن گئے جب اتنے روپوں میں تن ڈھانپا جاتا تھا۔ سب سے کم قیمت جوڑا پانچ سو روپے کا ہے۔''

مراد بخش مایوس ہو گیا۔ اسے رہ رہ کر کلو کا خیال آ رہا تھا۔ بھلی کتنی خوش ہوگی۔ گلی سے باہر آ کر اس نے کئی بار سڑک پر اپنے بابا کو دیکھا ہوگا۔

ایک دم مراد بخش کو خیال آیا، جب وہ لاری سے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اترا، تو اڈے کے ساتھ چوک پہ بہت سارے لوگ بیٹھے تھے۔ پتا چلا، دور دراز سے مزدوری کرنے شہر آتے ہیں۔ مراد بخش نے سوچا کہ وہ دو تین دن شہر رک کر مزدوری کر لے۔ پیسے جمع ہوئے' تو گھر لال جوڑا لے کر ہی جائے گا۔ رات اس نے ایک سرائے میں گزاری۔ صبح مزدوروں کے ساتھ چوک میں بیٹھ گیا۔ لوگ آتے اور اپنی مرضی کے مزدور چنتے گئے۔ وہ مزدور جوان، طاقت ور اور مضبوط جسامت کے مالک تھے۔ ہر طرح کی مزدوری کر سکتے اور بوجھ اٹھا سکتے تھے۔ بوڑھے مراد بخش کی طرف کسی نے نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ وہ لگاتار تین دن اسی جگہ آتا رہا' مگر آخرکار مایوس ہو کر گھر روانہ ہو گیا۔

وہ جوڑا تو کیا لاتا، کھانے پینے اور سرائے کے کرائے میں سو روپے خرچ کر آیا۔ کلو صحن ہی میں بیٹھی تھی۔ بابا کو دیکھ کے دوڑی' مگر بابا کا مایوس چہرہ اور خالی ہاتھ دیکھ کے اس کے چہرے پر پژمردگی چھا گئی۔ ''بابا! کیا شہر والوں کو بھی پتا تھا کہ تیری بیٹی چڑیل ہے، کالی بھوتنی ہے جس پہ رب کا بنایا کوئی رنگ بھی نہیں سجتا۔ تبھی انھوں نے تجھے خالی ہاتھ واپس بھیج دیا۔ ہے نا بابا؟'' اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ بابا کے پاس کسی بات کا جواب نہ تھا۔

☆☆

کسان کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے۔ سرسبز و شاداب کھیتوں کی ایک پگڈنڈی پہ کلو اداس بیٹھی تھی۔ بڑے ملک کا نوکر ملکوں کے کتے ٹہلاتا پھر رہا تھا۔ کلو جانتی تھی، ملکوں کے گھر میں کتوں کی کتنی سیوا ہوتی ہے۔ وہ ملکوں کے وفادار کتے تھے، آخر سیوا کیوں نہ ہوتی؟ وہ سوچتی ''لیکن وفادار تو ہم بھی ہیں، ملکوں کے! میرا بابا، دادا اور پھر ان کے باپ دادا لیکن ہماری اور کتوں کی وفاداری میں جب کوئی فرق نہیں، تو ہمارے کھانے پینے میں کیوں فرق کرتے ہیں یہ ملک اور وڈیرے!''

لیکن اس سوال کا کلو کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ کیونکہ جب کلو ملکوں کے گھر جاتی، تو کتوں کے لیے تازہ تازہ روٹیاں اور گوشت بن رہا ہوتا۔ اور سارا دن اپنی صحت اور تھکاوٹ کی پروا کیے بغیر کام کرنے والے ملازموں کو ہمیشہ باسی اور بچا کھچا کھانا ہی ملتا۔'' شاید کتے ملکوں پر اپنی مرضی سے جب چاہے بھونک سکتے ہیں اور ہم غریب ایسا نہیں کر پاتے۔ تبھی بڑے لوگ ان سے ڈرتے ہیں۔'' یہ سوچ کے آنسو اس کے گالوں پر پھیل گئے۔ دن کافی چڑھ آیا تھا۔ کسان اپنے اپنے ڈیروں کی طرف روانہ ہونے لگے۔ گھر والیاں ان کے لیے ناشتا بنا کے لا چکی تھیں۔ کلو بھی اٹھی اور گھر جانے کی تیاری کرنے لگی۔

کتوں کے لیے تازہ تازہ روٹیاں اور گوشت بن رہا ہوتا۔ اور سارا دن اپنی صحت اور تھکاوٹ کی پروا کیے بغیر کام کرنے والے ملازموں کو ہمیشہ باسی اور بچا کھچا کھانا ہی ملتا۔

اچانک اس نے پیر سائیں کے مزار پر جاتی چند عورتوں کو دیکھا۔ کھیتوں کے ایک طرف مزار تھا۔ دور دور سے لوگ وہاں منتیں مانگنے آتے اور نذرانے چڑھاتے۔ کلو کے ذہن میں ایک دم چھناکا ہوا اور اس کے قدم مزار کی طرف بڑھنے لگے۔ مزار ایک کچے کمرے کے درمیان بنا ہوا تھا۔ مزار پر جگہ جگہ دیے جلنے کے سیاہ نشان تھے۔ وہاں آنے والی عورتیں تھوڑی دیر بعد واپس چلی گئیں۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اب کلو اکیلی کھڑی تھی۔ وہ ہاتھ اٹھا کے دعا مانگنے لگی
''پیر سائیں! رب کے واسطے، سوہنے رسولؐ کے واسطے، مجھے ایک لال جوڑا دلوا دو۔ میری اور کوئی نہیں سنتا، تو اس کا نیک بندہ ہے میری فریاد سن لے۔ مجھے اس عید پہ لال جوڑا چاہیے۔'' وہ روتے ہوئے ضد کر رہی تھی۔

اسے مولوی صاحب کا درس بھی بھول گیا جو کہتے تھے، جو مانگو اپنے سوہنے رب سے مانگو۔ قبروں میں لیٹے تمہاری دعا کیا سنیں گے۔ یہ گناہ ہے۔ رب کے علاوہ کسی اور سے مت مانگو۔ مگر کلو کو کچھ یاد نہ رہا۔ دعا مانگتے مانگتے اچانک اس کی نظر مزار پر پڑی جس کے اوپر لال رنگ کی خوب صورت گوٹے اور ستاروں والی چادر پڑی تھی۔ چادر نے پورے مزار کو ڈھانپ رکھا تھا۔

کلو کی نگاہ اس چادر سے ہٹ نہ سکی۔ وہ چادر پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ خاصی دیر وہ اسے دیکھتی اور سوچتی رہی۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا۔ وہ ہولے سے بولی ''سائیں سرکار تیرے پاس کس چیز کی کمی ہے؟ ایک چھوڑ ڈھیر ہے تیرے پاس چادروں کا! یہ چادر میں چند گھنٹوں کے لیے لے جا رہی ہوں۔ شام تک کے لیے اُدھار دے دو۔''

کلو نے پھر باہر کی طرف جھانک کے دیکھا، ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ مزار کا رکھوالا کچی کوٹھڑی میں بھنگ پی کے سویا ہوا تھا۔ کلو نے آہستہ آہستہ چادر اُتاری۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

''معاف کر دینا پیر سائیں، بس چند گھنٹوں کے لیے ادھار دے دو، واپس کر دوں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے باہر دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتے گھر کو چل پڑی۔ بابا روزانہ کی طرح جانور چرانے لے جا چکا تھا۔ ماں ملکوں کے گھر تھی۔ بھاگ کر وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اندر سے کنڈی لگائی۔ چہرے پر آیا پسینا صاف کیا۔ اپنی چادر اُتار کے ایک طرف رکھی اور لال چادر اردگرد لپیٹنے لگی۔ وہ کبھی اپنے سر پہ رکھتی، کبھی بدن کے اردگرد لپیٹتی، کبھی اس سے گھونگٹ نکالتی۔

''پتا نہیں میں کیسی لگ رہی ہوں۔ میرے گھر تو کوئی آئینہ بھی نہیں منہ دیکھنے کو!'' کلو نے مایوسی سے سوچا۔ ''ہاں تسلے میں پانی ڈال کے اس میں دیکھتی ہوں۔'' وہ چادر کو ہاتھ پھیر پھیر کے دیکھ رہی تھی۔

''کلو اے کلو!'' اچانک اسے باہر سے حیدر کی آواز آئی۔

وہ ڈر گئی۔ پھر بولی ''کیا ہے؟''

''کدھر ہو؟'' بارہ سالہ حیدر کلو کی آواز کے تعاقب میں دروازے تک آ چکا تھا۔ ''دروازہ کھول، کام ہے مجھے۔'' حیدر زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔

کلو نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔ حیدر اندر آیا، تو اس کی نظر سرخ چادر پر پڑی۔ وہ حیرانی سے پوچھنے لگا
''ارے یہ کیا ہے کلو؟''

''کیا تجھے نظر نہیں آتا؟ لال جوڑا ہے میرا! جوڑا نہیں ساڑھی ہے۔ وہ جو ملکوں کے ٹی وی پر فلموں والی پہنتی ہیں۔''

''واہ کتنی پیاری ہے تیری ساڑھی۔ کہاں سے آئی؟ تیرے پاس اتنے روپے کہاں سے آئے؟ بول کلو تو نے چھوٹی ملکانی کے گھر سے چوری کی ہے نا؟''

''چل بھاگ کمینہ نہ ہو تو، میں کوئی چور ہوں! ارے پگلے اُدھار لائی ہوں۔ شام کو دے آؤں گی۔'' اور پھر کلو نے حیدر کو ساری بات بتا دی۔ کیوں نہ بتاتی، حیدر نہ صرف اس کا ہمسایہ بلکہ ننھا سا بیلی بھی تھا۔ جب سارے گاؤں والے کلو کا مذاق اڑاتے اور وہ روتی ہوئی اپنے گھر بھاگ جاتی، تو ایسے میں حیدر کو اس پر بہت ترس آتا۔ یوں وہ اس

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کا دوست بن گیا۔ وہ کوشش کرتا کہ کلو کبھی اداس نہ ہو، وہ سوچتا کہ کلو کون سی خود ایسی بنی ہے، اللہ نے سب کو بنایا ہے۔ گندے پاگل لوگ اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

کلو کی بات سن کر حیدر پریشان ہوا۔ بولا "کلو تو نے سائیں پیر کی قبر سے چادر اتار لی۔ ہائے اللہ! اب دیکھنا اپنے گاؤں میں کیسا عذاب آتا ہے۔" حیدر دوڑتا ہوا نکلا اور اپنی ماں کو عذاب کی خبر دینے گھر کی طرف دوڑا۔ کلو اس کے پیچھے بھاگی "او حیدر، سن، پیر سائیں نے کون سا دیکھا ہے۔ تجھے معلوم ہے نہ، مولوی صاحب بتاتے ہیں کہ ان پیروں کو کچھ پتا نہیں ہوتا' صرف اللہ ہر بات جانتا ہے۔" مگر حیدر جا چکا تھا۔

"چل دفع دور۔" کلو بڑبڑاتی واپس آگئی اور دوبارہ چادر اپنے سر پہ اوڑھ لی۔

تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ پیٹنے کی آواز آنے لگی: دھڑ دھڑ دھڑ..... ساتھ ہی حیدر کی ماں کی تیز آواز کانوں تک پہنچی۔ کلو ڈر گئی۔ وہ دروازے کی طرف گئی، کچھ اور آوازیں بھی اس کے کانوں تک آرہی تھیں۔ دروازہ کھلتے ہی سب عورتیں اندر آگئیں۔ وہ کلو کو برا بھلا کہنے لگیں اور ہاتھ اٹھا اٹھا کے بددعائیں دے رہی تھیں:

"ارے چورنی تجھے ذرا خوف نہ آیا' پیر سائیں کا! ارے ان کی قبر سے تو ہم ہمیشہ اپنی مرادیں پاتے اور معمولی نذریں پیش کرتے ہیں۔ تجھے موت کیوں نہ آگئی پیر سائیں کے سر سے چادر چھینتے ہوئے۔" ہر عورت اپنی اپنی بولیاں بول رہی تھی۔ شور بڑھتا گیا۔ کلو کے گھر میں ہنگامہ مچ گیا۔ لوگ اپنی چھتوں سے نظارا کرنے لگے۔ وہ ہائے ہائے کرتے ماتھا پیٹتے اس طوفان کا انتظار کر رہے تھے جو پیر کی بددعا سے گاؤں تباہ کرنے آرہا تھا۔

کلو حیران پریشان کھڑی اپنا بدن لال چادر میں چھپائے کھڑی تھی۔ وہ چاچی کلثوم سے کہنے لگی "میں نے چوری نہیں کی، رب کی قسم چوری نہیں کی! بس ابھی واپس کر آتی ہوں چادر۔"

"چل ہٹ نامراد" چاچی نے چیل کی طرح چادر جھپٹنے کے لیے کلو پر جھپٹا مارا۔ "تیری وجہ سے تباہی ہو گی۔ ہم سب تباہ ہوں گے چورنی کہیں کی!" "اری اتنا ہی شوق چڑھا تھا لال جوڑے کا' تو بھاگ جاتی کسی کے ساتھ! تیری تو کوئی عزت ہے ہی نہیں' مگر پیر سائیں کی تو سارے گاؤں کیا پوری دنیا میں عزت ہے۔" عورتیں کلو کو کوسنے دیتیں اسے پیٹنے لگیں۔ وہ کبھی اپنا سر بچاتی، کبھی جسم سے لپٹی چادر زور سے پکڑ لیتی۔ اس کے ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ آخر کلو میں اور مار کھانے کی سکت نہ رہی، وہ دھڑام سے صحن میں گر گئی۔ لیکن عورتوں کے کلیجے ٹھنڈے نہ ہوئے۔

اب وہ حسب توفیق اسے ٹھڈے مار رہی تھیں تاکہ پیر سائیں کو پتا چل جائے، ان سب کو اپنے پیر سے کتنا پیار ہے اور پھر وہ عذاب سے بچ جائیں جو کہ کلو کی چوری کی بدولت آنے والا تھا۔ کلو کے ماں باپ کو بھی کسی نے خبر دے دی۔ وہ دونوں گھر کی طرف دوڑے۔ بیٹی کی حالت دیکھ کے تڑپ کر رہ گئے۔

"بابا! میں نے چوری نہیں کی۔" کلو باپ کو دیکھ کے تڑپ اٹھی۔ "رب دی سوں، میں نے تو پیر سائیں سے ادھار مانگی تھی۔"

مراد بخش پگڑی کے پلو سے اس کے زخم صاف کرنے لگا۔ صحن میں کھڑے لوگ دونوں باپ بیٹی کو گھورتے' گالیاں دیتے انھیں آنے والے عذاب سے ڈرا رہے تھے۔

کلو حیران پریشان کھڑی اپنا بدن لال چادر میں چھپائے کھڑی تھی۔ اچانک کسی نے دروازے کو زوردار ٹانگ ماری۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

دروازہ کھلا اور صحن میں کھڑے لوگ دم بخود رہ گئے۔ پیر سائیں کے مزار کا مجاور صحن میں کھڑا تھا۔

''کیا معاملہ ہے؟ کیا تماشا ہو رہا ہے؟ تم لوگوں کے ہوتے پیر سائیں کے سر کی چادر اتار لی گئی اور تم چپ کھڑے ہو، ارے مار کیوں نہیں دیا اس چھوکری کو۔'' مجاور دہاڑا کر بولا اور پھر اپنی چندھی چندھی اور نشے میں لال آنکھوں سے کلو کو گھورنے لگا۔ پورے صحن پر سناٹا چھا گیا۔

مراد بخش' مجاور کے قدموں میں گر گیا۔ وہ روتے ہوئے بیٹی کے قصور کی معافی مانگ رہا تھا۔ اس نے ٹھوکر سے مراد بخش کو ایک طرف دھکا دیا اور خود کلو کی طرف بڑھا۔ اس کی لال لال نشے سے چور آنکھیں کلو کو گھور رہی تھی۔ لوگ مجاور کے فیصلے کے منتظر تھے۔

''حق ہو، حق ہو! چھوکری' تو نے کس غضب کو آواز دی ہے۔ ملیامیٹ ہو جائے گا یہ گاؤں' تباہ و برباد ہو جائے گی یہ آبادی! ظالم لڑکی! تو نے پیر سائیں کے سر کی چادر چھینی ہے۔ اب ایسا عذاب آئے گا کہ تو تو کیا تیری نسلیں بھی یاد کریں گی۔'' وہ اپنی آنکھیں کلو پر گاڑے کھڑا تھا۔

کلو نے سر پہ رکھی لال چادر کو زور سے پکڑ لیا۔ ہونٹوں سے خون رس رہا تھا، آنکھوں میں خوف کے سائے تھے۔ مجاور نے اچانک مجمع کی طرف رخ کیا اور بولا ''تمام لوگ کھڑے ہیں۔ تم بولو، اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اس نے کوئی چھوٹا گناہ نہیں کیا۔''

''سائیں جو تمہارا فیصلہ اور حکم وہی ہمارا فیصلہ ہے۔'' گاؤں کا دانا بزرگ کہنے لگا۔

''میں کیا بتاؤں تم سب کو! مجھے تو کئی دنوں سے چین نہ تھا۔ پیر سائیں میرے خوابوں میں آ رہے تھے۔ کہتے تھے، بچاؤ، مجھے بچاؤ۔ اور خواب میں اسی خبیث کو دیکھا، جھاڑو دے رہی تھی قبر والے احاطے میں! اگر تم سب چاہتے ہو کہ تم پر کوئی عذاب نہ آئے جو کہ اس چھوکری کی وجہ سے آنے والا ہے' تو اسے مزار کی ملنگنی بنا دو۔ غلام بنا دو پیر سائیں کی! جب تک زندہ رہے گی خدمت کرے گی۔ یوں ہم سب کے گناہ بھی دھل جائیں گے۔''

''نہیں'' مراد بخش تڑپ کے آگے بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس مجاور کی ہوس ناک آنکھیں کیا مانگ رہی ہیں۔ اس نے اپنے کانوں سے مجاور کی کوٹھڑی سے عورتوں کے چلانے کی آوازیں اور بڈھے کے مکروہ قہقہے سنے تھے۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔

> میں نے بچا لیا اس گاؤں کو آنے والے طوفان سے! بچالی سارے گاؤں کی عزت! بچالی میں نے عزت، بچالی، بچالی!''

اچانک مراد بخش مجاور کے قدموں میں جھک گیا اور بولا ''سائیں! میری دھی نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ یہ سب کی مجرم ہے۔ اس کا گناہ چھوٹا نہیں۔ میں خود پوچھتا ہوں اس سے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟''

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اچانک قریب پڑی اینٹ تھام کر پوری طاقت سے کلو کے سر پہ دے ماری۔ لڑکی کا دماغ پھٹ گیا اور وہ آخری سانسیں لیتی زمین پہ ڈھیر ہو گئی۔

اس کا بابا روتے اور سب کو دیکھتے ہوئے چلانے لگا ''مار دیا میں نے سرکار اس کو جس نے پیر سائیں کے سر سے چادر اتاری تھی، جس نے ظلم کیا تھا قبر کے ساتھ، میں نے بچا لیا اس گاؤں کو آنے والے طوفان سے! بچا لی سارے گاؤں کی عزت! بچالی میں نے عزت، بچالی، بچالی!!!''

وہ روتا ہوا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk

کھیل کھلاڑی

جو آؤ دیکھے نہ تاؤ

دے گھما کے

بالروں کی دھنا دھن پٹائی کرنے والے ہر فن مولا

جنوبی افریقن بلے باز کا اچھوتا سفرِ زیست

متین کمال

۱۸ر جنوری ۲۰۱۵ء کو جوہانس برگ کے نیو وینڈررز کرکٹ اسٹیڈیم میں جنوبی افریقن اور ویسٹ انڈین ٹیمیں ایک روزہ بین الاقوامی میچ کھیلنے میدان میں اتریں۔ تب کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ آج دنیائے کرکٹ کا ایک اہم ریکارڈ بننے والا ہے۔

ٹاس ویسٹ انڈیز نے جیتا اور معاصرین کو پہلے کھیلنے کی دعوت دی۔ یہ فیصلہ انڈیز کو مہنگا پڑا کیونکہ جنوبی افریقن اوپنروں، ہاشم آملہ اور ریلی روسو نے شائقین کو مار مار کر ویسٹ انڈین بالروں کا بھرکس نکال دیا۔ وہ ۳۸ اوورز تک کھیلتے چلے گئے۔ آخر ۳۴۷ رنز پر ریلی روسو آؤٹ ہو گیا۔

اب وکٹ کیپر بلے باز، اے بی ڈی ویلیرز کھیلنے آیا۔ اس نے پہلی گیند پر چوکا مار کر سبھی کو بتا دیا کہ وہ دھواں دار بے بازی کرنے آیا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ وہ ہر دوسری گیند باؤنڈری لائن پار پہنچانے لگا اور چوکوں چھکوں کی برسات شروع کر دی۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyright material

یوں صرف ۱۶ گیندوں پر ڈی ویلیرز نے اپنی نصف سنچری مکمل کر لی۔ اس نے عالمی ایک روزہ کرکٹ میں تیز ترین نصف سنچری بنا ڈالی۔ اس دوران ویلیرز نے ۵ چھکے اور ۳ چوکے مارے۔ اس سے قبل یہ ریکارڈ سری لنکن بلے باز، جے سوریا کے پاس تھا۔ اس نے ۷/اپریل ۱۹۹۴ء کو سنگاپور میں پاکستان کے خلاف ۱۷ گیندوں پر ففٹی ماری تھی۔

لیکن کھیل ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ ڈی ویلیرز کا بلا مسلسل رنز اگلتا رہا۔ چوکے چھکے لگتے اور تماشائی محظوظ ہوتے رہے۔ اس دن زبردست قسم کی بے بازی دیکھ کر ان کا ٹکٹ پر خرچ پورا ہو گیا۔ ویلیرز کی دھانسو بے بازی رنگ لائی اور اس نے ایک روزہ بین الاقوامی میچ میں تیز ترین سنچری بنا ڈالی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یکم جنوری ۲۰۱۴ء کو ایک کیوی بے باز، کورے اینڈرسن نے ویسٹ انڈیز کے خلاف ہی تیز ترین سنچری کا ریکارڈ بنایا تھا۔ اس سے قبل یہ ریکارڈ پاکستانی بے باز شاہد آفریدی کے پاس تھا۔ اینڈرسن نے ۳۶ گیندوں پر سنچری بنائی تھی۔ مگر اب ڈی ویلیرز نے صرف ۳۱ گیندوں پر سنچری داغ دی۔ اس نے ۱۰ چھکے اور ۸ چوکے مارے۔

میچ میں باکمال بے بازی کر کے ڈی ویلیرز نے ثابت کر دیا کہ آج وہ دنیائے کرکٹ کا بہترین بلے باز ہے۔ آئی سی سی کی درجہ بندی کے مطابق وہ ٹیسٹ کرکٹ میں دوسرا جبکہ ایک روزہ کرکٹ میں پہلا بہترین بے باز ہے۔ ویلیرز کی داستان حیات اجاگر کرتی ہے کہ وہ اس مقام بلند تک کس طرح پہنچا۔

ابراہام بنجمن ڈی ویلیرز ۱۷/فروری ۱۹۸۴ء کو جنوبی افریقن شہر، پری ٹسوریا میں پیدا ہوئے۔ اس کے والد مشہور ڈاکٹر تھے۔ اچھی آمدن کے باعث کھاتا پیتا گھرانا تھا۔ گھر کے اردگرد وسیع میدان تھا جہاں بچے مختلف کھیلوں سے دل بہلاتے۔ یہی وہ میدان ہے جہاں بہ حیثیت کھلاڑی ویلیرز کی صلاحیتیں عیاں ہوئیں۔

جان اور ویسیلز اس کے بڑے بھائی تھے اور آٹھ نو سال بڑے! اردگرد سے ان کے دوست بھی آ جاتے۔ یہ سبھی بڑے لڑکے میدان میں مختلف کھیل مثلاً فٹ بال، ہاکی، کرکٹ، رگبی، بیڈمنٹن وغیرہ کھیلتے۔ دوران کھیل قدرتاً ہر لڑکے کی خواہش ہوتی کہ وہ معاصرین کو شکست دے ڈالے۔ چناں چہ لڑکوں کے مابین بڑا کانٹے دار مقابلہ ہوتا۔

ڈی ویلیرز ان لڑکوں میں سب سے چھوٹا تھا، اسی لیے دوران کھیل وہی تختہ مشق بنتا۔ وہ جیت کی خاطر جان لڑا دیتا، مگر ہار ہی اس کا مقدر بنتی۔ مگر اسے علم نہ تھا کہ جیت کے لیے زبردست محنت و جدوجہد ہی اس کی صلاحیتیں نکھار رہی ہے۔ تاہم تب ڈی ویلیرز میدان میں کڑے امتحانات سے گزرتا۔ ہار کی تلخی اکثر اس کی آنکھوں میں آنسو لے آتی۔

لیکن غیر معمولی مسابقت کے ماحول میں پلنے بڑھنے نے ڈی ویلیرز کو سخت جان بنا دیا۔ وہ جسمانی و نفسیاتی طور پر اس قابل ہو گیا کہ ہر قسم کے دباؤ کا بخوبی مقابلہ کر سکے۔ مزید برآں مختلف کھیل کھیلنے سے اسے یہ فائدہ پہنچا کہ اس میں بڑی چستی و پھرتی آ گئی۔ تمام جسمانی اعضا دماغ کے ساتھ تال میل رکھنے لگے۔

دلچسپ بات یہ کہ ڈی ویلیرز کو سب سے پہلے ٹینس کا کھیل بھایا۔ تب وہ سات برس کا تھا۔ چناں چہ وہ ٹینس کے مختلف مقابلوں میں حصہ لینے لگا۔ ایک بار

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اس نے طویل قامت لڑکے، آنزک وان کو ہرایا جو بعدازاں عالمی ٹینس میں مشہور کھلاڑی کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔

ڈی ویلیرز نو سال کا تھا جب ۱۹۹۲ء میں آسٹریلیا میں کرکٹ عالمی کپ منعقد ہوا۔ اس میں جنوبی افریقن ٹیم سیکڑوں سال عالمی کرکٹ سے دور رہنے کے بعد پہلی بار شریک ہوئی۔ ویلیرز نے اپنی ٹیم کے سبھی میچ شوق سے دیکھے۔

تاریخ کرکٹ میں پہلی بار ۸ر مارچ ۱۹۹۲ء کو پاکستان اور جنوبی افریقا کی ٹیمیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ ڈی ویلیرز نے یہ سنسنی خیز میچ بھی شوق سے دیکھا۔ جنوبی افریقا نے پہلے کھیلتے ہوئے ۲۱۱ رن بنائے۔ پاکستانیوں نے اچھا جواب دیا اور صرف تین وکٹ کے نقصان پر ۱۳۵ رن بنا لیے۔

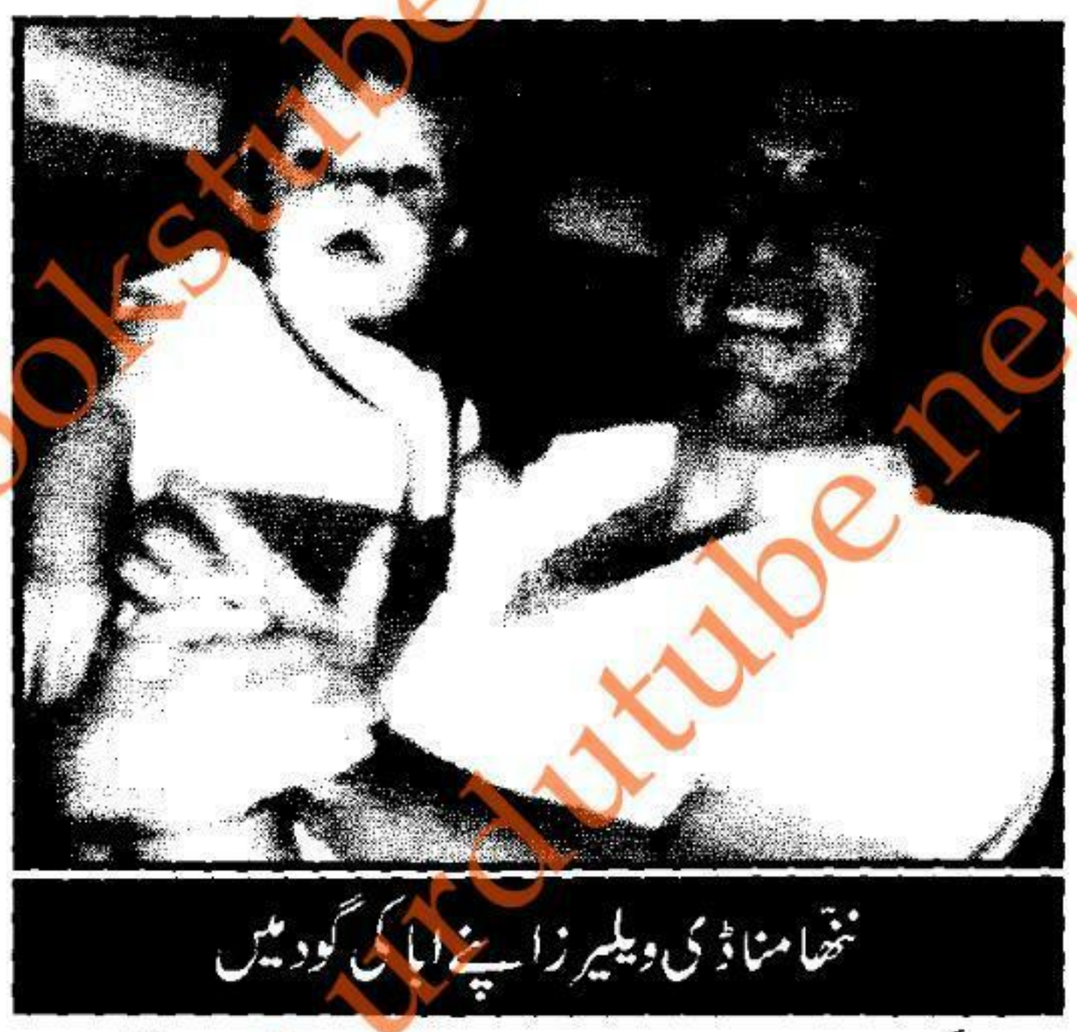

ننھا منا ڈی ویلیرز اپنے ابا کی گود میں

اس وقت عمران خان ۳۴ جبکہ انضمام الحق ۴۸ رن پر کھیل رہے تھے۔ یہی لگتا تھا کہ دونوں پاکستانی ٹیم کو فتح سے ہمکنار کر دیں گے۔ لیکن اسی موقع پر مایہ ناز فیلڈر، جونٹی روڈس نے حیران کن فیلڈنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے انضمام الحق کو آؤٹ کر دیا۔ ان کا آؤٹ ہونا تھا کہ پاکستانی بلے بازوں کی ''لائن'' لگ گئی۔ پھر کوئی بلے باز کریز پر جم نہ سکا۔ چناں چہ پاکستان میچ ہار گیا۔

جونٹی روڈس کی حیرت انگیز فیلڈنگ دیکھ کر ہی

نشوونما پاتا ڈی ویلیرز کرکٹ میں بھی دلچسپی لینے لگا۔ اسے یہ برق رفتار کھیل بہت بھایا۔ یہ یاد رہے کہ اس کا پورا گھرانا، ماں باپ سے لے کر بہن بھائیوں تک سبھی کھیلوں کے شوقین تھے۔ اسی لیے کھلونے، ٹی وی پروگرام یا کمپیوٹر نہیں بلکہ کھیل ان کی توجہ کا مرکز ہوتے۔ اسی زبردست دلچسپی نے بھی ڈی ویلیرز کو ایک عمدہ کھلاڑی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ہر قیمت پر جیت..... اس سوچ نے بھی ویلیرز کو ایک باصلاحیت اور مضبوط کھلاڑی بنا دیا۔ وہ جو بھی کھیل کھیلتا، پوری توانائی اور انہماک مقابلے میں لگا دیتا۔ اس پر یہی دھن سوار ہوتی کہ فتح اسی کو ملنی چاہیے۔ یوں مقصد سے لگن نے اسے ذہنی و جسمانی طور پر طاقتور بنا دیا۔

ڈی ویلیرز ۱۳ سال کا تھا، تو اسے جنوبی افریقا میں کھیلوں کے بہترین تعلیمی ادارے، افریقا نسی ہوئیر سیونسکول میں داخلہ مل گیا۔ وہاں تجربے کار اساتذہ کی راہنمائی پا کر ابھرتے کھلاڑی کی صلاحیتیں مزید چمکیں اور وہ نوجوان کھلاڑیوں میں نمایاں ہونے لگا۔

حیرت انگیز بات یہ کہ ڈی ویلیرز بیک وقت کئی کھیلوں میں بہترین کھلاڑی بن کر ابھرا۔ دنیائے کرکٹ کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اس کی طرف آنکلا۔ ہوا یہ کہ جب وہ سولہ سال کا تھا، تو اسے جنوبی افریقن انڈر ۱۹ ٹیم میں منتخب کر لیا گیا۔ یوں کرکٹ میں اس کی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

عملی زندگی کا آغاز ہوا۔

جب ڈی ویلیرز نے عمدہ کارکردگی دکھائی، تو ۲۰۰۳ء میں فرسٹ کلاس کرکٹ کی مشہور جنوبی افریقن ٹیم، ٹائٹنز نے پُرکشش مشاہرے پر اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ دلچسپ بات یہ کہ اس دوران ویلیرز دیگر کھیلوں میں بھی شاندار کارکردگی دکھاتا رہا۔ یہ امر درج ذیل حقائق سے عیاں ہے:

☆ اسکول کی سطح پر پیراکی کے چھے ریکارڈ قائم کیے۔
☆ جونیئر اتھلیٹس کی سطح پہ ۱۰۰ میٹر کی دوڑ میں نیا ریکارڈ قائم کیا۔
☆ قومی جونیئر ڈیوس کپ ٹینس ٹیم کا رکن منتخب ہوا۔
☆ جنوبی افریقا میں بیڈمنٹن کا انڈر۔۱۹ چمپئن رہا۔
☆ ریاستی گاف ٹیم کا رکن رہا۔
☆ جونیئر قومی ہاکی ٹیم کا رکن منتخب ہوا۔
☆ جونیئر قومی رگبی ٹیم کا کپتان رہا۔
☆ جونیئر قومی فٹ بال ٹیم کا رکن منتخب ہوا۔

درج بالا حقائق سے عیاں ہے کہ ڈی ویلیرز کم از کم آٹھ کھیلوں میں بڑی مہارت رکھتا ہے، لیکن اس نے کرکٹ میں کیریئر بنانے کو ترجیح دی۔ یہی نہیں، وہ تعلیمی میدان میں بھی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ چکا۔ اس نے ایک سائنس پروجیکٹ بنا کر قومی تمغا جیتا جو اسے آنجہانی نیلسن منڈیلا نے دیا تھا۔

ٹائٹنز میں حسب توقع ویلیرز نے کئی عمدہ اننگیں کھیلیں۔ وہ تیز کھیلنے کا شائق ہے، لہٰذا چوکے چھکے مار کر شائقین کو خوب محظوظ کرتا۔ اس کے شاندار کھیل نے قدرتاً قومی ٹیم کے سلیکٹروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

۲۰۰۴ء کے اواخر میں جنوبی افریقن قومی ٹیم بحران سے گزر رہی تھی۔ اس میں اچھے کھلاڑیوں کی کمی تھی۔ لہٰذا سلیکٹر چاہتے تھے کہ ٹیم میں نیا خون لایا جائے۔ اسی باعث انھوں نے ڈی ویلیرز کو کھیلنے کا موقع دے دیا جب اس کی عمر بیس سال تھی۔

۱۷ر دسمبر ۲۰۰۴ء کو اس نے اپنا پہلا ٹیسٹ کھیلا۔ گو وہ میچ میں کم اسکور بنا پایا، مگر اس نے پانچویں ٹیسٹ میں برطانیہ جیسی نامور ٹیم کے خلاف پہلی اننگ میں ۹۲ اور دوسری میں ۱۰۹ رنز بنائے۔ یوں وہ عالمی کرکٹ میں روشن ستارے کی صورت نمایاں ہوا۔

ڈی ویلیرز نے پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور دسمبر ۲۰۰۶ء تک برطانیہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور بھارت جیسی عمدہ ٹیموں کے خلاف بہترین بلے بازی دکھائی۔ وہ جنوبی افریقا میں گراہم پولاک کے بعد تیز ترین ایک ہزار رن بنانے والے بلے باز کا اعزاز رکھتا ہے۔

جنوری ۲۰۰۷ء میں پاکستانی کرکٹ ٹیم نے جنوبی افریقا کا دورہ کیا۔ اب ڈی ویلیرز کا پاکستانی بالروں..... شعیب اختر اور محمد آصف سے پالا پڑا۔ خدا کی قدرت کہ ویلیرز کی ساری کرشماتی بلے بازی خصوصاً محمد آصف کی سوئنگ بالنگ کے سامنے ہوا ہو گئی۔ آصف نے اسے تین بار آؤٹ کیا۔ ڈی ویلیرز کے لیے پاکستانیوں سے تین ٹیسٹوں کی سیریز ڈراؤنا خواب ثابت ہوئی۔ وہ چھے اننگوں میں صرف ''۳۸'' رنز بنا پایا۔

اس زمانے کی یادیں تازہ کرتے ہوئے وہ بتاتا ہے: ''محمد آصف نے میری کمزوریاں جان لیں، اسی لیے وہ مجھے پے در پے آؤٹ کرنے میں کامیاب رہا۔ تب میں اس کشمکش کا شکار رہتا تھا کہ جارحانہ کھیل دکھاؤں یا دفاعی! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ خراب کارکردگی دکھانے کے باوجود مجھے ٹیسٹ ٹیم میں رکھا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

گیا۔ یوں مجھے تجربہ حاصل ہوا اور میں نے اپنی غلطیوں سے پیچھا چھڑا لیا۔''

دراصل ڈی ویلیرز قدرتی طور پر جارحانہ کھیلتا ہے۔ لیکن اسے احساس ہوا کہ ایسا کھیل دکھانے پر اس کی توانائی جلد خرچ ہو جائے گی۔ چناں چہ وہ دفاعی تکنیکیں بھی اپنانے لگا تاکہ طویل عرصہ کرکٹ کھیل سکے۔ کہتا ہے: ''کرکٹر اور انسان اپنی بقا کی خاطر ہر ممکن قدم اٹھاتے ہیں۔ چناں چہ میں نے بھی حالات سے مطابقت کر لی۔''

ڈی ویلیرز اب تک ۹۸ ٹیسٹ کھیل کر ۶۰۷۶ رنز بنا چکا۔ جبکہ ۱۷۹ ایک روزہ عالمی مقابلے کھیل کر ۷۴۵۹ رنز بنائے ہیں۔ فی الوقت اس کی عمر ۳۱ سال ہے۔ گویا وہ مزید پانچ چھے سال کھیل کر ٹیسٹ کرکٹ میں دس ہزار سے زائد رنز بنا سکتا ہے۔

۲۰۰۶ء میں ڈی ویلیرز کی پیشہ ورانہ زندگی کا سب سے افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ماہ مارچ میں جوہانس برگ میں جنوبی افریقا اور آسٹریلوی ٹیم کا ایک روزہ میچ ہوا۔ اس میں آسٹریلیا نے پہلے کھیلتے ہوئے ۴۳۴ رنز بنائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ایک روزہ عالمی مقابلے میں ۴۰۰ سے زائد رنز بنے۔ اس میں آسٹریلوی کپتان، رکی پونٹنگ نے شاندار بلے بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۶۴ رنز بنائے۔

جب آسٹریلوی کھیل چکے، تو کھانے کا وقفہ ہو گیا۔ اس دوران ڈی ویلیرز عمدہ کھیل دکھانے پر آسٹریلوی کپتان کو مبارک باد دینے گیا۔ رکی پونٹنگ نے اسے دیکھا، شانے اچکائے اور منہ دوسری طرف کر لیا۔ یہ بے اعتنائی دیکھ کر ویلیرز کو بہت افسوس ہوا۔ تب سے وہ رکی پونٹنگ کو متکبر اور گھمنڈی انسان سمجھتا ہے۔

مارچ ۲۰۱۳ء میں ڈی ویلیرز نے ایک خوبرو دوشیزہ ڈینیل سوارٹ سے شادی کر لی۔ ابھی ان کے ہاں کوئی بچہ تولد نہیں ہوا۔ ویلیرز شاعر اور گلوکار بھی ہے، وہ گیت لکھ کر انھیں گاتا ہے۔ اس نے نیلسن منڈیلا کی شان میں ایک گیت گایا جو خاصا مقبول ہوا۔ آج بھی ہر دورے کے موقع پر گٹار اس کے ساتھ ضرور ہوتی ہے۔

ڈی ویلیرز بیگم کے ہمراہ تاج محل کی سیر کرتے ہوئے

مزید برآں وہ سماجی کاموں میں بھی حصہ لیتا ہے۔ وہ ایک سماجی تنظیم، ''میک اے وش فاؤنڈیشن'' کا پرجوش رکن ہے جو غریب و مصیبت زدہ بچوں کی خواہشیں پوری کرتی ہے۔ نیز ڈی ویلیرز اپنے بھائی کے فاسٹ فوڈ والے کاروبار میں شراکت دار بھی ہے۔

غرض ڈی ویلیرز ایک ہمہ جہت اور غیر معمولی انسان ہے۔ اسے بجا طور پر ''ہرفن مولا'' کہا جا سکتا ہے۔ ابھرتے نوجوان کھلاڑیوں کے لیے اس کا مشورہ ہے: ''خوب محنت کریں، مایوس نہ ہوں اور یہ ایمان رکھیے کہ مستقل مزاجی اور لگن سے آپ کامیابیاں پا سکتے ہیں۔''

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سرما کی شام تھی۔ بندرگاہ پہلوی کے کہر آلود اور اُداس ساحل پر میں اور محمود چہل قدمی کر رہے تھے۔ موجوں کا شور اور پرندوں کی آوازیں

یادیں تڑپا دیں تب بھی بوڑھے آنسو نہیں بہاتے

پالتو جانوروں سے حد درجہ الفت رکھنے والے دو انسانوں کا دل مسوس کر دینے والا قصہِ عجب

بابا مقدم رنیر مسعود

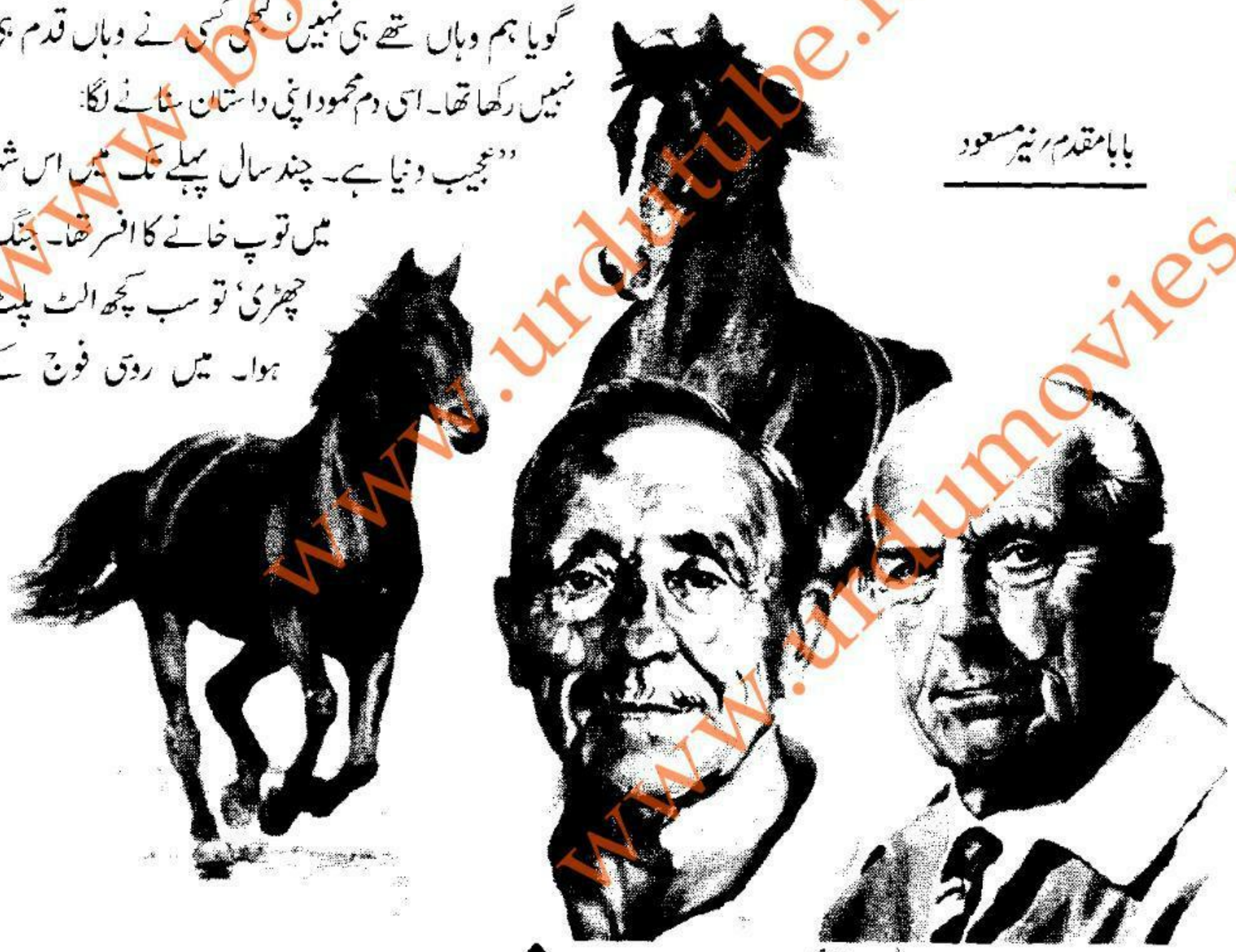

غیر ملکی ادب

چاروں طرف گونج رہی تھیں۔ وہ دور سمندر کی سطح سے ملے پر مارتے چلے جاتے تھے۔ مزید آگے بڑھے' تو سمندر تاریک ہو گیا۔ کالے بادل اس پر یوں جھک آئے کہ خیال ہوتا وہاں آسمان اور سمندر مل کر ایک ہو گئے ہیں۔

ایک بہت بڑی موج سفید چادر کے مانند ہمارے پیروں کے آگے بچھ گئی۔ کچھ دیر زمین پر سفید سفید جھاگ ٹکا رہا' پھر وہیں جذب ہو گیا۔ ہمارے پیروں تلے ریت دب کر سخت ہو گئی اور اس میں سمندر کا پانی اکٹھا ہونے لگا۔ ہمارے پیر ریت میں دھنسا کر اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی کھینچ لیتے۔ ہم پلٹے' مڑ کر دیکھا' تو موجوں نے ہمارے قدموں سے پڑنے والے نشانوں کو بھر دیا تھا۔ گویا ہم وہاں تھے ہی نہیں' کبھی کسی نے وہاں قدم ہی نہیں رکھا تھا۔ اسی دم محمود اپنی داستان سنانے لگا:

"عجیب دنیا ہے۔ چند سال پہلے تک میں اس شہر میں توپ خانے کا افسر تھا۔ جنگ چھڑی' تو سب کچھ الٹ پلٹ ہوا۔ میں روسی فوج کے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہاتھوں گرفتار ہو کر اسی شہر میں سلاخوں کے پیچھے پہنچ گیا۔ روسیوں نے توپوں پر قبضہ کیا اور افسروں کو جیل میں ڈال دیا۔ سپاہی بھی اِدھر اُدھر ہوئے، بس گھوڑے باقی رہ گئے۔ میرا گھوڑا ابلق (سیاہ و سفید) تھا' بڑا خوش رنگ' جوان اور چلبلا' خوب گردن اکڑا کر چلتا۔ اس کی آنکھوں کی رنگت بھی انوکھی تھی' نیلی نیلی سی معلوم ہوتی۔ فوجی بیرکوں میں اس کا نام ''کاسی'' پڑ گیا تھا۔

''کاسی میری سواری کا گھوڑا تھا۔ جوانی کے دن تھے۔ اس پر سوار ہوتا تو مزہ آ جاتا۔ افسر کا گھوڑا تھا' اسی لیے اس کی خیال داری بھی دوسرے گھوڑوں سے زیادہ ہوتی اور وہ ہمیشہ چاق چوبند رہتا۔ میں جیسے ہی اس پر سوار ہوتا' وہ گردن اکڑا کر اگلی ٹاپوں پر دُلکی چلنے لگتا۔ راستے کی پتھریلی زمین پر اس کے نعل پڑنے کی آواز سے فضا گونجنے لگتی۔ لوگ کاسی کی مستانہ چال دیکھنے چلتے چلتے رک جاتے۔ میں اس پر سینہ تانے بیٹھا گردن بھی اکڑا لیتا اور ترنگ میں آ کر جھومنے لگتا۔

''میں اور کاسی شہر بھر میں مشہور تھے۔ کاسی مجھ سے اتنا مانوس تھا کہ اگر میں دور سے اُسے پکارتا' تو وہ فوراً گردن گھماتا اور جواب میں ہنہنا کر مجھے دیکھنے لگتا۔ جب میں جیل میں قید ہوا' تو سب سے زیادہ فکر مجھے کاسی ہی کی تھی کہ معلوم نہیں اس کے دانے پانی اور گھاس کی خبر گیری ہو رہی ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اس کا کیا حشر ہوگا۔

''اور بھی ہزاروں فکریں تھیں۔ مثلاً یہ کہ خود میرا کیا بنے گا؟ ہمیں یہیں قید رکھا جائے گا یا سائبیریا یا کسی اور علاقے میں بھجوانا ہے؟ جنگی قیدیوں کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں سننے میں آ رہی تھیں' مختصر یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ مجھے کہا گیا' میں نے تو لڑائی میں توپیں استعمال کی تھیں اور اپنا سارا گولا بارود دشمنوں پر جھونک دیا' اس لیے میرا انجام بہت برا ہونا ہے۔ لیکن کسی کو ٹھیک ٹھیک کچھ نہیں پتا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہمارا معاملہ کس کروٹ بیٹھے گا۔ جیل میں ہمارے پاس کرنے کو کچھ نہ تھا۔ میں ایک کونے میں جا بیٹھتا اور سوچتا رہتا۔ دل چاہتا تھا آزاد ہو جاؤں اور جا کر کاسی کو دیکھوں' اس کی گردن تھپتھپاؤں' اس کی تھوتھنی پر ہتھیلی رکھ کر سانس کی گرمی محسوس کروں۔ یہ سارے خیالات دن ہی دن میں رہتے' مگر راتیں!

دل چاہتا تھا آزاد ہو جاؤں اور جا کر کاسی کو دیکھوں' اس کی گردن تھپتھپاؤں' اس کی تھوتھنی پر ہتھیلی رکھ کر سانس کی گرمی محسوس کروں۔

''راتیں وحشت ناک ہوتیں۔ قیدیوں کے سونے کی اپنی ادائیں تھیں۔ کچھ زور زور سے خراٹے لیتے۔ بعض پوری آواز سے بولے جاتے' حکم دیتے اور کبھی رونا شروع کر دیتے۔ ان کی فریادیں اور بولیاں سن کر طبیعت میں عجیب مایوسی اور افسردگی پیدا ہو جاتی۔ وہاں قیدی کیا کیا ارمان لے کر سوتے لیتے اور خوابوں کی دنیا میں پہنچ کر کابوسوں سے دوچار ہو جاتے۔ چلاتے' گالیاں بکتے اور گھگیاتے۔ کبھی کسی بات کا اعتراف کرتے' کبھی کسی تمنا کا اظہار اور کبھی بہکنے لگتے۔ میرے خوابوں کی دنیا کے زیادہ حصے پر کاسی کا عمل تھا۔ مجھے اس کی نیلگوں آنکھیں نظر آتیں کہ اندھیرے میں چمکتی ہوئی میری طرف ٹکٹکی باندھے ہیں۔ ان نگاہوں میں التجا ہوتی اور ملامت بھی۔

''ایک دن جیل میں خبر پھیل گئی کہ کل روسی توپیں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اور گھوڑے جہازوں میں لے جا رہے ہیں۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ کاسی کا کیا ہوا؟ اسے بھی لیے جا رہے ہیں؟ اگر یہی ہوا' تو میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ یہ آس بھی ٹوٹ جائے گی۔ کاسی کو پھر دیکھ سکوں گا۔ وہ میرا دوست تھا۔ ہم دونوں ہی جنگ کی لپیٹ میں آئے تھے۔ اب وہ اسے لیے جا رہے تھے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو کاش میں بھی اس کے ساتھ چلا جاتا۔ میں نے ساتھی قیدیوں کے سامنے توپوں اور گھوڑوں کا ذکر چھیڑا اور کاسی کے بارے میں ان کا خیال دریافت کیا۔ سب قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ آخر ایک قیدی نے کہا کہ کاسی سواری کا گھوڑا ہے توپ گاڑی کھینچنے کے کام کا نہیں۔ پچھلی لڑائی کا زمانہ ہے رسد بھی یوں بھیجی گئی ہے۔ اس لیے یقینی ہے کہ کاسی واپس بھیج دیا جائے گا۔

"دیکھا کاسی وزنی سامان کا گوشت فوجیوں کو کھلا دیا جائے گا..... پھر وہ فوجی بھی محاذوں پر مارے جائیں گے بے چارے!

"اسیر ہونا اور جیل میں پڑنا بری چیز ہے۔ قید میں آدمی کا مزاج عجیب سا ہو جاتا ہے۔ خود پر اس کا بس نہیں ہوتا اور وہ فاضل شے بن کر رہ جاتا ہے۔ ہر ساعت اس کے دماغ میں ہزارہا خیالوں کے بلبلے ابھرتے اور ایک ایک کر کے پھوٹ جاتے ہیں۔ رات آئے تو خوابوں کی کہریلی دنیا کے آسیب اس پر یلغار کرتے ہیں۔ دوسرے دن پھر وہی فکریں' خیال' ہراس' ناامیدی اور وہی جیل کے بدذائقہ پتلے شوربے کے ساتھ سخت روٹیاں نگلنا اور سوچتے رہنا۔

"جب یہ خبر اڑی کہ کل گھوڑوں کو لے جائیں گے مجھے سارا دن کاسی ہی کا خیال آتا رہا۔ رات کو بھی بڑی بے چین نیند سویا۔ دوسری صبح ہم سب قیدی وقت سے پہلے جاگ اٹھے تاکہ جیل کی کھڑکیوں سے توپیں اور گھوڑے جانے کا منظر دیکھیں۔ یہ دیکھنا بھی تماشا ہی تھا۔ آدمی سلاخوں کے پیچھے کھڑا ہے اور دیکھتا ہے کہ لوگ اس کا مال لوٹے لیے جا رہے ہیں' مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

"ہم کھڑکیوں کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ وہاں سے بارکوں کا احاطہ اور آمد و رفت دکھائی دیتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بارکوں کی طرف دھند میں دور سے گھوڑوں کے سر نظر آئے۔ ایک ایک روسی سپاہی دو گھوڑوں کو دہانوں سے پکڑے کھینچتا لا رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر مجھ پر عجیب ناامیدی سی چھا گئی۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا' ٹانگوں میں دم نہ رہا اور منہ خشک ہو گیا۔ پھر بھی میں نے گردن آگے بڑھائی کہ ان میں کاسی کو تلاش کروں۔ ہماری فوج کے سب گھوڑے گہرے رنگ کے سرنگ اور کمیت تھے۔ صرف کاسی کے رنگ میں سفیدی اور اجلا پن تھا۔ اس کے بدن پر چھوٹی چھوٹی بھوری اور کتھئی چتیاں تھیں' ایسے معلوم ہوتا

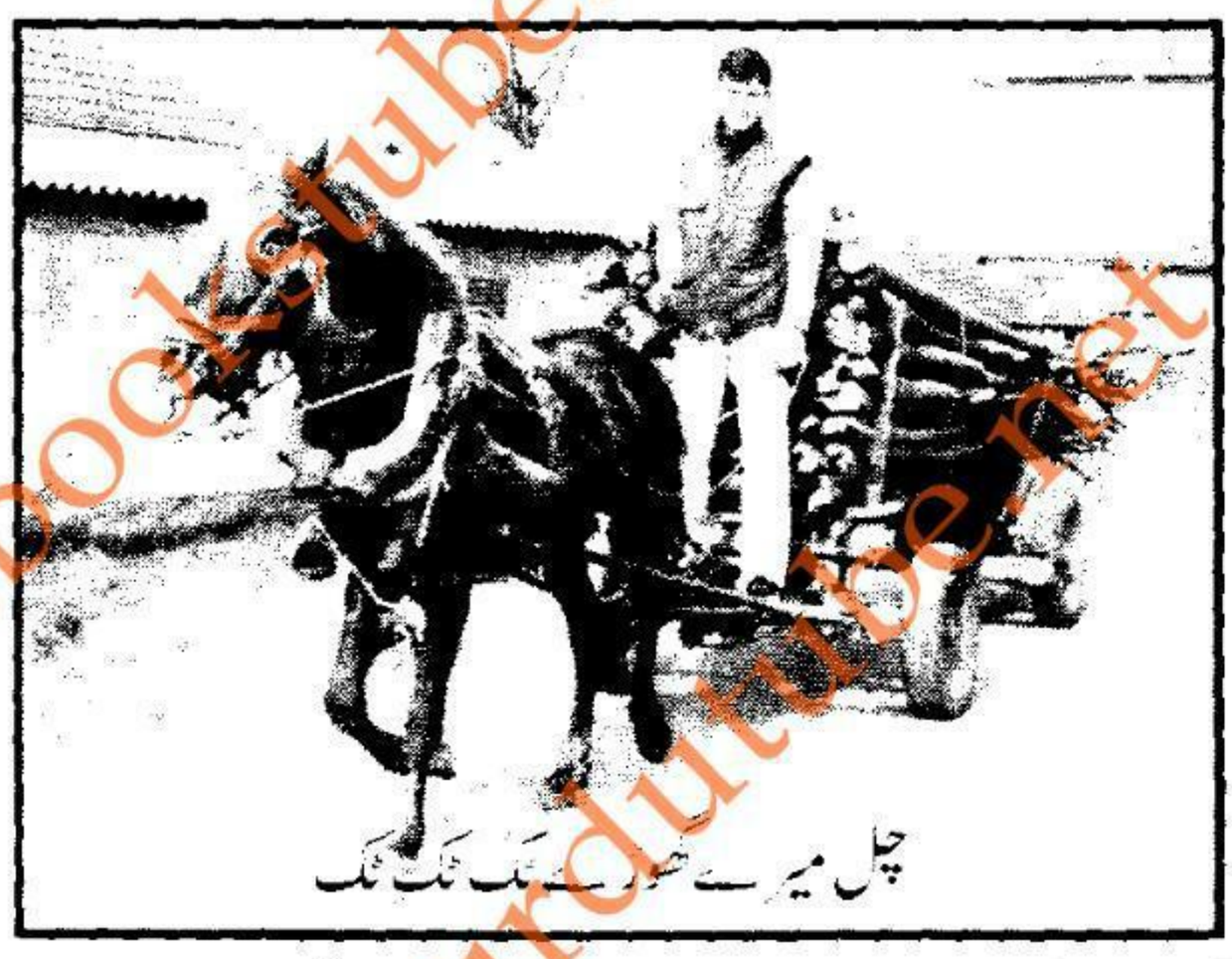
چل میرے گھوڑے ٹک ٹک ٹک

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

تھا کہ سفید رنگ پر ان دو رنگوں کا چھینٹا دیا گیا ہو۔

''آخر میں نے اس کا چتکبرا رنگ دیکھا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ یہ وہی تھا۔ اس کے تیوروں کا تیکھا پن اور گردن کا کھنچاؤ رخصت ہو چکا تھا۔ سر ڈھکا اور کنوتیاں گری ہوئی تھیں۔ چھل بل اور طراروں کا کہیں نشان نہ تھا۔ میلا چکٹ ہو رہا تھا۔ ٹانگوں پر کیچڑ اور لید کے تھکے جم گئے تھے۔ ہفتوں سے ملائی دلائی ہوئی تھی نہ کھریرا پھیرا گیا تھا۔

''وہ جیل کے سامنے پہنچا تو میری زبان کو قفل لگ گیا۔ چاہتا تھا پکاروں' اسے بلاؤں' چوکیداروں سے کہوں کہ اسے ذرا میری طرف گھما دیں۔ میں نے کسی طرح خود کو سنبھالا اور سوکھے گلے سے دو تین بار صرف ایک لفظ نکال پایا:

''کاسی! کاسی! کاسی!''

''یہ آواز سن کر ابلق گھوڑے میں جان سی پڑ گئی۔ یقین کرو اس نے گردن تان لی۔ پھر ہم گھمایا اور جہاں سے میں نے اسے پکارا تھا' اس طرف دیکھنے لگا اور زور سے ہنہنایا۔ نہیں معلوم قیدیوں کے جھرمٹ میں کھڑکی کے پیچھے میں اسے دکھائی دیا کہ نہیں' مگر چند لمحوں کے لیے اس کے پیروں میں وہی رقص کی سی چلت پھر آ گئی۔ پھر سپاہی نے اس کے دہانے کی آہنی زنجیر کو منہ کے اندر زور سے کھینچا۔ تکلیف کی شدت سے اس کی حالت پھر اسی طرح روئی ہوئی۔

وہ کاسی کو لے گئے۔ دو سے گھوڑوں کے ساتھ اسے بھی جہاز پر چڑھا دیا گیا۔ ہم دیکھتے رہے کہ وہ دور ہوتے جا رہے ہیں۔''

☆☆☆

ہم دونوں سنسان پشتے پر چل رہے تھے۔ سمندر کی جانب سے تیز ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ موجیں پشتے سے ٹکرا ٹکرا کر پانی اڑا رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑ رہی تھی۔ میں نے محمود کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں کے نیچے اور رخساروں پہ نمی تھی۔ میں نے پوچھا ''کیا روئے ہو؟''

وہ بولا: ''نہیں ہماری عمر کے آدمی روتے نہیں' آنسو ہی نہیں نکلتے۔ بارش ہوئی ہے۔''

اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سمندر سیاہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہم واپس آنے لگے۔ راستے میں محمود کو میں نے یہ قصہ سنایا:

''میں فوج میں نیا نیا افسر ہوا تھا۔ روزانہ صبح اپنے گھر کی گلی کے آگے سڑک پر جا کھڑا ہوتا۔ میری رجمنٹ کی بس آتی اور میں اس پر کیمپ چلا جاتا۔ ایک دن میں ذرا جلد سڑک پر آ گیا۔ کچھ بس نے بھی دیر لگائی۔ میرا ایک دوست ادھر آ نکلا اور ہم وہیں کھڑے باتیں کرنے لگے۔ وہ بھی فوج میں افسر تھا۔

''باتوں باتوں میں اس نے بتایا' میرے پاس ایک خوبصورت سمند (بادامی) گھوڑا ہے۔ وہ اسے بیچنا چاہتا تھا۔ میں اس دوست سے بخوبی واقف تھا۔ وہ معاملت کا کھرا ہے اور سمند گھوڑے مجھے پسند بھی تھے۔ لہٰذا میں نے دیکھے بغیر خرید لیا اور سودا وہیں کا وہیں پکا ہو گیا۔ دوست یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ اسی دن گھوڑے کو میری رجمنٹ میں بھجوا دے گا۔

''ہماری رجمنٹ کا پڑاؤ شہر سے فاصلے پر تھا اور دوپہر کو ہم وہیں رہ جاتے۔ اس دن میں کھانا کھا کر اٹھا ہی تھا

> **قید میں آدمی کا مزاج عجیب سا ہو جاتا ہے۔ خود پر اس کا بس نہیں ہوتا اور وہ فاضل شے بن کر رہ جاتا ہے۔**

www.pdfbooksfree.pk
Copyright material

کہ ایک سپاہی خبر لایا' گھوڑا آ گیا ہے۔ ہمارے کیمپ کے بیچ میں ایک لمبی سڑک تھی جس کے دونوں طرف چنار اور سفیدے کے درختوں کی قطاریں تھیں۔ میں دفتر سے باہر آ کر سڑک پر کھڑا ہو گیا۔ دیکھا ایک سپاہی شوخ رنگ کے ایک گھوڑے پر بیٹھا آ رہا ہے۔

''وہ بڑے قد کاٹھ اور بلند گردن کا گھوڑا تھا۔ جسامت ایسی کہ اس کے زین پر بیٹھا سپاہی چھوٹا سا معلوم ہوتا تھا۔ قریب آیا' تو دیکھا کہ عجب خوش انداز اور خوش رنگ گھوڑا ہے۔ اس کے رونگٹے سنہری مائل اور جھل مل جھل مل کر رہے تھے۔ چھوٹا سر' نرم چمکیلی آنکھ' مضبوط جوڑ بند اور بھاری سم' اونچی گردن' کشادہ سینہ' چلنے رکنے میں سر کو تانے ہوئے۔

''اس چھب کا گھوڑا آج تک میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ خصوصاً یکساں اور شوخ بادامی رنگ کا۔ میں بے اختیار ہو کر اس کا سر اور کنوتیاں سہلانے لگا۔ وہ مزے میں کھڑا رہا' جیسے برسوں کا مجھ سے مانوس ہو۔ سپاہی اس پر سے اترا اور میں وہیں آزمائش کے لیے اس کی رکاب میں پیر ڈال زین پر بیٹھ گیا۔ گھوڑا آگے بڑھا' تو میں نے اسے لپیا چلایا پھر دلکی۔ اس کے بعد کیمپ کی سڑک پر دور تک بڑے اطمینان کے ساتھ سرپٹ دوڑایا۔ اس کی سواری ایسی ہموار اور آرام دہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا' نرم گدے پر بیٹھا فضا میں تیر رہا ہوں۔

میں نے اسے اصطبل پہنچا دیا۔ وہاں سپاہی کو لوٹانے کے لیے اس کا زین اتارا گیا' تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ خوبصورت گھوڑا زین پشت ہے۔ زین پشت اسے کہتے ہیں جس کی کمر میں خم ہو۔ یہ گھوڑے کا عیب سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں' اس خم کے زیادہ ہونے سے گھوڑے کا دم کم ہو جاتا ہے۔ اس گھوڑے کی کمر میں زیادہ خم تھا۔ اس کی پیٹھ کا وہ حصہ جہاں زین رکھتے ہیں' کمان کی طرح جھکا ہوا تھا۔

''لمحہ بھر کو مجھے خیال آیا کہ اسے واپس پھیر دوں لیکن میرا جی نہ مانا۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ اس کی اصالت' تیور اور جمال سے کیونکر آنکھیں پھیر لیتا؟ گھوڑے کو اصطبل میں باندھ دیا گیا۔ دوسرے دن سے وہ میری سواری میں رہنے لگا۔ تمہارے اور ابلق گھوڑے کی طرح ہم دونوں میں بھی عجب چاہت اور لگاؤ پیدا ہو گیا۔ میرا بلند قامت زین پشت سمند' جو گردن اٹھا کر چلتا اور بن بن کر زمین پر پاؤں رکھتا' بہت جلد مشہور ہو گیا۔ سرپٹ چال میں وہ صرصر کی طرح فضا کو چیرتا نکل جاتا۔ چونکہ اس کی کمر میں خم تھا' اسی لیے اس پر بیٹھنے میں بڑی راحت ملتی۔

''دو سال گزرے تھے کہ توپ گاڑیاں پٹرول سے چلنے لگیں۔ پرانی چال کی گاڑیاں بارخانوں میں ڈھیر ہوتی گئیں۔ انھیں کھینچنے والے گھوڑے گلوں میں بھیجے جانے لگے۔ فوج سے اصطبل اور گھوڑوں کا صیغہ ختم ہوا' تو میں بھی مجبور ہوا کہ اپنے سمند کو وہاں سے ہٹا لے جاؤں۔ چونکہ میرے پاس رکھنے کا ٹھکانا نہیں تھا' لہٰذا اسے بیچنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ دو تین ہفتے اسی ادھیڑ بن میں گزر گئے۔ میرا دل اس کو الگ کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ تھا۔ بالآخر جب سارے اصطبل خالی ہو گئے اور توپ گاڑیاں ہٹا دی گئیں۔ پھر میرا تبادلہ بھی ہو گیا۔ تب مجھے صبر کرنا پڑا۔

''میری رجمنٹ کا سائیس ایک خریدار کو لے آیا۔ اس نے گھوڑے کو دیکھا بھالا' پسند کر لیا اور پیسے بھی اچھے دیے۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہا کہ اس لاڈلے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

گھوڑے کو تکلیف نہ دینا۔ اگر اسے بیچے تو کسی ایسے آدمی کو دے جو اس کو فٹن یا چھکڑے میں نہ جوتے۔

"کئی مہینے گزر گئے۔ مجھے اپنے زین پشت سمند کی یاد آتی رہتی۔ جیسا کہ تم نے بتایا' میرا بھی دل چاہتا کہ کسی صورت اسے دیکھوں' تھپ تھپاؤں' اس بے زبان کے منہ کے آگے ہاتھ کروں اور گرم اور نرم سانسوں کو محسوس کروں۔

"ایک دن خیابان شمیران کی چڑھائی پر مجھے ایک اونچا' لاغر سمند گھوڑا دکھائی دیا۔ آنکھیں بجھی بجھی' نڈھال بدن پسینے میں شرابور' مگر اسی آن کے ساتھ جو مجھے اپنے سمند میں نظر آتی تھی' بوجھ سے لدے ایک کھڑکھڑے میں جتا اسے کھینچ رہا تھا۔ کوچوان نیچے اتر کر اس پر چابک برسا اور کھڑکھڑے کو دھکا لگا کر چڑھائی چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ وہی تھا۔ اس کا سنہرا بدن میل' چیل اور پسینے کے لیپ سے چکٹ کر کالا ہو چکا تھا۔ میرا بہت جی چاہا کہ قریب جا کر دیکھوں' اسے پکاروں اور اس کا بدن سہلاؤں' لیکن مجھے شرم سی آ رہی تھی۔ وہ ایسے حال میں نہ تھا کہ میں اس کے سامنے جا سکتا۔ اس کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ دائیں بائیں پٹھوں اور پیٹھ پر چابک کی مار سے نالیاں بن گئی تھیں۔ میں نے سوچا' کوچوان سے بات کر کے اس کی کچھ سفارش کروں' لیکن اس سے کیا ہونا تھا؟ وہ شکستہ حال قیدی' تھکا ہارا زین پشت سمند' جو اب میرا نہیں تھا' اپنے مقدر کا لکھا پورا کر رہا تھا۔ میں خود سمجھ سکتا تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتا ہوگا۔"

☆☆☆

بارش تیز برسنے لگی اور تاریکی پھیل گئی۔ میں اور محمود اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ بلب کی روشنی میں محمود نے مجھے دیکھا اور بولا:

"تمہارا چہرہ بھیگا ہوا ہے۔ روئے ہو؟"

"اس عمر کو پہنچ کر آدمی نہیں روتا۔" میں نے کہا۔ "پانی برس رہا ہے۔" (فارسی عنوان: "باران واشک")

سنہری باتیں

۱۔ دشمن کو کمزور اور حقیر نہ سمجھو، وہ انتقام لینے اور آپ کو شکست دینے کے لیے بھرپور کوشش کرے گا۔

۲۔ دشمن کا مقابلہ کرنا اور اس پر قابو پانا ہی زندگی ہے ورنہ اس کے ہاتھ سے موت کا انتظار کرو۔

۳۔ اگر انسان باہمت بن جائے تو اس کی راہ سے ہر رکاوٹ دُور ہو جاتی ہے۔

۴۔ جو لوگوں کو دکھ دینے والا ہو اس کا اس دنیا سے چلے جانا مفید ہوتا ہے کیونکہ اس کی جلد موت اس کو مزید گناہوں سے روک دیتی ہے اور عوام کی دل آزاری اور تکلیف کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

۵۔ لوگوں کو ستانے والے اور ظلم کرنے والے ایسی دعاؤں پر پریشان ہو کر رہ جاتے ہیں۔

۶۔ نیک دل اور نیک اعمال والے حاکموں کی وجہ سے ملک میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں۔

(شیخ سعدی شیرازیؒ)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

آنکھیں تکلیف دیتی ہیں!

- ✓ کیا آپ اپنی بیماری کی نوعیت کو سمجھنا چاہتے ہیں؟
- ✓ کیا آپ پریشان ہیں کہ لینز والا اپریشن کرواؤں یا صرف شعائیں لگوالوں؟
- ✓ کالا موتیا کیا ہے اور کیا اِس کا علاج ہوسکتا ہے؟
- ✓ آنکھ کا اپریشن کیسے کیا جاتا ہے؟
- ✓ شوگر آنکھوں کو کیا نقصان پہچاتی ہے؟ اِس سے بچاؤ کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟
- ✓ بچوں کو عینک کیوں لگتی ہے؟ کیا عینک اُتر سکتی ہے؟ لیزر سے عینک اُتارنے کا اپریشن کیسے کیا جاتا ہے؟
- ✓ کیا آپ کو لیزر لگوانے کا مشورہ دیا گیا ہے اور آپ کو سمجھ نہیں آرہی کہ لگوائیں یا نہ لگوائیں کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ لیزر نقصان دہ ہوتی ہے؟
- ✓ آپ نے اپریشن کروایا اب آپ کو کیا اِحتیاطیں کرنی چاہئیں؟

اپنے سوالوں کے جواب جاننے کے لئے مندرجہ ذیل Website کا مطالعہ کریں

www.drasifkhokhar.com

ڈاکٹر آصف کھوکھر
آئی سرجن

ایم بی بی ایس (پنجاب) ایم سی پی ایس (آئی) ایف سی پی ایس (آئی)

AMERICAN ACADEMY OF OPHTHALMOLOGY
MEMBER

آئی سرجن ثریا عظیم ہسپتال لاہور

آئی سرجن لاہور میڈی کیئر انسٹیٹیوٹ آف اپتھیمالوجی لاہور

Cell: 0333-4102266

Email: drasifkhokhar@hotmail.com

آپریشن لاہور میڈی کیئر جیسے جدید ترین آئی ہسپتال میں کئے جاتے ہیں

Vitreoretinal Surgery

- ✓ آنکھ کے پردے کے کھچ جانے (Retinal Detachment) کا آپریشن
- ✓ آنکھ کے اندر خون جمع ہوجانے (Vitreous Hemorrhage) کا آپریشن
- ✓ Macula کو چھپنے والے نقصان سے علاج پیدا ہونے والے آپریشن

Phaco Surgery

- ✓ بغیر ٹیکے اور بغیر ٹانکے سفید موتیا کا علاج
- ✓ قریب اور دور کی نظر بیک وقت تصحیح کرنے والا Multifocal لینز

Laser Surgery

- ✓ ذیابیطس کی وجہ سے Retina کو پہنچنے والے نقصان کا بذریعہ لیزر علاج
- ✓ Excimer لیزر سے کئے جانے والے Epi-LASIK آپریشن کی مدد سے عینک سے نجات
- ✓ Yag - Argon اور Diode لیزر کی مدد سے علاج
- ✓ موتیا کے آپریشن کے بعد بننے والی جھلی کا Yag لیزر سے علاج

Corneal grafting surgery

- ✓ نابینا پن کے شکار شدہ آنکھیں منتقل کرنے کا قرنیہ کی پیوندکاری

Surrayya Azeem Hospital Chawk Chawbugy, Multan Road, Lahore Phone: **03008467242**

www.pdfbooksfree.pk

مشورہ حاضر ہے

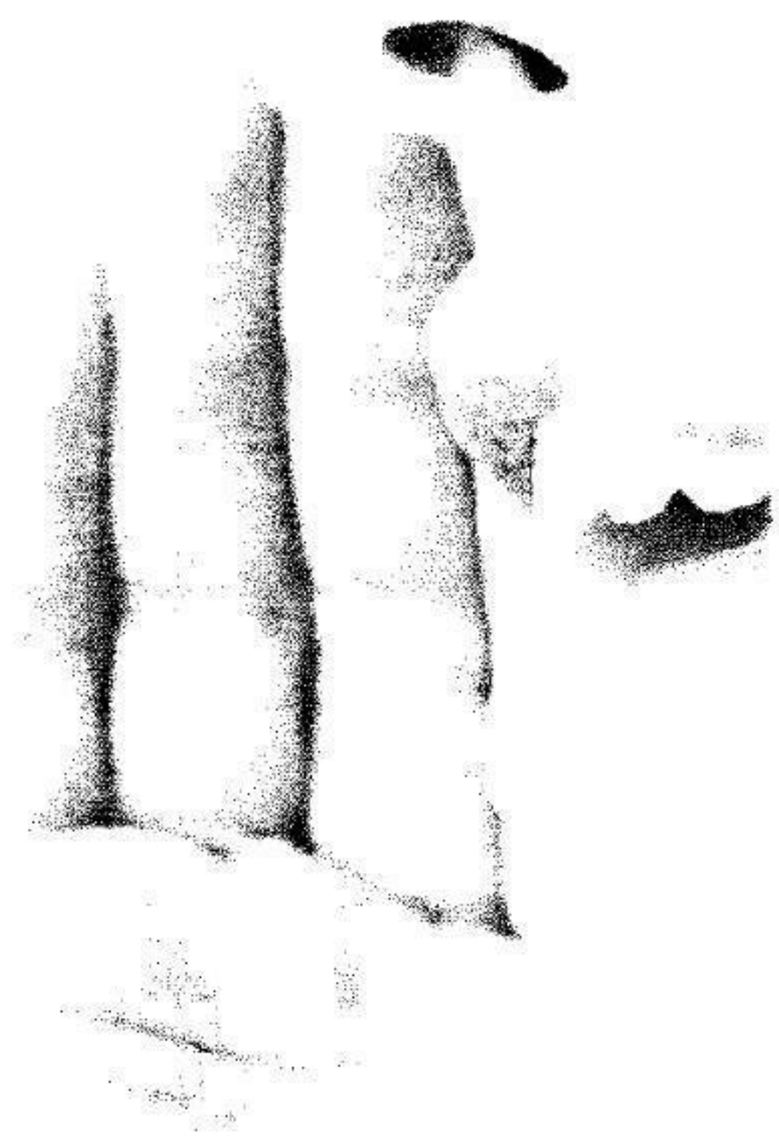

رخسانہ فضل

پچھلے

چند برس کے دوران محترمہ صغیرہ بانو شیریں کی علالت کے باعث ''مشورہ حاضر ہے'' شائع نہیں ہو سکا تھا۔ اب قارئین کی سہولت اور انھیں مدد بہم پہنچانے کے لیے اس کا دوبارہ اجرا کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے، ماضی کے مانند اس نئے سلسلے سے بھی ہمارے ہزاروں لاکھوں قارئین مستفید ہوں گے۔ ادارے کی جانب سے بھی ''مشورہ حاضر ہے'' کو بھرپور بنانے کی سعی جاری رہے گی۔

لیموں پانی جسم پتلا کرتا ہے؟

میں نے سنا ہے کہ اگر روزانہ ایک گلاس گرم پانی میں ایک لیموں نچوڑ کر پیا جائے تو جسم اسمارٹ ہو جاتا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ (عالیہ، لاہور)

☆☆

جدید طبی تحقیق کی رو سے گرم پانی میں لیموں نچوڑ کر پینے سے وزن کم نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی انسان پھلوں کا رس یا چینی والی چائے و کافی چھوڑ کر لیموں والا پانی پیے، تو وزن کم ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس پانی میں رس، چائے اور کافی کی نسبت کم حرارے ہوتے ہیں۔

مزید برآں پانی پینے سے ویسے بھی انسانی نظام استحالہ (Metabolism) متحرک رہتا ہے۔ چاہے پانی گرم ہو یا ٹھنڈا، سادہ ہو یا لیموں والا! ماہرین طب کا کہنا ہے کہ صحت مند ہونے کے لیے جسم میں پانی کی مطلوبہ مقدار ہونا ضروری ہے۔ اس طرح نظام استحالہ کو تقویت ملتی ہے۔ جو لوگ سادہ پانی پینا پسند نہیں کرتے، وہ لیموں کا رس ملا کر اسے ذائقے دار بنا سکتے ہیں۔

پانی میں لیموں ملا کر پینے سے انسان پیٹ میں گیس اور اپھارے سے بھی نجات پا لیتا ہے۔ اگر اپھارہ مسلسل چمٹا رہے، تو ڈاکٹر سے رجوع کیجیے۔ تیزی سے کھانا، نمکی سے بوتلیں نوش کرنا اور زیادہ نمک کھانا اپھارہ چمٹنے کی اہم وجوہ ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

یہ بھی یاد رہے کہ سینے کی جلن (Acid Reflux) کی حالت میں کبھی لیموں والا پانی مت نوش کریں۔ وجہ یہ کہ لیموں میں شامل سائٹرس تیزاب اس حالت کو مزید گمبھیر بنا ڈالتا ہے۔

ہیپاٹائٹس سی اور ڈپریشن

میری ۳۷ سالہ بیگم نے چھے ماہ قبل طبی معائنہ کرایا، تو انکشاف ہوا کہ وہ ہیپاٹائٹس سی میں مبتلا ہیں۔ ان کا علاج جاری ہے۔ تاہم پچھلے چند ہفتوں سے وہ ڈپریشن میں مبتلا ہیں۔ زندگی میں ان کی دلچسپی ختم ہو رہی ہے اور وہ نا اُمید رہتی ہیں۔ اس حالت زار کی وجہ کیا ہیپاٹائٹس ہی ہے؟ (جاوید یوسف، کراچی)

☆☆☆

خلیوں پر جب وائرس حملہ کرے، تو ہیپاٹائٹس سی جنم لیتا ہے۔ یہ وائرس دماغ تک بھی پہنچ سکتا ہے، اسی لیے ڈپریشن پیدا کرتا ہے۔ تاہم مریض میں مختلف وجوہ بھی ڈپریشن کو جنم دیتی ہیں۔ مثلاً بیماری سے پریشانی، مالی تنگی، گھریلو ناچاقی وغیرہ۔ لہٰذا صرف طبی معائنے کے ذریعے ہی پتا چل سکتا ہے کہ آپ کی بیگم میں ڈپریشن نے کیوں جنم لیا۔

ادویہ کے علاوہ بھی ڈپریشن کا علاج ممکن ہے۔ مثال کے طور پر ورزش کیجیے یا جسمانی سرگرمی اپنائیے۔ فولک ایسڈ والی غذائیں کھائیے مثلاً ساگ۔ نیند پوری لیجیے۔ سونے سے ذہن کو آرام ملتا ہے۔ مزید برآں بیگم کو سیر و تفریح کرائیے اور کبھی کبھی مزاحیہ فلم بھی دکھائیے۔

☆☆☆

بازوؤں اور ٹانگوں کے بال

میری عمر بیس سال ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بازوؤں اور ٹانگوں پر بہت کم بال ہیں۔ اس باعث لڑکے مجھے چھیڑتے ہیں۔ کیا اس مسئلے کا مداوا ممکن ہے؟ (ذوالفقار احمد، راولپنڈی)

☆☆☆

انسانی جسم پر مختلف وجوہ کی بنا پر کم یا زیادہ بال ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے، تو اس کا تعلق جینیات سے ہے۔ بالوں کے نمونے اور زیادہ یا کم بڑھنے کا معاملہ بچوں کو ماں کی طرف سے ملتا ہے۔ اگر ماں کے مردانہ رشتے دار سر یا جسم پر بال کم رکھتے ہوں، تو اس کے بچے بھی بالوں سے محروم رہیں گے۔

مزید برآں مختلف ہارمون بھی بالوں کی افزائش پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً غدہ تھائرائیڈ میں خلل بالوں کی نشوونما تیز کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ہائپوتھالمس (Hypothalmus) اور صنوبری (Pituitary) غدود بھی بالوں کی افزائش نہیں ہونے دیتے۔ آپ

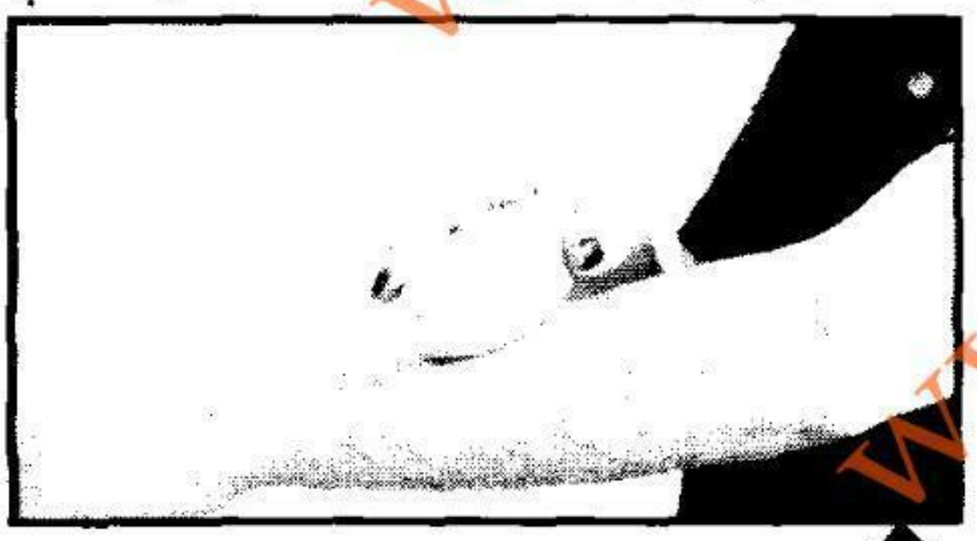

قارئین توجہ فرمائیں

موبائل نمبر ۰۳۰۳-۴۴۸۰۸۱۴ پر اپنا مسئلہ بھیجتے ہوئے اپنا نام اور شہر کا نام ضرور لکھیے، اس نمبر پر میسج صرف وصول کیے جاتے ہیں۔ جواب نہیں دیا جاتا۔ مسئلہ ڈاک سے بھیجنے کے علاوہ اُردو ڈائجسٹ کے فون نمبر پر بھی لکھوایا جا سکتا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہارمونوں کی مقدار کا ٹیسٹ کرائیے، ان کی کمی بازو اور ٹانگوں پر بال اگنے نہیں دیتی۔

جدید طبی تحقیق سے پتا چلا ہے کہ بائیوٹین (Biotin) وٹامن بالوں کی افزائش میں مددگار بنتا ہے۔ انسان کو روزانہ ۲۰۵ ملی گرام یہ وٹامن درکار ہوتا ہے۔ آپ اسے غذا (انڈا، پھلی، پنیر، کیلا) کی صورت لیجیے یا پھر ملٹی وٹامن کھائیے۔

غذائیات سے بھرپور خوراک لیجیے جو معدنیات اور وٹامن سے بھرپور ہو۔ ایسی ہی غذا سے بالوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ اگر بالوں کو مطلوبہ وٹامن اور معدن نہ ملیں، تو وہ مرنے لگتے ہیں۔

بازوؤں اور ٹانگوں کی مالش کیجیے۔ ہاتھوں کو دائروں میں حرکت دیجیے اور بدن پر خاصا دباؤ ڈالیے۔ مالش سے دوران خون تیز ہوتا ہے، لہٰذا بالوں کی تھیلیوں (Follicles) تک غذائیات بہ سرعت پہنچتی ہے۔

ہفتے میں دو بار بازو اور ٹانگیں سکرب یا جھانویں سے صاف کیجیے۔ سکرب اچھی طرح جلد پر رگڑیے تاکہ مردہ خلیے صاف ہو جائیں۔ عموماً یہ خلیے بالوں کی تھیلیوں کے منہ پر جم جاتے ہیں لہٰذا بال صحیح طرح اگ نہیں پاتے۔

اے، بی ۳، بی ۶ اور بی ۱۲ وہ وٹامن ہیں جو بالوں کی نشوونما کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ غذائیں باقاعدگی سے کھائیے جن میں یہ وٹامن موجود ہوں۔

ہفتے میں ایک دو بار بازوؤں اور ٹانگوں پر یوکلپٹس یا اکلیل کوہستانی (Rosemary) کا تیل لگائیے۔ یہ تیل جلد کے خلیوں کو متحرک کرتے ہیں۔ یوں بالوں کی تھیلیاں بھی متحرک ہوتی اور بال جلد اگتے ہیں۔ یہ تیل آپ کو حکیم یا پنساری کی دکان سے مل جائیں گے۔

خیال رکھیے کہ ہر رات سات آٹھ گھنٹے کی نیند لیجیے۔ اگر نیند پوری نہ ہو، تو ہمارا بدن جسمانی افعال صحیح طرح انجام نہیں دے پاتا جن میں بالوں کی نشوونما بھی شامل ہے۔

برش میں جما پینٹ

میں نے پچھلے سال گھر میں سفیدی کرائی تھی۔ بدقسمتی سے میں برش صاف کرنا بھول گئی۔ اب ان میں روغن (پینٹ) جما ہوا ہے اور وہ پتھر کی طرح سخت ہو چکا۔ کیا برشوں سے یہ روغن اتارنا ممکن ہے؟

(بیگم جمیلہ خان، حیدرآباد)

روغن میں جم جانے والے مختلف کیمیائی مادے شامل ہوتے ہیں۔ اسی لیے روغن تادیر کھلی ہوا میں رہے، تو جم جاتا ہے۔ تاہم اسے اُتارنے کے طریقے موجود ہیں تاکہ برش دوبارہ قابل استعمال بنایا جا سکے۔

سب سے پہلے تو ایک گیلن پانی میں آدھی پیالی کپڑے نرم کرنے والا محلول (Fabric Softner) ڈالیے۔ دونوں کو اچھی طرح ملائیے۔ پھر اس محلول سے برش دھوئیے۔

اگر یہ تدبیر کارگر نہ ہو، تو ایک برتن میں اتنا سفید سرکہ ڈالیے کہ برش اس میں ڈوب جائیں۔ پھر برتن آگ پر رکھ کر ابالیے۔ جب ایک ابال آجائے، تو دو تین منٹ سرکے کو ابلنے دیں پھر برتن اتار دیں۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

تھوڑی دیر بعد برش نکالیے اور انگلیوں سے ان پر لگا روغن ہٹا دیجیے۔ زور نہ لگائیے، نرمی و نفاست سے یہ کام کیجیے۔ ورنہ برش کے بال اکھڑ سکتے ہیں۔ آپ نلکے کے پانی میں بھی برش دھو سکتی ہیں۔ امید ہے کہ اس تدبیر سے آپ کے برش قابل استعمال ہو جائیں گے۔

فرنیچر میں پڑی خراشیں اور نشان

میرے گھر میں لکڑی کا قدیم فرنیچر موجود ہے۔ امتداد زمانہ کے باعث اس میں خراشیں اور نشان پڑ چکے۔ کیا یہ خرابی دور ہو سکتی ہے؟ (عفیفہ امتیاز، پشاور)

☆☆☆

لکڑی کا فرنیچر گھر کی آن و شان بڑھاتا ہے۔ مگر جب اسے استعمال کیا جائے، تو قدرتاً اس پر نشان و خراشیں پڑ جاتی ہیں۔ تاہم تجربات سے ایسے نوسکے و طریقے دریافت ہو چکے جن کی مدد سے فرنیچر کے اکثر نشان دور کرنا ممکن ہے۔ بعض نوسکے درج ذیل ہیں۔ انھیں استعمال کیجیے، کوئی نہ کوئی کارگر ثابت ہوگا۔

☆ ثابت اخروٹ خراشوں اور نشانات پہ رگڑیے۔ یہ طریق کار گہرے رنگ والے فرنیچر پہ زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ بیشتر خراشیں غائب ہو جاتی ہیں۔

☆ بارہ چمچ زیتون کا تیل اور چار چمچ سفید سرکہ لیجیے۔ دونوں محلول اچھی طرح ملائیے۔ پھر نرم سوتی کپڑا آمیزے میں ڈبو کر نفاست سے فرنیچر پر پھیریے۔ اگر آمیزہ کم ہو، تو آپ درج بالا حساب سے مزید بنا سکتی ہیں۔

☆ لکڑی کی میز پر گرم برتن رکھنے سے اس پر نشان پڑ جاتا ہے۔ یہ نشان ہٹانے کے لیے ویزلین استعمال کیجیے۔ کارگر ثابت ہوتی ہے۔

☆ تیل اور وارنش ملا کر "نیک آئل" تیار ہوتا ہے۔ یہ تیل بھی فرنیچر پر پھیرنے سے اکثر خراشیں اور نشان جاتے رہتے ہیں۔ یہ فرنیچر کو چمکا بھی دیتا ہے۔

☆ کافی بنائی جائے، تو اس کی تلچھٹ پیالی کے نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ یہ تلچھٹ بھی خصوصاً گہرے رنگ کے فرنیچر کی خراشیں دور کرنے میں کام آتی ہے۔

☆ فوڈ گریڈ معدنیات تیل (Mineral Oil) بھی فرنیچر پر پھیرا جاتا ہے۔ یہ بیشتر خراشیں اور نشان ختم کر کے فرنیچر کو تر و تازہ بنا دیتا ہے۔

کمپیوٹر اسکرین اور آنکھیں

میں کمپیوٹر سافٹ ویئر انجینئر ہوں۔ ایک کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں جہاں روزانہ مجھے چھے سات گھنٹے مسلسل کمپیوٹر کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اسکرین پر مسلسل نگاہیں جمائے رکھنے سے میری آنکھوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہے۔

(خلیق احمد، کوئٹہ)

بوڑھا ہو جوان یا بچہ، کوئی بھی روزانہ چھے سات

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

گھنٹے کمپیوٹر، آئی پیڈ یا اسمارٹ فون پر نظریں جمائے رکھے، تو آنکھوں کے بعض مسائل ضرور پیدا ہوتے ہیں۔ ماہرین طب نے ان مسائل کو "کمپیوٹر وژن سائنڈروم" (Computer Vision Syndrome) کا نام دیا ہے۔

ان مسائل میں نظر دھندلا جانا (Blurred Vision)، ایک چیز کا دو دو دکھائی دینا (Double Vision)، آنکھیں خشک اور سرخ ہونا، آنکھوں میں تکلیف ہونا، سر درد اور گردن یا کمر میں درد شامل ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کمپیوٹر روزانہ استعمال کرنے والے ۵۰ تا ۹۰ فیصد مرد و زن درج بالا مسائل میں سے کسی نہ کسی مسئلے کا شکار بنتے ہیں۔ خصوصاً جن کی نظر کمزور ہو یا وہ آنکھوں کی کسی خرابی میں مبتلا ہوں، وہ کمپیوٹر وژن سائنڈروم کا شکار بن جاتے ہیں۔

لیکن یہ مسائل آنکھوں کا کوئی خطرناک مرض مثلاً موتیا بند پیدا نہیں کرتے اور نہ ہی نظر کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ انسان جب کمپیوٹر اسکرین سے ہٹ کر آرام کرے، آنکھوں کو سکون دے، تو بیشتر خرابیاں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔

انسان کام کے دوران بعض ٹوٹکے استعمال کرے، تو وہ کمپیوٹر وژن سائنڈروم سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہ ٹوٹکے درج ذیل ہیں:

☆ اسکرین پر روشنی کی چمک پڑ رہی ہو تو اسے ہٹانے کی تدبیر کیجیے۔ روشنی یا اسکرین کی چمک آنکھوں کو جلد تھکا دیتی ہیں۔ اس لیے مانیٹر کی چمک مدھم رکھیے۔ یا پھر آپ اسکرین پر آنکھوں کو چمک دمک سے محفوظ رکھنے والا فلٹر بھی لگا سکتے ہیں۔

☆ مانیٹر کو آپ کی نگاہوں سے تھوڑا نیچے ہونا چاہیے۔ مزید برآں اسکرین کو آنکھوں سے کم از کم ۲۰ تا ۲۸ انچ دور رکھیے۔ اس طریقے سے گردن اور آنکھوں پر غیر ضروری دباؤ نہیں پڑتا۔

☆ ہر ۲۰ منٹ بعد اسکرین سے نظر ہٹائیے۔ کھڑکی کو دیکھیے یا ۲۰ سیکنڈ تک کمرے کا جائزہ لیجیے۔ اس طرح آنکھوں کو کچھ سکون مل جاتا ہے۔ مزید برآں وقفے وقفے سے آنکھیں ضرور جھپکائیے تاکہ وہ نم رہیں۔ آنکھیں خشک ہو جائیں، تو تکلیف ہوتی ہے۔

تازہ روٹی

میں جب روٹی پکاتی ہوں، تو وہ کچھ عرصے بعد ٹھنڈی ہو کر سخت ہو جاتی ہیں۔ انھیں دیر تک نرم اور تازہ رکھنا کس طرح ممکن ہے؟

(شہلا جمال، مظفر آباد، آزاد کشمیر)

ج: تجربے کار خواتین روٹیاں تادیر تازہ رکھنے کی خاطر مختلف طریقے آزماتی ہیں۔ یوں اہل خانہ ان سے خوش رہتے ہیں۔ خاص طور پر شوہر ٹھنڈی و سخت روٹیاں کھانے سے بہت چڑتے ہیں۔ چناں چہ روٹی نرم و تازہ رکھنے کی کچھ تدابیر درج ذیل ہیں:

☆ روٹیاں پکاتے ہی انھیں کپڑے میں لپیٹ بند

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ڈبے میں رکھ دیجیے۔ ڈبے میں قید حرارت انھیں نرم و تازہ رکھے گی۔

پانی کے ساتھ دودھ ملا کر آٹا گوندھیے۔ اس آٹے کو ایک گھنٹا کھلا چھوڑ دیں، پھر روٹی پکائیے۔ دودھ کی جگہ مکھن یا گھی بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ چھے سات روٹیوں والے آٹے کے لیے تین چمچ دودھ کافی ہوگا۔

البتہ پانی آٹے میں ڈالیے اور چمچ کی مدد سے ملائیے۔ جب آمیزہ بن جائے، تو اسے ۱۰ منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر ہاتھ سے گوندھیے۔ آٹے میں دو چمچ تیل یا گھی ملائیے۔ جب روٹی پکائیے، تو اسے بند ڈبے میں رکھتی جائیے۔

ٹوتھ برش کون سا بہتر؟

اس وقت بازار میں کئی اقسام کے ٹوتھ برش دستیاب ہیں۔ یہ بتائیے کہ کون سا ٹوتھ برش بہتر رہے گا۔ (جاوید نقوی، گوجرانوالہ)

ج: دانتوں کی صفائی جسمانی صحت کے لیے ضروری ہے۔ دانتوں میں کوئی خرابی ہو جائے، تو پورا جسم متاثر ہوتا ہے۔ دانتوں کی صفائی کے سلسلے میں جدید طبی تحقیق نے جو گر بتائے، وہ درج ذیل ہیں:

ٹوتھ برش ایک انچ لمبا اور آدھ انچ چوڑا یعنی چھوٹا ہونا چاہیے۔ وجہ یہ کہ چھوٹا برش ہی منہ کے تمام حصوں میں با آسانی پہنچ سکتا ہے۔ اس کا ہینڈل گول اور لمبا ہونا چاہیے۔ برش کے بال نائلون سے بنے ہوں۔ ان کے کنارے گولائی رکھیں تاکہ وہ دانتوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

تین چار ماہ روزانہ استعمال کے بعد برش کے بال ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ٹوتھ برش بدل دیجیے۔

جب بھی دانت صاف کریں، تو یہ عرصہ کم از کم تین چار منٹ پہ محیط ہونا چاہیے۔ اسی عرصے میں دانتوں کی مؤثر صفائی ہو جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ایک دو منٹ برش کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔

بہتر ٹوتھ پیسٹ وہ ہے جس میں فلورائیڈ شامل ہو۔ وجہ یہ کہ یہ معدن دانتوں میں خلا (Cavity) پیدا نہیں ہونے دیتا۔ مزید برآں برش کرنے کے بعد پانی سے کلی ضرور کیجیے، مگر دانتوں پر انگلیاں نہ پھیریے۔ وجہ یہ کہ ٹوتھ پیسٹ کے ذرات دانتوں سے چپک کر جراثیم کو وہاں گھر نہیں بنانے دیتے۔

پھلوں کی مٹھاس

میرا ایک دوست پھل نہیں کھاتا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ پھل شکر سے بھرے ہوتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ (نوید اکرم، نواب شاہ)

ج: یہ درست ہے کہ پھلوں میں شکر پائی جاتی ہے، مگر ان میں معدنیات، وٹامن اور دیگر صحت بخش غذائی مادے (Nutrients) بھی ملتے ہیں۔ مزید برآں پھلوں میں قدرتی شکر، فروکٹوز پائی جاتی ہے۔ اس کی مناسب مقدار ہمیں تندرستی بخشتی ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک کنو یا سیب تناول کریں، تو ہمیں شکر کے ساتھ وٹامن سی، وٹامن اے، فائبر اور دیگر غذائی مادے حاصل ہوتے ہیں۔ ان دونوں پھلوں میں شکر کی مقدار دو تین چمچیاں ہی ہوتی ہیں۔ جبکہ بوتل پی جائے، تو اس سے ہمیں کوئی وٹامن یا غذائی مادے نہیں ملتے، البتہ چینی کے آٹھ دس چمچ ضرور مل جاتے ہیں۔ یہی چینی بلڈ پریشر اور ذیابیطس سمیت ہمیں کئی بیماریوں میں مبتلا کرتی ہے۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

"میرے اللہ! میں کس قدر خوش نصیب ہوں۔" میں منمنائی۔ مسلسل آٹھ گھنٹے تک ہیرے جواہرات کے درمیان رہنے کا تصور ہی کس قدر خوابناک اور دل گداز تھا۔ بہت پریشانیاں اٹھانے کے بعد پہلی ملازمت ملی تھی اور وہ بھی عارضی۔ کوہ نور جیولرز لمیٹڈ کمپنی میں عیدین کے دوران کام بے تحاشا بڑھنے کی وجہ سے انھیں چند عارضی سیلز گرلز کی ضرورت پڑ گئی اور ایک ہمدرد کی مدد سے میرا انتخاب بھی عمل میں آ گیا۔

میں نے گھر پہنچ کر ماں کو یہ خوشخبری سنائی۔ وہ فرط مسرت سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچیں۔ چند لمحوں بعد اپنے ہوش و حواس میں آئیں، تو انھوں نے کہا "چلو اچھا ہوا، اب ہمیں مٹی کے برتن بنانے سے تو نجات مل گئی۔ کم از کم اب اس بات کا خطرہ تو نہیں کہ برتنوں کی طرح ہیرے بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔"

اکثر و بیشتر میرے ہاتھوں سے برتن گر کر ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ میری ماں چوبیس گھنٹے مجھے برا بھلا کہا کرتی تھیں۔ "اچھا اب وہاں احتیاط سے اور دل لگا کر کام کرنا۔" یہ جملہ ادا کرنے کے بعد انھوں نے بڑے پیار سے مجھے گلے لگایا اور خدا حافظ کہہ کر اپنی خواب گاہ میں چلی گئیں۔

میری یہ ملازمت ہم دونوں کے لیے بے حد اہمیت کی حامل تھی۔ والد کا ایک سال قبل انتقال ہو گیا تھا۔ ان دنوں ہم سخت پریشانی اور زبوں حالی کا شکار تھے۔ گریجویشن کرنے کے بعد میں نے پورا سال مختلف دفاتر کے چکر کاٹتے ہوئے گزار دیا، لیکن قسمت نامہربان تھی۔ بڑی مشکلوں کے بعد بالآخر عارضی ملازمت مل گئی۔

اگرچہ علمی لحاظ سے میرے اندر کوئی خاص صلاحیت

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

نہیں تھی اور نہ ہی مجھے گاہکوں سے بات کرنے کا ڈھنگ آتا تھا۔ لیکن نجانے کیسے میرے اندر ایک خداداد صلاحیت سمت آئی۔ میں گاہک کی شخصیت کو پرکھ کر فوراً تاڑ جاتی کہ اسے کس چیز کی تلاش ہے۔ پھر اس کی پسند کی چیز فوراً اس کے سامنے رکھ دیتی۔ یہ صلاحیت میرے حق میں بہت فائدہ مند ثابت ہوئی۔ کمپنی میں ہر شخص میری مستعدی اور کارکردگی کی تعریف کر رہا تھا۔ پندرہ روز بعد ہی میری ذمے داریوں میں اضافہ ہوگیا۔ مجھے وہ کام سونپے گئے جو نہایت تجربہ کار اور قابل اعتماد سیلز گرلز کے لیے مخصوص تھے۔ ''یہ تمھارے لیے ایک اعزاز ہے۔'' مسٹر ارباب رستم نے میری تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم نے اسی لگن اور محنت سے کام کیا تو ہم تمھیں مستقل ملازمت بھی دے سکتے ہیں۔''

ڈائمنڈ ڈپارٹمنٹ کوہ نور جیولرز کے قلب کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں قیمتی ہیرے جواہرات کی خرید و فروخت مسلسل جاری رہتی۔ پہلی منزل پر ایک سمت ایک فراخ نمائشی کھڑکی بنی ہوئی تھی جس کے بعد کاؤنٹر اور شوکیس بچھے تھے۔ پھر وہ مستطیل نما اسٹال تھے جہاں جواہرات اور نقش کاری کیے ہوئے زیورات گاہکوں کو دکھائے جاتے۔ اس سے آگے کیشیئر کا کمرا اور سب سے آخر میں مہاگنی کے آبنوسی فرنیچر سے آراستہ پیراستہ مسٹر ارباب رستم کا شاندار دفتر تھا۔

میرے فرائض میں تمام اشیا کو قرینے سے لگانا اور انھیں صاف ستھرا رکھنا بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ کاریگروں کو ہدایات پہنچانا اور مختلف پیغامات لے کر ادھر سے اُدھر دوڑنا بھاگنا بھی میرے ذمے تھا۔ میری ساتھی ایک دبلی پتلی لڑکی تھی جسے کام کرتے ہوئے دو سال ہو رہے تھے۔ اس کا نام فریدہ تھا۔ ہم دونوں کو ہر وقت اپنے کان گھنٹی کی آواز پر مرکوز رکھنے پڑتے۔ پھر ہمیں اپنی ہوشیار آنکھیں بھی رکھنی پڑتی تھیں کہ کہیں کوئی شخص شور ہنگامے اور گہما گہمی کا فائدہ اٹھا کر کوئی چیز غائب نہ کر دے۔

مجھے یہ ملازمت کرتے ہوئے بے حد لطف آنے لگا۔ سچ پوچھیے تو صبح کا وقت مجھے بے حد پسند تھا۔ یہ وہ وقت ہوتا جب ہم لوگ مل جل کر صفائی کیا کرتے اور ایک ایک زیور جھاڑ پونچھ کر دوبارہ اُسی جگہ رکھتے۔ اتنے سارے زیورات کو اپنے ہاتھ سے چھوتے مجھے ایسا سرور ملتا جس کا بیان میرے ذخیرہ الفاظ میں نہیں۔

عید کے دن جیسے جیسے نزدیک آ رہے تھے، خریداروں میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ میں ہر دم مصروف رہتی اور مجھے کچھ سوچنے کا وقت نہ ملتا۔ لیکن رات کو جب میں بستر پر لیٹتی، تو ذہن میں عجیب و غریب ڈراؤنے خیالات گردش کرنے لگتے۔ یہ خیال میری نیند

مصنّفہ سے ملیے

امریکہ کی افسانہ نگار، ناول نگار اور شاعرہ، سارا اورن جیوٹ ۳ ستمبر ۱۹۴۹ء کو ساؤتھ برویک نامی میں پیدا ہوئی۔ بچپن ہی میں لکھنے سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ بقیہ عمر کہانیاں اور ناول لکھتے گزری۔ انسانی زندگی کے معاشرتی مسائل سارا کی تخلیقات کے موضوع رہے۔ ۲۴ جون ۱۹۰۹ء کو چل بسی۔ سارا کا شمار امریکا کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اُڑا دیتا کہ جلد یہ عارضی ملازمت چھن جائے گی۔ اس کے بعد پھر میں ہوں گی اور وہی کسمپرسی کا عالم! خدا جانے دوسری نوکری کی تلاش میں کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑیں۔

ایک شام مسٹر ارباب رستم میرے سپروائزر کامران مرزا سے گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے شک گزرا کہ یہ گفتگو میرے متعلق ہو گی۔ میں سن گن لینے ایک کونے میں کھڑی ہو گئی اور اپنے کان ان کی طرف لگا دیے۔ ارباب صاحب کہہ رہے تھے۔ ''مجھے یہ لڑکی شائلہ بڑی محنتی اور صلاحیتوں سے بھرپور نظر آتی ہے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' خدا کامران صاحب کو خوش رکھے۔ انھوں نے بھی میری خوب تعریف کی۔

تب ارباب صاحب نے کہا ''میرا خیال ہے ہمیں اس کی ملازمت مستقل کر دینا چاہیے۔''

گفتگو ختم ہو گئی لیکن میرا پورا سراپا آسمان پر اڑنے لگا۔ میری خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ارباب صاحب اور کامران صاحب میرے لیے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے تھے۔

لیکن دوسرا دن میری توقعات کے برعکس نہایت منحوس انداز میں شروع ہوا۔ صبح ہی صبح میں اپنی ڈیوٹی شروع کرنے دکان میں داخل ہو رہی تھی کہ نجانے کس طرح میری قمیص دروازے میں پھنسی اور پچھلی جانب سے ذرا سی پھٹ گئی۔ نفاست پسند اور دیدہ زیبی کے دلدادہ کامران مرزا نے حکم دیا کہ میں فوراً باہر نکل کر نئی قمیص خرید لاؤں جس کی قیمت وہ کمپنی کے حساب میں سے ادا کر دیں گے۔ میں نے دیکھا کہ فریدہ ابھی نہیں آئی تھی۔ اب اگر میں بھی باہر نکل جاتی، تو کام کون کرتا؟ میں نے یہ بات کامران صاحب کو بتائی تو وہ خاموش ہو گئے۔

گویا مجبوراً اس بات پر راضی ہوئے کہ فریدہ کے آنے تک میں باہر نہ جاؤں۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ فریدہ کا بھائی اس کی چھٹی کی درخواست لیے آ گیا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لہٰذا وہ کام پر نہیں آ سکتی۔ گاہکوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ چناں چہ میں کام پہ لگ گئی۔ عید میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا، ہر آدمی بے حد مصروف اور چاق چوبند نظر آتا۔

میں سارا دن بے حد مصروف رہی۔ فریدہ کے نہ ہونے سے اس کا کام بھی مجھے سنبھالنا پڑا۔ شام کے چار بج رہے تھے کہ نچلی منزل کی سپروائزر مس شاہینہ کا نادر شاہی حکم موصول ہوا ''آخری شوکیس میں سے ہیرے اور زمرد جڑے ہوئے انگوٹھیوں کا سیٹ نکال کر لاؤ۔'' میں نے کافی پھرتی دکھائی۔ انگوٹھیوں کا طشت میرے ہاتھ میں تھا۔ اچانک جو میری نگاہ اٹھی تو دیکھا کہ دوسری طرف شوکیس کے پیچھے ایک شخص کھڑا تھا۔ وہ عام سا بے کشش نوجوان تھا، لیکن نجانے مجھے کیا ہوا کہ میں بے اختیار اس کی جانب تکتی رہی۔

نوجوان کا کوٹ اگرچہ تراش خراش کے لحاظ سے بہترین تھا لیکن صفائی نہ ہونے کے باعث اس پر جگہ جگہ داغ دھبے صاف نظر آ رہے تھے۔ بال روکھے اور کنگھی سے بے نیاز تھے۔ چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں غم کی علامت بنی ہوئی تھیں۔ ظاہری حلیہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ بھی ان ہزاروں بیروزگاروں میں سے ایک ہے جو یونیورسٹی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ملازمت کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہر روز امید کی ایک کرن طلوع ہوتی اور پھر غروب ہو جاتی ہے۔

میرے دل میں اچانک ہمدردی کا احساس جاگ اٹھا لیکن پھر فوراً اسے اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ ان

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

لغویات میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ آخر میں کر بھی کیا سکتی ہوں؟ اچانک مس شاہینہ کی آواز انٹرکام پر گونجی ''اتنی دیر سے کیا کر رہی ہو؟'' وہ سخت برہم تھیں۔ ''انگوٹھیوں کے ساتھ وہ کلپ بھی لے کر آؤ جو ہم بطور تحفہ گاہکوں کو دیتے ہیں۔ لیکن خدا کے لیے جلد آجاؤ۔''

کلپ لینے مجھے اسٹور جانا پڑا۔ جب میں کلپ لے کر نکلی تو میرا ہاتھ مارے گھبراہٹ کے دروازے سے ٹکرا گیا۔ ٹرے میرے ہاتھوں سے نکلی اور چھ انگوٹھیاں ادھر ادھر بکھر گئیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ کامران صاحب تیزی سے میری جانب بڑھے۔ انھوں نے بڑی شفقت سے مجھے دلاسا دیا۔ وہ یہ حقیقت سمجھ رہے تھے کہ میرے اوپر کام کا بہت بوجھ ہے۔ ''کوئی بات نہیں مس ثمائلہ، ایسا ہو جاتا ہے۔ آپ جلدی سے ان انگوٹھیوں کو اکٹھی کر کے مس شاہینہ کے پاس لے جائیں۔ وہ انتظار کر رہی ہیں۔''

پانچ انگوٹھیاں مجھے فوراً مل گئیں۔ انھیں میں نے طشت میں مقررہ جگہ پر لگا دیا' لیکن ہزار کوشش کے باوجود چھٹی انگوٹھی نظر نہیں آئی۔ میں نے گھبراتے ہوئے چاروں جانب نظر دوڑائی۔ شوکیسوں کے درمیان خالی جگہ کو بھی بغور دیکھ لیا' مگر وہ کہیں نہیں ملی۔ اس دوران مس شاہینہ خود اندر آگئیں۔ جب انھیں صورت حال کا علم ہوا، تو وہ مجھے چھٹی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دے کر بقیہ انگوٹھیاں خود لے گئیں۔ میری حالت دگرگوں ہو رہی تھی کہ آخر وہ انگوٹھی گئی کہاں؟

اچانک میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ نوجوان نہایت ہوشیاری کے ساتھ آہستہ آہستہ کھسکتا باہر جا رہا تھا۔ میں جان گئی کہ وہی چور ہے۔ میری نگاہوں میں فوراً وہ منظر گھوم گیا جب وہ اندر داخل ہونے کے بعد ہر چیز کو یوں للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا موقع ملتے ہی انھیں اٹھا کر جیب میں رکھ لے۔ مزید ستم یہ کہ اتنی دیر تک سوائے ادھر ادھر ٹہلنے کے اس نے اور کچھ نہیں کیا تھا۔ کم سے کم ایک آدھ چیز کی قیمت ہی معلوم کر لیتا۔ میں تیزی سے اس کی جانب لپکی۔ ابھی اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل ہی پر تھا کہ میں نے اسے جا لیا۔

''معاف کرنا مسٹر.....'' مجھے آج تک کسی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ مجھے معلوم ہے کہ ان حالات سے کس طرح نمٹنا چاہیے۔ ''میری بات سن کر وہ مڑا اور استفہامیہ نظروں سے میری جانب دیکھا' لیکن میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ میری قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔ میں دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہی تھی کہ میرا مستقبل تباہ ہونے سے بچ جائے۔ ایک قیمتی انگوٹھی کا غائب ہو جانا ناقابل معافی جرم تھا۔

''تم نے مجھے کیوں روکا ہے؟ تم کیا چاہتی ہو؟'' اس نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کے عضلات کرخت ہو چکے۔ میں انتہائی بے بسی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ یہ یقین ہو جانے کے باوجود کہ انگوٹھی اسی کے پاس ہے، میرا دل اس کی طرف سے بدظن نہیں ہوا بلکہ مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ چوری کی نیت سے نہیں آیا۔ بس اچانک خاص لمحے میں بلا ارادہ اس سے یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ شاید مفلسی اور بیروزگاری نے اسے مجبور کر دیا۔ میں شروع ہی سے دیکھ رہی تھی کہ وہ مال دار لوگوں کو بڑی حسرت سے بے ضرورت خریداری کرتے دیکھ رہا تھا جبکہ اس کے پاس کئی وقت کے فاقوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میری بری حالت دیکھ کر

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اس بار نرمی سے اپنا سوال دہرایا۔

میں اس مرتبہ بھی کچھ نہ کہہ سکی اور غور و فکر کی دنیا میں کھو گئی۔ ماں نے ایک بار نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا ''عام طور پر لوگ بدخصلت، کم ظرف اور بدکردار نہیں ہوتے۔ ماحول اور حالات انھیں مجبور کر دیتے ہیں۔ اس باعث وہ بے ساختہ ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں جن پر بعد میں ان کا ضمیر ملامت کرتا ہے اور پھر وہ کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اگر نرمی اور پیار سے گفتگو کی جائے، تو ان کا دل موم ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ صرف پیار کے بھوکے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے دو میٹھے بول بول دے تو وہ اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔''

میرے ذہن پر چھائی دھند یکایک چھٹ گئی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے اس اجنبی سے کس انداز سے بات کرنی ہے۔

''یہ میری پہلی ملازمت ہے اور مجھے بے حد پسند ہے۔'' میں نے گلوگیر لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''آج کل تو ملازمت حاصل کرنا کٹھن مرحلہ ہے۔ کیوں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''لیکن اس وقت میری ملازمت اور مستقبل آپ کے رحم و کرم پر ہے۔ کیا آپ میری امیدوں کی تباہی کو گوارا کر لیں گے؟'' میری آنکھیں بھر آئیں اور میں نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

میں تذبذب کے عالم میں تھی کہ اب کیا کہوں۔ دل میں یہ خوف بھی تھا کہ شاید اجنبی پر میری گریہ و زاری کا کوئی اثر نہ ہو اور اتنی دیر میں وہ چپکے سے دروازہ کھول کر غائب ہوئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے اپنے شانوں پر بوجھ محسوس ہوا۔ میں نے مڑ کر دیکھا، اجنبی کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔ وہ بڑے خلوص سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اس کی نغمہ بار آواز میرے کانوں میں گونجی:

''تمھیں اپنا شاندار مستقبل مبارک ہو پیاری بہن۔'' وہ بڑے پیار سے کہہ رہا تھا۔ ''تمھیں زندگی کی تمام خوشیاں نصیب ہوں۔ میری نیک تمنائیں تمھارے ساتھ ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں نے دیکھا، شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں نم تھیں۔ ''خدا حافظ پیاری بہن! سدا خوش رہو۔'' وہ بولا اور تیزی سے مڑ کر باہر نکل گیا۔

''خدا حافظ میرے بھائی، میرے محسن! خدا تمھیں بھی دین اور دنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کرے۔'' میرے دل سے اس کے لیے بے ساختہ دعا نکلی اور پھر اپنا ہاتھ کھول کر دیکھا، اس میں انگوٹھی جھلملا رہی تھی۔

◆◆◆

ایک خواب

اب آسمان سے موتی گھروں میں برسیں گے
زمین سونا اگلنے لگے گی اب لوگو
کوئی فقیر نہ گلیوں میں دیکھ پاؤ گے
کہ روزگار ملے گا ہر آدمی کو یہاں
سکوں سے لوگ یہاں زندگی گزاریں گے
یہ ایک خواب کہ جو رہبروں نے بخشا ہے
اس ایک خواب کی بخشش پہ میں بھی
زندہ ہوں
اس ایک خواب پہ رہبر کا بھی گزارہ ہے

(حمید علی سید، کراچی)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اپنی ذات میں اسم با مسمّیٰ تھے، یوں کہ لوگ عبادت کی حد تک ان سے محبت اور عقیدت کرتے۔ان کی نیکی ،ہمدردی،خلوص اور نرم رویے کے قصیدے پڑھے جاتے ۔دور دور تک ان کا طوطی بولتا۔آپ اردو پڑھیں اور ان کا تذکرہ نہ ہو،ممکن ہی نہیں تھا۔ڈاکٹر عبادت بریلوی کا آبائی گھر تو بریلی میں تھا،لیکن ان کے والد بسلسلہ روزگار لکھنو آگئے اور وہیں مستقل قیام کیا۔

ان کا کنبہ آٹھ بھائیوں اور دو بہنوں پر مشتمل تھا۔یہ سب سے بڑے تھے۔ان سب بھائیوں نے لکھنو کے امین آباد اسکول سے تعلیم پائی۔وہاں کے استاد محنت،لگن، شفقت اور محبت کی خصوصیت سے مالا مال تھے۔یہی اثرات عبادت صاحب کی شخصیت میں بھی نظر آتے۔ امین آباد ہائی اسکول سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوبلی کالج لکھنو میں داخلہ لیا اور وہاں سے انٹر کیا۔اس کے بعد لکھنو یونیورسٹی میں گئے جہاں سے ایم۔اے اردو اور بی ٹی کی۔

تعلیم مکمل ہوئی، تو اینگلو عربک کالج،دہلی میں ملازمت مل گئی۔قائداعظم اور لیاقت علی خاں بھی اس تعلیمی ادارے کے صدر رہے ہیں۔یہ ۱۹۴۴ء کا دور تھا۔ تب تک دہلی مسلم لیگ کا گڑھ بابائے اردو،بن چکا تھا۔ لیکن جب پاکستان بن گیا اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق بھارت سے پاکستان چلے گئے،تو اس کالج کی دنیا ہی بدل گئی۔مسلمانان دہلی بھی پاکستان ہجرت کرنے لگے۔ لیکن عبادت صاحب ۱۹۵۰ء تک وہیں رہے۔آخر مولوی عبدالحق کے مشورے سے پاکستان آئے اور اورینٹل کالج لاہور سے ملازمت کا آغاز کیا۔

محبت وشائستگی کے خمیر میں گندھے

میرے بے لوث بھیا

صبیحہ خان

ممتاز اردو ادیب ونقاد کے قابل مثال جیون کی دلچسپ جھلکیاں..... جیٹھانی کے شگفتہ قلم سے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

انھوں نے اپنی سوانح حیات "یادِ عہدِ رفتہ" میں اپنی زندگی کا نقشہ بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں "جب میں نے پاکستان میں پہلا قدم رکھا، تو میرے آنسو رکتے ہی نہیں تھے، خدا جانے کیوں؟ محبت اور طمانیت کا احساس بھی انسان کو کبھی کبھی رلا دیتا ہے"۔ شاید ایسا ہی ہو۔

پاکستان میں کئی رشتہ دار تھے، لیکن وہ اپنے ماموں زاد بھائی کے ہاں ٹھہرے جن کا مکان مال روڈ پر تھا۔ وہاں سے اورینٹل کالج قریب تھا۔ آپ بیتی میں لکھتے ہیں "گھر سے میں پیدل اورینٹل کالج جاتا۔ تب مال روڈ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ صاف ستھری سڑک، ہرے بھرے درخت، پیادہ راہ کے ساتھ ساتھ کیاریاں جن میں رنگ برنگے پھول کھلتے۔ وہاں جگہ جگہ چھوٹے تختے لگے تھے جن میں واضح اردو میں لکھا تھا از راہ نوازش سڑک پر چلیے، سبزے پر چلنا اور پھول توڑنا آپ جیسے باذوق انسان کے لیے مناسب نہیں۔"

"میں مال روڈ کے مناظر سے لطف اندوز ہوتا نیلا گنبد اور انارکلی کے چوراہے پار کر کے اورینٹل کالج پہنچ جاتا۔ اس وقت کالج میں دو طرح کا نظامِ تعلیم تھا۔ ایک تو مغربی جس کے تحت ایم۔اے۔ اور پی ایچ ڈی کی ڈگری دی جاتی۔ دوسرا مشرقی جس کے تحت مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل کی جماعتیں ہوتی تھیں۔ یہ کالج دیکھنے میں چھوٹا سا تھا، لیکن تعلیمی اور تحقیقی روایت نے ساری دنیا میں اس کی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیے۔"

اورینٹل کالج میں دوران قیام عبادت صاحب نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ ان میں اردو تنقید کا ارتقا، غزل اور مطالعہ غزل میں ہیں۔ چھے سو صفحات پر مشتمل شاعری کی کتاب بھی تحریر کی۔ اس کتاب کو یوں زیادہ شہرت ملی کہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی کا تعارف

اُردو کے ممتاز معلّم، نقاد اور ادیب، ڈاکٹر عبارت بریلوی ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء کو بریلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں اُردو تنقید کے موضوع پر لکھنو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ بعدازاں بھارت اور پاکستان کے کئی تعلیمی اداروں میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اُردو علم وادب کے موضوعات پر کئی کتب لکھیں۔ ان میں اُردو تنقید کا ارتقا، جدید شاعری، غالب کا فن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۹۸ء کو لاہور میں وفات پائی۔

پہلے جدید شاعری کا تنقیدی تجزیہ کسی نے نہیں لکھا تھا۔

اورینٹل کالج میں گیارہ سال گزارنے کے بعد عبادت صاحب "لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز یونیورسٹی لندن" چلے گئے۔ وہاں انھوں نے بی۔اے آنرز کے طلبہ کو پڑھایا۔ ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی کے کام کی نگرانی بھی کی۔ وہاں علمی و تحقیقی کام کے نئے میدان سامنے آئے۔ انھوں نے وہاں چھے سال قیام کیا۔ اس دوران بے شمار فارسی و عربی مقالے اور نادر نسخے تلاش کر کے ان کی طباعت کی۔

۱۹۶۶ء میں وطن واپس آئے، تو پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں اورینٹل کالج کے پرنسپل بنائے گئے۔ آپ کے دور میں پوری دنیا سے دانش

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

در اور پروفیسر کالج میں لیکچر دینے آتے۔ یوں کالج نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی۔ یوں اسے مشرقی اور اسلامی علوم کا اہم ادارہ سمجھا جانے لگا۔

عبادت صاحب نے عمر عزیز کے ۳۲ سال پنجاب یونیورسٹی اور اورینٹل کالج میں گزارے۔ایک مدرس کی حیثیت سے ہزارہا لیکچر دیے۔ بہ حیثیت ادیب ہزارہا صفحے لکھے۔ دہلی،لاہور، لندن اور ترکی میں بے شمار تحقیقی مقالوں کی نگرانی کی۔۱۴راگست ۱۹۸۰ء کو مدت ملازمت ختم ہوئی۔آپ نے چالیس سالہ ملازمت کے دوران پروفیسر۔صدر شعبہ، اورینٹل کالج کے پرنسپل ،اسلامک اور اورینٹل لرننگ کے ڈین اور تاریخ ادبیات مسلمانِ پاکستان وہند کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کیا ۔اس دوران ایک سو پچیس کتابیں تحریر کیں۔سبکدوشی کے بعد مدت ملازمت میں توسیع ہوئی،تو دو سال کے لیے حکومت نے انھیں انقرہ ترکی بھیج دیا۔انقرہ یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے پروفیسر کی کرسی خالی تھی۔عبادت صاحب نے وہاں بھی محنت اور لگن سے کام کیا ۔اردو کی اینڈر گریجوایٹ جماعت کے ساتھ ساتھ پوسٹ گریجوایٹ جماعتوں کا بھی اجرا کیا جہاں تحقیقی کام باقاعدگی سے ہونے لگا۔

قیام ترکی کی روداد عبادت صاحب نے ایک سفرنامے کی صورت لکھی ہے۔ جدید ترکیہ کے بارے میں یہ واحد کتاب ہے جس سے ترکی اور پاکستان کے دیرینہ تعلقات اور باہمی محبت آشکار ہوتی ہے۔ تین سال ترکی میں گزارنے کے بعد وہ فراغت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ تو تھی عبادت صاحب کی تعلیمی جدوجہد،اب کچھ ان کے ذاتی اخلاقی پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں۔

میٹرک کرنے تک مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔نہ تو ان سے رشتہ داری تھی اور نہ ہی ان کی کوئی تحریر پڑھی۔لیکن جب کالج میں داخلہ لیا، تو اردو لازمی کے ساتھ ایڈوانس اردو بھی لے لی جس کی استاد بیگم عبادت تھیں۔ یوں ایڈوانس اردو میں عبادت صاحب کی تنقید اور جدید شاعری کو پڑھنے کا موقع ملا۔ اردو نوٹس میں جگہ جگہ ان کا حوالہ موجود تھا۔اس وقت مجھے علم ہوا کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی کا اردو میں بڑا مقام ہے۔اور وہ اردو کے عظیم نقاد ہیں۔

زندگی نے پھر کروٹ لی اور بیگم عبادت کے شوہر میرے جیٹھ بن گئے۔ طالب علمی کے حسین دور سے نکل کر عملی زندگی کا تجربہ بڑا انوکھا تھا۔اب پتا چلا کہ عملی زندگی صرف پھولوں کی سیج نہیں اس میں داخل ہونے کے لیے بڑی سمجھداری کی ضرورت ہوتی ہے۔

حالات کے تلخ وشیریں لمحات انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔زمانے کی تند وتیز آندھی کبھی کبھی انسان کو اڑا کر یہاں سے وہاں لے جاتی ہے۔ان حالات میں کوئی تو ہو جو تحمل سے، دوسروں کے لیے صحیح راہ کا تعین کر سکے۔عبادت بریلوی ایسے ہی انسان تھے۔

ہم سب انھیں ''بھیا'' کہتے۔میں نے بھی انھیں اپنا بھائی ہی سمجھا۔ انھوں نے بھی بھائی بن کر ہر موقع پر میری راہنمائی کی۔ان کے لہجے کا دھیما پن ،انداز کی نرمی اور الفاظ کی چاشنی تھی جس نے مجھے ان کے قریب رکھا۔ بچوں کے کھانے پینے سے لے کر تعلیم، بیماری، دوست احباب، سماجی حالات اور معاشی پریشانی ..... غرض کہ وہ ہر بات کا خیال رکھتے۔

خاموش طبیعت کے تھے۔کہتے تھے، ہم زیادہ بات چیت نہیں کرتے،لیکن سب کے حالات سے باخبر رہتے ہیں۔جب کبھی ان سے بات کرنے کا موقع ملتا،تو اکثر اپنے حالات بھی بتاتے۔ پاکستان بننے کی داستان،اپنے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بچپن کے قصے، طالب علمی سے لے کر لندن تک کا حال۔

ان کے برآمدے کے ساتھ ہی میرا کمرا واقع تھا۔ مجھے بارہا وہاں سے گزرنا پڑتا۔ وہ صبح صبح سیر کر کے آتے، تو برآمدے میں بیٹھ کر چائے پیتے اور اخبار پڑھتے۔ شروع شروع میں جب انھوں نے کہا ''میں کسی سے زیادہ بات نہیں کرتا، لیکن ہر فرد کا جائزہ لیتا رہتا ہوں'' تو یہ سن کر میں ڈر گئی۔ میں نے پوچھا ''مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے کیا؟''

''وہ مسکرا کے بولے ''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔''

دراصل وہ کہنا چاہتے تھے کہ انسان کی خاموشی اسے دوسروں سے غافل نہیں کرتی بلکہ اس کے اندر ٹھہراؤ پیدا کر دیتی ہے۔ اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتی اور جینے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ کاش یہ خوبی ہر انسان میں ہوتی!

وہ روایات کے بھی بہت قائل تھے۔ یعنی جو رسم و رواج شروع سے چلے آرہے ہیں، انھیں ہمیشہ ویسے ہی دیکھنے کے خواہش مند رہتے۔ جیسے ان کے ہاں بن محرم کو چولھا نہیں جلتا تھا۔ وہ اکثر کہتے ''میں تو روایات کا قائل ہوں، ان کو قائم رہنا چاہیے۔''

ان میں جذباتی عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ خاص طور پر انھیں پرانی چیزوں سے لگاؤ تھا۔ مگر مجھے یہ بات عجیب سی لگتی۔ وہ کہتے ''درخت مت کاٹو، کچے پھل نہ توڑے جائیں۔ کسی کیڑے اور جانور کو مت مارو۔ فلاں چیز اپنی جگہ سے کیوں ہٹائی گئی؟

ان کا طرز عمل دیکھ کر میں سوچتی جس کو پرانی اشیا سے اتنی محبت اور روایات کا پاس ہے، وہ انسانوں سے بھی بے لوث ہوگا۔ یہ تھی بھی حقیقت! وہ گھر اور باہر بھی ہر شخص کا خیال رکھتے۔ کسی کو ملازمت کی تلاش ہے، پیسوں کی ضرورت ہے، یا کوئی پریشانی ہے اور مشورہ کرنا چاہتا ہے، بس وہ چٹکی بجاتے اور کام ہو جاتا، جیسے کوئی الہ دین کا چراغ ان کے پاس ہو۔

زندگی کی کڑی دھوپ اور موسموں کی پرکھ ہو، زندگی کے نشیب و فراز یا آندھی کے تند و تیز جھکڑ ہوں، ان سب سے بچ کر انھوں نے چلنے کا سلیقہ سکھایا، طریقہ بتایا۔ میں ان کی شکر گزار ہوں کہ میرے اندر ٹھہراؤ انہی کی وجہ سے آیا۔

انسان زندگی کسی نہ کسی طرح سے گزار ہی لیتا ہے۔ لیکن منزل تک پہنچنے سے قبل اسے اگر راہنمائی مل جائے، تو راہیں کہکشاں ہو جاتی ہیں۔ عبادت بریلوی لوگوں کے راہبر تھے اور راہنما بھی!

قدرتی مناظر بھی ان کے لیے انمول خزانہ تھے۔ پھولوں کی مہک یا جگنو کی چمک، چڑیوں کی چہک اور بارش کی رم جھم سے انھیں عشق تھا۔

اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن ان کی تصویر سب کے دل و دماغ میں سمائی ہوئی ہے۔ عید ہو یا بقرعید، خاندان کی کوئی شادی ہو یا غمی، یکایک قریب، وہ ہر جگہ قریب محسوس ہوتے ہیں..... پان کھاتے، ٹہلتے اور مسکراتے ہوئے!

ان کی غیر موجودگی کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ بات نہیں کرتے۔ تب دل چاہتا ہے، وہ بولیں، ہمارے مسائل کے حل بتائیں اور ہم نہ چاہتے ہوئے بھی ان پر عمل کریں۔ انھیں جو کچھ دینا تھا، وہ دے گئے۔ ہمیں جو لینا تھا، ہم لے چکے۔ ان کی یادیں ہماری ساتھی ہیں اور باتیں ہماری راہبر۔

کاش ایسے لوگوں کی ہماری قوم میں اکثریت ہوتی اور وہ ہمارے ملک کے لیے سرمایہ بن جائے۔ تب ہمارا پیارا وطن نفسا نفسی اور قتل و غارت گری سے پاک ہوتا اور علم کا گہوارہ بن جاتا۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

جس کے کلام نے مچائی دھوم

اُردو کی پہلی مشہور شاعرہ

ادا جعفری کی شاعری کے منفرد اسلوب اور دلکش تراکیب نے سبھی کا دل موہ لیا

عالیہ شاہ

یہ ۱۹۲۴ء کی بات ہے جب بدایوں کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں بیٹی کی پیدائش ہوئی۔ مروجہ روایات کے برعکس اس گھرانے میں لڑکی کو بوجھ نہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے دختر کی پیدائش پر خوشیاں منائی گئیں اور اس کا نام ماں نے بہت چاہت سے عزیز جہاں رکھا۔ عزیز جہاں کی پرورش لاڈ پیار سے ہوئی۔ اسے وہ تمام حقوق ملے جو لڑکوں کو حاصل تھے اور کوئی ناروا پابندی بھی نہیں لگائی گئی۔ عزیز جہاں فطرت سے دلچسپی رکھنے اور اپنے خیالوں میں گم رہنے والی لڑکی تھی۔ اپنی طبیعت کے باعث وہ نو دس سال کی عمر ہی میں شاعری کرنے لگی۔ ماں ادب سے شغف رکھتی تھی۔ لہٰذا اس نے بیٹی کی حوصلہ افزائی کی۔

عزیز جہاں کو کسی قسم کی پابندی یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ چناں چہ وہ کھل کر اپنی غزلوں و نظموں میں جذبات، احساسات اور خیالات بیان کرنے لگیں۔

اس آزادیٔ فکر نے ان کی شاعری کو نہ صرف تروتازگی دی بلکہ یکتا و منفرد بھی بنا دیا۔ انھوں نے اپنا تخلص ادا بدایونی رکھا۔

اس زمانے میں ز۔ ح۔ ش، حیا لکھنوی اور صفیہ ملیح آبادی جیسی شاعرات بھی موجود تھیں۔ لیکن اسلوب کا جو نیا، لفظی جمالیات اور دلکش تراکیب ادا بدایونی کی شاعری میں نظر آئیں، وہ معاصر شاعرات کے ہاں موجود نہیں تھیں۔ اس لیے انھیں اردو شاعری کی پہلی ممتاز شاعرہ کہا جانے لگا۔

۱۹۴۷ء میں ان کی اعلیٰ سرکاری افسر، نورالحسن جعفری سے شادی ہوئی، تو وہ ادا جعفری کہلانے لگیں اور اسی تخلص سے شہرت پائی۔ آپ کا پہلا مجموعہ کلام ''میں ساز ڈھونڈتی رہی'' ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ بعدازاں اُن کی شاعری کے مزید چار مجموعے طبع ہوئے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

نورالحسن جعفری بھی ادیب تھے اور مختلف موضوعات پر کالم لکھتے رہے۔ انجمن ترقی اردو کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۹۵ء میں وفات پائی۔ ادا جعفری مزید بیس برس زندہ رہیں اور ۱۲ر مارچ ۲۰۱۵ء کو دنیا سے رخصت ہوئیں۔ شاعرانہ خدمات کے پیش نظر حکومت پاکستان مرحومہ کو تمغہ امتیاز اور تمغہ حسن کارکردگی سے نواز چکی۔

ادا جعفری کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی آزادی کا بے جا فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ ہی کئی معاصر خواتین لکھاریوں کی طرح مردوں پر حاوی ہونے کی سعی کی برتی۔ انھوں نے مردانہ انا سے تصادم کیے بغیر نرم و نازک شاعری کی اور خاص و عام سے داد پائی۔ مرحومہ کی چیدہ غزلوں و نظموں کا انتخاب پیش خدمت ہے۔

آئے تو سہی.....

ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی، برسرِ الزام ہی آئے
حیران ہیں، لب بستہ ہیں، دلگیر ہیں غنچے
خوشبو کی زبانی، ترا پیغام ہی آئے
لمحات مسرت ہیں، تصور سے گریزاں
یاد آئے ہیں جب بھی، غم و آلام ہی آئے
تاروں سے سجا لیں گے رہ شہر تمنا
مقدور نہیں صبح چلو شام ہی آئے
کیا راہ بدلنے کا گلہ ہم سفروں سے
جس رو سے چلے، تیرے در و بام ہی آئے
تھک ہار کے بیٹھے ہیں سرِ کوئے تمنا
کام آئے تو پھر جذبہ ناکام ہی آئے
باقی نہ رہے ساکھ ادا دشت جنوں کی
دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے

یہ فخر تو حاصل ہے

یہ فخر تو حاصل ہے، بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں
جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں
نازک تھے کہیں رنگ و بوئے چمن سے
جذبات کے آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں
تھے کتنے ستارے کہ سحر شام ہی ڈوبے
ہنگام سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں
جو جھیل گئے بنس کے کڑی دھوپ کے تیور
تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں
جب تیرے تصور نے جلائی نہیں شمعیں
لمحات وہی اپنے دل و جاں پہ کھلے ہیں
خوشبو سے تو اندازۂ شبنم نہیں ہوتا
وہ کون سے نغمے تھے کہ پلکوں میں ڈھلے ہیں
اک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں
ہم گردش رواں سے بڑی چال چلے ہیں

مجھے دیکھنا

نہ غبار میں نہ گلاب میں مجھے دیکھنا
مرے دور کی آب و تاب میں مجھے دیکھنا
کسی وقت شام ملال میں مجھے سوچنا
کبھی اپنے دل کی کتاب میں مجھے دیکھنا
کسی دم میں تم بھی جو بستیوں کو تیاگ دو
اسی راہِ خانہ خراب میں مجھے دیکھنا
کسی رات ماہ نجوم سے مجھے پوچھنا
کبھی اپنی چشم پر آب میں مجھے دیکھنا
میں جو رات بھر غم آفتاب سحر میں تھی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اسی شعلہ رو کے عتاب میں مجھے دیکھنا
اسی دل سے ہو کر گزر گئے کئی کارواں
کئی ہجرتوں کے عذاب میں مجھے دیکھنا
میں نہ مل سکوں بھی تو کیا ہوا کہ فسانہ ہوں
نئی داستاں، نئے باب میں مجھے دیکھنا
مرے خار خار سوال میں مجھے ڈھونڈنا
مرے گیت، مرے خواب میں مجھے دیکھنا
مرے آنسوؤں نے سمجھائی تھی میری تشنگی
اسی برگزیدہ سحاب میں مجھے دیکھنا
وہی ایک لمحہ دید تھا کہ رکا رہا
مرے روز و شب کے حساب میں مجھے دیکھنا
جو تڑپ تجھے کسی آئینے میں نہ مل سکے
تو پھر آئینے کے جواب میں مجھے دیکھنا

راہ کا پتھر

کس کس نے ساتھ چھوڑ دیا دھوپ چھاؤں میں
ذکر وفا نہیں ہے ہماری خطاؤں میں
موج ہوا بھی ریت کی دیوار بن گئی
ہم نے خدا تلاش کیا ناخداؤں میں
شاید ادھر سے قافلۂ رنگ و بو گیا
خوشبو کی سسکیاں ہیں ابھی تک ہواؤں میں
اب کے صبا کے نرم مزاجی کو کیا ہوا
بکھرے پڑے ہیں تازہ شگوفے ہواؤں میں
مقدور بھر جو راہ کا پتھر ہٹا رہے
وہ لوگ یاد آئے ہیں اکثر دعاؤں میں
ویرانیاں دلوں کی بھی کچھ کم نہ تھیں ادا
کیا ڈھونڈنے گئے ہیں مسافر خلاؤں میں

دل ضدی ہے

اُسے کچھ نہ کہو
آنسوؤں سے چہرے مانگے
اور ناکام پھرے
زخموں کی ٹیس سہتا ہے
کرچیاں، کنکر کانٹے چن کر
خوش رہتا ہے
رو لینے دو
جو کہتا ہے کہہ لینے دو
اسے کچھ نہ کہو

بہار کا راگ

ننھی ننھی حسین کلیوں پر!
ہلکی ہلکی سی پڑ رہی ہے پھوار
ہائے ساون کی مست دیوی کے
گھنگھروؤں کی رچی رچی جھنکار
یوں بجاتی ہے لیلیٰ وطرت
دھیرے دھیرے سے بوندیوں کا ستار
عشق کا دیوتا بصد تمکین
ساز دل پر ہو جیسے زمزمہ باز!

کمند انجم و خورشید

ارزاں وہ نگاہیں ہیں زمانے میں کہ جن کو
ہر منظرِ خوش رنگ کے انداز لبھائیں
ہر پھول کے دامن پہ کریں ناز سے سجدہ
ہر غنچۂ نورس کو کلیجے سے لگا لیں
گہ تشنگیٔ خار سے لیں درسِ تشکر
ذروں کو گہے ہمدم و ہمراز بنا لیں
کم یاب ہیں لیکن وہ جہاں سوز نگاہیں
بڑھ کر جو کمند انجم و خورشید پہ ڈالیں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

نقش بر آب

سال ہا سال محبت جو بُنا کرتی ہے
رشتۂ قلب و نظر پیلۂ ریشم کی طرح
ایک جھونکا بھی حوادث کا اسے کافی ہے
پہلوئے گل میں دھڑکتی ہوئی شبنم کی طرح
یہ محبت کے بنائے ہوئے ایوان بلند
ایک ٹھوکر بھی زمانے کی نہیں سہ سکتے
آبگینے یہ بہت نازک و نازستہ ہیں
موج کی گود میں تادیر نہیں رہ سکتے

رحمتِ یزداں

ناز فرما ہے جرأت عصیاں
رائگاں کیوں ہو رحمت یزداں
بادہ آراں تلطف یزداں
کہیں بدلی ہے فطرت انساں
حسین رنگین و دیدۂ حیراں
زندگی اور اس قدر ارزاں
مجھے ساحل پہ اعتماد مگر
ہے یہ توہینِ عظمتِ طوفاں
آپ کی سرگرانیوں کی قسم
ہوں رہینِ نوازشِ پنہاں
زلف برہم، نگاہ ژولیدہ
کس فسانے کا بن گئے عنواں!
کیوں نگاہ کرم ہے آزردہ
درد ہے اب بھی آرزو ساماں
زندگی مسکرا اٹھی ہے ادا
رائگاں کیوں ہو زحمتِ مژگاں

◆◆◆

ماں کی گود

(سانحہ پشاور کی یاد میں)

ماں کی گود سے اب لاش اُٹھا دو لوگو
سرخ چادر کو بھی نظروں سے ہٹا دو لوگو

خون کی چھینٹ میں ایک مہک تھی اُس کی
ماں کی ممتا کو بھی کچھ دیر سُلا دو لوگو

خون کی پیاس سے بیتاب ہوئے تھے کچھ لوگ
دل کی لو بجھ بھی چکی اب راکھ اڑا دو لوگو

اشجار کے دشمن تھے کہ قاتل تھے گُلوں کے
ایسی نفرت کو تو بس آگ لگا دو لوگو

اس سے پہلے کہ شجر کاٹ کے رکھ دے دنیا
شاخ پہ بیٹھے پرندوں کو اُڑا دو لوگو

شہر کے لوگ بھی خاموش تماشائی تھے
متحد ہو کے اک طوفان اُٹھا دو لوگو

میرے قاتل کو بھی کچھ دیر مہلت دے دو
پھر میرے احباب کی تصویریں چھپا دو لوگو

جرم جو بھی کرے، الزام ہمی پر آئے
اب حسینی کو ہی سولی پہ چڑھا دو لوگو

(سید محمد خلیل اللہ حسینی)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

صرف ایک سال میں

۸ کروڑ روپے کمانے والا استاد

جنوبی کوریا میں ٹیوشن پڑھاتے امیر کبیر اساتذہ کا قصہ' اپنے اندازِ تعلیم کی خرابیوں کے سبب ان پر تنقید بھی ہو رہی ہے

عاصم محمود

تعلیمات

اس نے سر پر ہیڈفون جمایا، اپنی آنکھیں بند کیں اور ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ اسٹوڈیو میں گانا گانے لگا۔ مگر چاکل یونگ جنوبی کوریا کا مشہور گلوکار یا اداکار نہیں، گو وہ اپنے ملک میں عوامی شہرت رکھنے والا نوجوان ضرور بن چکا..... وہ ریاضی پڑھانے والا مقبول ترین استاد ہے!

چاکل یونگ کی ساتھی، کلارا البتہ جنوبی کوریا کی جانی مانی اداکارہ ہے۔ لوگ اس کی فلمیں ذوق وشوق سے دیکھتے ہیں۔ مگر اسٹوڈیو میں دونوں ایم ٹی وی (MTV) میں جگہ پانے کی خاطر گانا گانے میں محو نہ تھے ... بلکہ وہ جنوبی کورین طلبہ و طالبات کے لیے "سیٹ جیک پوٹ" (SAT Jackpot) نامی گانا تخلیق کر رہے تھے۔

دراصل چاکل یونگ ریاضی پڑھانے کا اپنا انداز رکھتا ہے۔ کبھی وہ ڈرامے کی مدد لیتا ہے، تو کبھی گانے کی! طلبہ و طالبات اس کے اندازِ تعلیم کو بہت پسند

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کرتے اور جوق در جوق چاکل کے لیکچروں میں شریک ہوتے ہیں۔

لیکن چاکل یونگ کسی کالج یا اسکول میں نہیں پڑھاتا، وہ ''ہاگ وون'' (Hagwon) کا استاد ہے۔ اسے ہمارے ملک کا ٹیوشن سنٹر کہہ لیجیے۔ اس کے سنٹر میں طلبہ و طالبات کو ریاضی میں بھرپور تیاری کرائی جاتی ہے تاکہ وہ کالج کے داخلہ امتحان میں شریک ہوسکیں۔ چاکل یونگ ہر سال ہزارہا طالبان علم کو پڑھا کر آٹھ لاکھ ڈالر (۸ کروڑ روپے سے زیادہ رقم) کماتا ہے۔

۱۹۵۰ء کی کوریائی جنگ کے بعد جنوبی کوریا کا شمار اگلے دس پندرہ برس تک غریب ترین ممالک میں ہوتا رہا۔ ۱۹۶۰ء میں جنوبی کوریا کی فی کس آمدن صرف ۷۹ ڈالر تھی، یعنی کسی قحط زدہ افریقی ملک جتنی! لیکن اس کے بعد جاپان اور ملائیشیا کی طرح جنوبی کورین حکومت بھی تعلیم پر خصوصی توجہ دینے لگی۔ ملک کے طول و عرض میں جابجا اسکول کالج کھولے گئے اور حکومت نے باقاعدہ یہ تحریک چلائی کہ ہر بچہ تعلیم ضرور حاصل کرے۔

شعبہ تعلیم میں بھرپور سرکاری سرپرستی کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج جنوبی کوریا میں ''۹۸ فیصد'' آبادی خواندہ ہے۔ یہی نہیں، ملک کے طلبہ و طالبات سائنس، ریاضی اور انگریزی جیسے اہم ترین موضوعات میں عالمی سطح پر بہترین کارکردگی دکھاتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر جنوبی کورین طالبان علم کو امریکی و برطانوی طلبہ و طالبات سے زیادہ ذہین سمجھا جاتا ہے۔

جنوبی کوریا آج بھی اپنے بجٹ کا ''۲۳ فیصد'' حصہ شعبہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے۔ یہ رقم تقریباً گیارہ ارب ڈالر (۱۱ کھرب روپے) بنتی ہے۔ اس رقم کی جسامت کا اندازہ یوں لگائیے کہ حکومت پاکستان نے جون ۲۰۱۴ء میں چار کھرب روپے کا بجٹ پیش کیا تھا۔ گویا جنوبی کوریا حکومت ہمارے قومی بجٹ سے تقریباً تین گنا زیادہ رقم شعبہ تعلیم کو دیتی ہے۔ ظاہر ہے، اس ملک نے تعلیمی میدان میں سب سے آگے ہونا ہی تھا۔

جنوبی کوریا میں قدرتی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لہٰذا جنوبی کوریوں نے تعلیم کو ترقی و خوشحالی کی سیڑھی بنالیا اور اس کوشش میں وہ خوب کامیاب رہے۔ وہاں تعلیم عام کرنے میں ''ہاگ وونوں'' نے بھی اپنا کردار ادا کیا اور لاکھوں طلبہ و طالبات کو امتحانات میں پاس ہونے اور ترقی کرنے میں مدد دی۔

آج جنوبی کوریا میں ٹیوشن سنٹر کھولنا بہت منافع بخش بن چکا۔ ماہرین کے مطابق وہاں ہر سال یہ ٹیوشن سینٹر میاں ''۲۰ ارب ڈالر'' کی کمائی کرتی ہیں۔ یہ پاکستانی کرنسی میں بیس کھرب روپے سے زیادہ رقم بنتی ہے۔ ان ٹیوشن سنٹروں میں پہلی جماعت سے پی ایچ ڈی تک کے طلبہ و طالبات کو پڑھایا جاتا ہے۔ ایک اچھے ٹیوشن سنٹر میں کی مضمون ماہانہ ۱۵ تا ۲۰ ہزار روپے لیے جاتے ہیں۔

لیکن ہر شے کی طرح یہ ٹیوشن سنٹر خوبیاں اور خامیاں، دونوں رکھتے ہیں۔ ایک طرف ان سنٹروں نے تعلیم کو عام کیا اور یوں جنوبی کوریا اس قابل ہوا کہ ترقی یافتہ و خوشحال ملک بن سکے۔ دوسری جانب اب

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ٹیوشن مراکز کی خامیاں بھی رفتہ رفتہ سامنے آ رہی ہیں..... اور جنوبی کوریوں کو احساس ہو رہا ہے کہ ان کے نقصانات فوائد سے زیادہ ہیں۔

مقابلے کی چوہا دوڑ

سبھی ممالک کی طرح اب جنوبی کوریا میں بھی پرکشش مشاہرے والی ملازمتیں زیادہ نمبر والے لڑکے لڑکیوں کو ملتی ہیں۔ اسی لیے جنوبی کوریا میں مقابلے کا ایسا ماحول بن چکا جس میں کامیابی پانے کی خاطر ہر جائز وناجائز حربہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ماہرین ایسے مقابلے کو ''چوہا دوڑ'' (Rat race) کہتے ہیں جس میں شامل انسان حرام وحلال کی تمیز کھو بیٹھتے ہیں۔

اب یہ حال ہے کہ اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلانے کی خاطر کئی جنوبی کورین خاندان تقسیم ہو چکے۔ ماں اور بچہ امریکا، برطانیہ یا کسی انگریزی بولنے والے ملک میں مقیم ہیں۔ باپ جنوبی کوریا میں رہ کر کام کرتا اور انھیں اخراجات کی رقم بھجواتا ہے۔

بچے کی جسمانی ونفسیاتی صحت

جیسے ہی کسی جنوبی کورین کے ہاں بچہ جنم لے، اسے اعلیٰ تعلیم دلانے کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ والدین پیسوں کی بچت کرنے لگتے ہیں تاکہ اعلیٰ تعلیم کا خرچ اٹھا سکیں۔ دوسری طرف بچے پہ یہ دباؤ پڑتا ہے کہ وہ جماعت میں عمدہ کارکردگی دکھائے اور زیادہ سے زیادہ نمبر لے۔ زیادہ نمبر لانے کی خاطر ہی بچے ٹیوشن سنٹروں میں بھیجے جاتے ہیں۔

کئی والدین اپنا پیٹ کاٹ یا اپنی ضرورتیں کم کر کے ٹیوشن فیس دیتے ہیں۔ بچے وہاں اسکول کے بعد رات گئے تک پڑھائی میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن یہ معمول انھیں مختلف جسمانی و نفسیاتی مسائل میں گرفتار کر رہا ہے۔

مثال کے طور پر اب کئی جنوبی کورین بچے عینکیں لگائے نظر آتے ہیں۔ مسلسل پڑھ کر ان کی نظر کمزور ہو چکی۔ پھر کھیل کے لیے وقت نہ ملنے کے باعث ان کی جسمانی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔ ان میں

جنوبی کورین بچے ٹیوشن سینٹر میں سو رہے ہیں

خودکشی کرنے کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے کہ بہت سے بچے بارہ گھنٹے کا دباؤ برداشت نہیں کر پاتے۔ والدین بھی ان پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ ہر صورت کامیاب ہونا ہے تاکہ خاندان یا معاشرے میں ان کی ''ناک'' بندھی رہے۔

جنوبی کورین ماہرین نفسیات اب والدین پہ زور دے رہے ہیں کہ وہ بچوں پر پڑھائی کا حد سے زیادہ بوجھ نہ لادیں۔ انھیں کھیلنے کودنے کا بھی وقت دیں کہ یہ بھی ذہنی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ بچپن اور

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

لڑکپن کا دور ویسے بھی زندگی میں معصوم شرارتوں اور خوشیوں سے پُر ہوتا ہے۔

او ای سی ڈی (آرگنائزیشن فار اکنامک کوآپریشن اینڈ ڈویلپمنٹ) دنیا کے ۳۴ ترقی یافتہ کی مشہور تنظیم ہے۔ یہ ہر سال رکن ممالک میں تعلیمی صورت حال پر ایک تحقیقی رپورٹ مرتب کرتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق جنوبی کوریا کے طلبہ و طالبات انگریزی پڑھائی (Reading) ریاضی اور سائنس میں بہترین کارکردگی دکھاتے ہیں۔

سکے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب جنوبی کورین بچوں سے پوچھا جائے کہ وہ اسکول میں کتنے خوش رہتے ہیں؟ تو ان کی اکثریت بیزاری اور ناخوشی کا اظہار کرتی ہے۔

جنوبی کورین ٹیوشن سنٹروں کی ایک اور بڑی خامی یہ ہے کہ وہاں "رٹا سسٹم" مروج ہے۔ چناں چہ بچوں سے نصاب سے باہر کوئی سوال پوچھا جائے، تو وہ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ رٹے کے باعث ہی وہ انگریزی بھی صحیح طرح بول نہیں پاتے، البتہ درسی کتب فرفر پڑھتے ہیں۔

تبدیلی کی کوشش

ٹیوشن سنٹروں کی درج بالا خامیوں کے باعث جنوبی کوریا میں وسیع پیمانے پر یہ بحث چل رہی ہے کہ انھیں کیونکر دور کیا جائے؟ ایک طبقے کا کہنا ہے کہ ہزارہا ٹیوشن سنٹروں نے اس لیے جنم لیا کہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم کا معیار اچھا نہیں..... اور اس کی وجہ اساتذہ کی تنخواہیں کم ہونا ہے۔

لہٰذا ٹیوشن سنٹر نظام سے عاجز آئے جنوبی کورین اپنی حکومت پر زور دے رہے ہیں کہ وہ سرکاری اسکولوں کے اساتذہ کو اچھی تنخواہیں دیں۔ یوں انھیں ٹیوشن سنٹروں یا دیگر اداروں میں ملازمت کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ معاشی طور پر آسودہ حال ہوکر طلبہ و طالبات کو عمدہ تعلیم دے سکیں گے۔

پاکستان میں ٹیوشن کی وبا

دلچسپ بات یہ ہے کہ جنوبی کوریا میں حکومت اور والدین، دونوں کی سعی ہے کہ ٹیوشن سنٹروں کی خرابیاں دور کی جائیں۔ ادھر پاکستان میں ٹیوشن سنٹر کھمبیوں کی طرح پھیلتے چلے جارہے ہیں اور یہاں بھی اکیڈمی کھولنا کمائی والا "کاروبار" بن چکا۔

اب عالم یہ ہے کہ نامور نجی اسکولوں کے اساتذہ بھی ٹیوشن سنٹر چلاتے ہیں یا ان سے وابستہ ہوچکے۔ اسی باعث اب وہ بچوں کو پوری توجہ سے نہیں پڑھاتے اور خصوصاً نویں دسویں جماعت کے طلبہ و طالبات کی مجبوری بن چکی کہ وہ امتحانات کی تیاری کے لیے ٹیوشن سنٹر سے بھی رجوع کریں۔

تاریخ انسان سے عیاں ہے کہ بیشمار عظیم دانشور، فلسفی، موجد حتیٰ کہ سائنس دان (مثلاً تھامس ایڈیسن) باقاعدہ طور پر اسکول میں نہیں پڑھے لیکن انسانیت کو بہت کچھ دے گئے۔ خصوصاً وہ ٹیوشن سنٹر کے نام سے بھی ناآشنا تھے۔ لیکن دور جدید میں "چوہا دوڑ" کی وجہ سے ان سنٹروں نے مقبولیت اور اہمیت حاصل کرلی۔

حقیقت یہ ہے کہ جنوبی کوریا کی طرح پاکستان میں بھی ٹیوشن سنٹر تعلیم دینے کے نام پر کاروبار بن چکے۔ وہاں سے عموماً رٹے رٹائے جملے بولنے والے طوطے ہی نکلتے ہیں، تخلیقی صلاحیتیں اور کچھ کر کے دکھانے والا جذبہ رکھنے والے جوشیلے نوجوان نایاب ہی ہیں۔ ◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

آسیہ

جب میری زندگی میں آئی، تو میں موٹر سائیکل کی نشست پر کھسک کر تھوڑا سا آگے ہوگیا۔ حالانکہ پہلے اماں کے لاکھ منع کرنے کے باوجود میں انگریزی فلم کے ہیرو کی طرح موٹر سائیکل کی نشست پہ کھسک کر بیٹھتا تھا۔ جب آسیہ امید سے ہوئی تو میں اس کے پھولے بدن کے سبب مزید کھسک کر تھوڑا سا موٹر سائیکل کی ٹینکی پر آ گیا۔ لیکن جب حماد ایک سال کا ہو کر آسیہ کی گود سے اتر ٹینکی پہ بیٹھنے لگا، تو میں پھر کھسک کر واپس گدی پر آ گیا۔ تب تک آسیہ کا بدن بھی سمٹ گیا تھا۔

جب تین سال بعد نعمان ایک سال کا ہو کر آسیہ کی گود سے اتر حماد کے آگے ٹینکی پر بیٹھا، تو نا ہی حماد اپنی فرنٹ سیٹ اسے دینے پر تیار ہوا۔ اور نہ ہی اس بار آسیہ کے بدن نے پہلی جیسی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کھینچا تانی میں میری پوزیشن مستحکم ہوگئی۔ ایسے میں طیبہ جب ایک سال کی ہو کر ٹینکی پر آئی، تو جیسے انقلاب آ گیا۔ حماد اپنے بڑھتے قد کے سبب ٹینکی سے کھسک کر میرے اور آسیہ کے بیچ پچکا تو ادھر آسیہ کا بدن کھسک کر موٹر سائیکل کے کیریئر سے ہوتا ہوا میں معلق ہوگیا۔ اس ساری صورتحال میں بیوی بچوں کے درمیان میں بظاہر پُرسکون نظر آتا۔ لیکن اپنے بڑھتے پیٹ کے ساتھ بس گزارے لائق ہی سانس لے پاتا۔

میں نے یہ ساری صورتحال کو ایک چیلنج کے طور پر لیا تھا۔ مگر ایک دن اپنی ہی نظروں میں رحم طلب بن بیٹھا۔ ہوا یہ کہ ایک عزیز کی شادی سے نکلتے ہوئے میرج ہال

ایک معصوم روح کی تمنا

”میں امریکا جاؤں گا“

ازدواجی زندگی میں در آنے والے
تلخ حقائق آشکارا کرتا کاٹ دار افسانہ

عبدالوحید

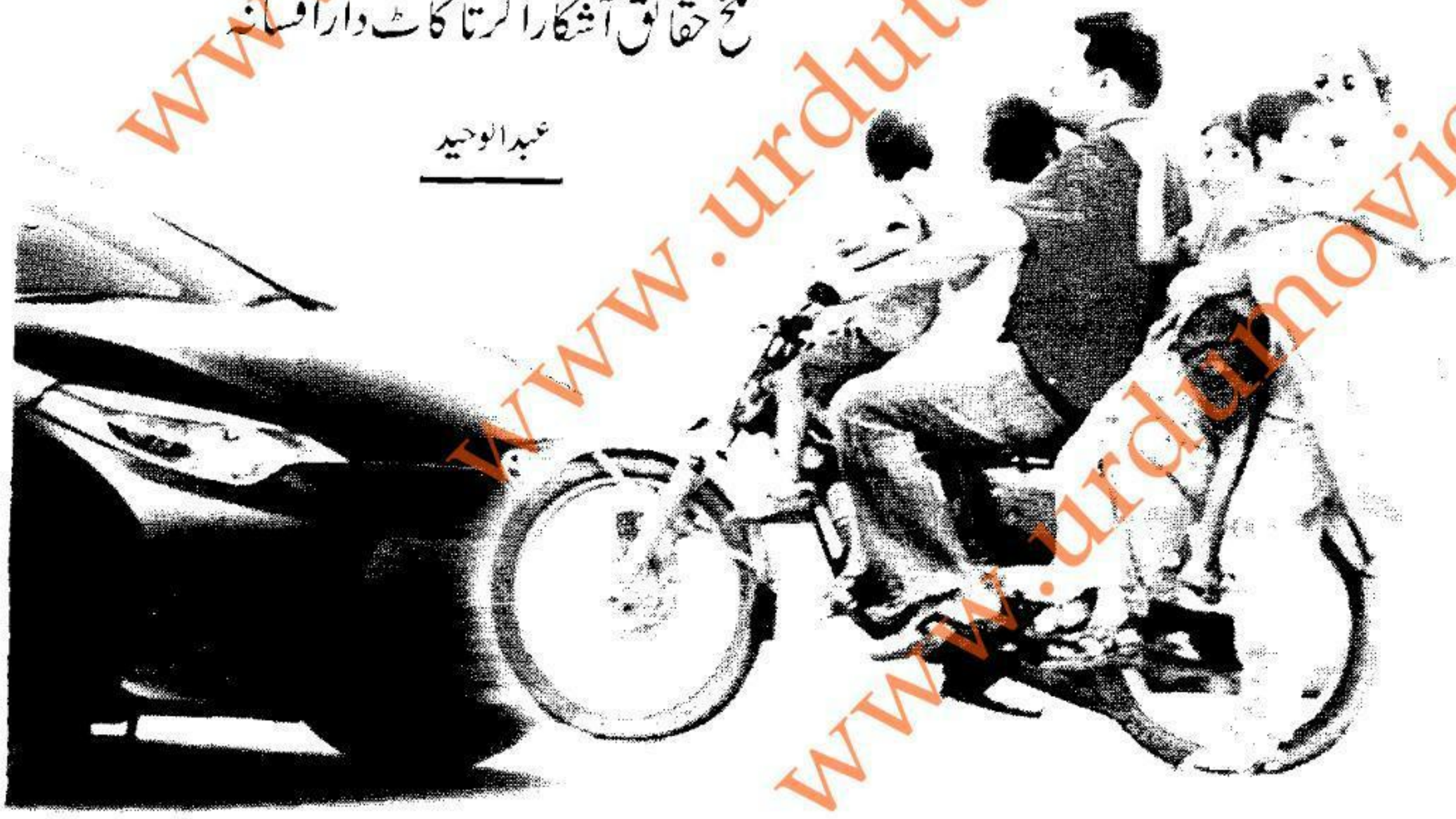

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کے باہر موٹر سائیکل پر بچوں کو ''فٹ'' کر رہا تھا کہ اچانک میرا امریکا پلٹ چچازاد بھائی آفتاب اپنی نئی نویلی دلھن کے ساتھ گاڑی روک رحم بھری نظروں سے سارا منظر دیکھنے لگا۔ اس کی بیوی ہم پر اچٹتی نگاہ ڈال دوسری طرف منہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ منظر کا المیہ کم کرنے کے لیے آسیہ ہوا میں معلق بدن لیے موٹر سائیکل سے اتر گئی۔ لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ میری موٹر سائیکل جو پہلے ہی مختصر سی تھی، اس کی گاڑی کے دونوں دروازوں کے بیچ کہیں ختم ہو گئی۔

پہلے تو آفتاب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ پھر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رک گیا جیسے ٹھیک الفاظ کا چناؤ کر رہا ہو۔ میں سمجھ گیا کہ وہ الفاظ کا چناؤ تو پہلے ہی کر چکا تھا، بس اب وہ وقت کی لگام زیادہ سے زیادہ دیر تک اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے۔ پل دو پل کے تھوڑے سے اس وقفے کے دوران ناچاہنے کے باوجود میرے چہرے کے تاثرات آپس میں گڈمڈ ہونے لگے۔

آخر کار پہلا لفظ منہ سے نکلنے تک میں بطور مجرم اس کے کٹہرے میں کھڑا رحم طلب نظروں سے دیکھنے لگا تاکہ وہ لفظوں کے گھاؤ تھوڑے کم ہی لگائے۔ ہم پانچوں اس کے سامنے مجرم کی طرح کھڑے تھے۔ یا صرف میں مجرم کے طور پر کھڑا تھا اور باقی چار میری نسبت سے مجرم بن گئے۔ آفتاب نے اگلے سے پچھلے پہیے تک ہمارے اردگرد اچانک بننے والی کال کوٹھڑی پر مختصر نظر مارتے ہوئے آواز کا پہلا دھماکا کچھ یوں کیا:

''یار رکشہ ہی کرا لیتے۔ اتنی ٹھنڈ میں بچوں پر رحم کرتے۔ تم بھی نہ ابھی تک وہیں کے وہیں کھڑے ہو جہاں میں چھوڑ گیا تھا۔ اچھا ایسا کرو، بچوں اور بھابی کو میرے ساتھ گاڑی میں بٹھا دو۔ میں تمھارے گھر کی طرف سے گھوم کر چلا جاؤں گا۔ تم اپنی دوزخ کی ٹھنڈ میں لطف لیتے گھر پہنچ ہی جاؤ گے۔ ماشاءاللہ بچوں کی تعداد میں تو کافی ترقی کر لی ہے۔ بس اسی کام میں مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ کوئی بات نہیں، میں بھی تمھارے راستے پر چل پڑا ہوں۔ اس راستے میں بھی تم سے آگے نکلوں گا۔''

اس نے ایک قہقہہ چھوڑ اپنی باتوں کو مذاق کا رنگ دے دیا۔ لیکن میں اس کا پرانا ساتھی ہونے کے باعث قہقہوں کی تمام اقسام سے واقف ہونے کے کرب سے گزرنے لگا۔ اس نے ایک ہی لمحے میں مجھ پر کئی وار کیے۔ وہ زخم لگا کر ان پر کھرینڈ جما اسے کچے زخموں سے اتار بھی رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا، حماد میرے پیچھے سے چھلانگ لگا گاڑی کے پاس کھڑا ہو کر اسے للچائی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس میں بیٹے کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔

اسے گاڑیوں کا بہت شوق تھا۔ روز رات کو سونے سے پہلے مجھ سے اپنی ویڈیو گیم کی فراری، میکلارن اور جیگوار کے بارے میں باتیں کرتا۔ موٹر سائیکل پر میرے ساتھ جاتے ہوئے راہ چلتی گاڑیوں کے نام پڑھتے اپنے لیے گاڑی چن لیتا۔ ساتھ ہی ساتھ گاڑی حاصل کرنے کی معصوم تراکیب بھی بتاتا۔ جب سے اس نے نیشنل جیوگرافک چینل پر مرسڈیز کار بنتے دیکھی تھی، اس پر انجینئر بننے کا شوق سوار ہو گیا۔ گوبر کی گیس سے فیکٹری چلانے کا آئیڈیا روز رات کو میرے سامنے دوہراتا۔

کچھ ہی دنوں میں اس نے اپنے سات سالہ ذہن

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کے ساتھ پوری فیکٹری ڈیزائن کر لی۔ اب بس اسے اپنے بڑے ہونے کا انتظار تھا تاکہ وہ انجینئرنگ پڑھ سکے۔ وہ اردگرد سڑکوں پر بکھری گاڑیوں پر اپنا بھی حق سمجھتا تھا۔ میں نے اسے ایک بار سمجھانے کی کوشش کی بھی کی۔ لیکن اس دن ثابت ہوا کہ بچے کو دلائل سے تقدیر کا فلسفہ سمجھانا بہت مشکل ہے۔ جبکہ اس نے زندگی میں کوئی ناکامی بھی نہ دیکھی ہو۔

لیکن اس رات امریکا پلٹ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ میرے ہی کور کمانڈر مجھ سے بغاوت پر آمادہ نظر آنے لگے۔ لیکن افسوس اس بات کا کہ یہ حملہ کسی بریکنگ نیوز کا حقدار نہیں تھا۔ حماد اپنے پسندیدہ بلی چوہے والے کارٹون کے جیری کی طرح للچایا گاڑی کے پاس پہنچ گیا۔ اسے پکڑنے کے لیے جب آسیہ گاڑی کے پاس گئی، تو آفتاب نے ایک اور حملہ کیا:

"بھابی! یہ تو سوچتا ہی رہے گا، آپ بچوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھیں۔ یہ اسی طرح سوچتا رہے گا اور دنیا کہیں کی کہیں پہنچ جائے گی۔"

پتا نہیں سردی زیادہ تھی یا آفتاب کا جملہ اتنا ٹھنڈا کہ آسیہ بھی گاڑی کے قریب سکڑ کر میری طرف انتظار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے گلے کی آواز سے وہ میری کیفیت کا اندازہ لگائے، اس لیے گردن کے اشارے سے اسے جانے کا کہہ دیا۔ وہ بھی شاید اسی انتظار میں تھی، جلدی سے بچوں کو لیے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

میں ایک بار پھر آفتاب کے مزید کسی تلخ جملے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن وہ مجھ پر فاتحانہ نظر ڈالتا رخصت ہو گیا۔ اس کی بیوی ساری صورتحال سے لاتعلق مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ گاڑی کچھ زیادہ ہی جلد آنکھوں کے سامنے سے رخصت ہو گئی۔ میں لٹا پٹا کچھ دیر وہیں کھڑا ان بحثوں کے متعلق سوچنے لگا جو میرے اور آفتاب کے درمیان اس کے امریکا جانے سے پہلے ہوتی تھیں۔

ان دنوں میرے اندر بہت توانائی تھی۔ میں کچھ ایسا کرنا چاہتا تھا جو اس دنیا میں میرے سوا کوئی اور نہ کر سکے۔ شاید ایسا سوچنے کی وجہ یہ تھی کہ میں عمر کے اس حصے میں تھا جب اپنے حوالے سے تب سب کچھ منفرد ہی نظر آتا ہے۔ اس عمر میں بندہ بہت کچھ کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ میں اپنے ملک میں ہی رہ کر قسمت آزمانا دکھانا چاہتا تھا۔ جبکہ آفتاب اپنی آنکھوں میں امریکا کے خواب بسائے مجھے حقیقت پسند بننے کا کہتا رہا۔ وہ پھر امریکا چلا گیا اور وہاں پیسا کمانے لگا۔ اور میں بہ حیثیت کلرک اپنے ملک کے لیے کچھ "منفرد" کام کرنے لگا۔ میں کسی نا کسی طور اپنے تئیں خوش ہی جی رہا تھا۔ لیکن رات کے واقع نے میرا تن بدن میں آگ لگا دی۔ ایک ہی پل میں وہ میرے بیوی بچوں کو مجھ سے چھین کر لے گیا۔

گھر تک پہنچتے پہنچتے باقی تمام باتوں پر سے میرا دھیان ہٹ چکا تھا۔ لیکن اس کا ایک دعویٰ میرے دماغ میں اٹک سا گیا۔ وہ میرے بچوں کی تعداد کو بھی مقابلے کے طور پر لے رہا تھا۔ شاید وہ اس لیے اپنی جیت کے بارے میں پُرامید ہو گیا کہ میرے پاس موٹر سائیکل پر اب مزید جگہ نہیں بچی تھی۔ جبکہ اس کی گاڑی میں ابھی بہت سی جگہ باقی تھی۔ سوچ کی اس جنگ کے دوران سخت ٹھنڈ کے باوجود میرے ماتھے پر پسینہ آنے لگا۔ گھر پہنچا تو آسیہ پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں نے اس سے سرد مہری کا برتاؤ کیا۔ معلوم نہیں کیا وہ جان گئی کہ ایک ناکام مرد اسے تھوڑی دیر پہلے کی بے وفائی کی سزا دے رہا تھا۔

اس رات کے بعد جیسے میری اپنے آپ سے جنگ چھڑ گئی۔ بیوی بچوں کی چھوٹی بڑی ضرورتیں جنھیں پہلے میں ہنس کر ٹال دیتا تھا، اب میرا گریبان پکڑنے لگیں۔ کچھ ہی دنوں میں میرا وجود بیوی بچوں کی خواہشوں کے طوفان سے اٹ گیا۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیوی بچوں کی خواہشیں اپنے سینے پر سجانے لگا۔ آسیہ کے بار بار پوچھنے کے باوجود میں اسے کچھ نہ بتا پاتا۔ بچے بھی میرے گھر آنے پر کچھ دیر میرا طواف کرنے کے بعد اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے۔ وہ بچے جن کا مستقبل مجھے بہت روشن لگتا تھا، اب میری ہی تاریکیوں میں غوطے کھانے لگے۔

آسیہ جو شروع شروع میں یہ اسی طرح سوچتا رہے گا اور دنیا کہیں میری خاموشی کو نظر انداز کر رہی تھی، کی کہیں پہنچ جائے گی۔
اب فکر مند نظر آنے لگی۔ بچے میرے اردگرد منڈلاتے ہوئے نا جانے کیا کرتے رہتے۔ آسیہ میری توجہ اپنی طرف نہ پا کر مجھے بار بار ہلا ہلا کر مائل کرتی۔ وہ بھی مجھے اس رات کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی تھی۔ جب سے وہ آفتاب کی گاڑی پر چڑھی تھی، وہ بھی میری طرف پیٹھ کر کے اتر گئی۔ اس کی باتوں سے بظاہر یوں لگتا جیسے اسے سارا گلہ یہ تھا کہ گاڑی میں دوران سفر اس نے آفتاب کی بیوی کو دو تین بار مخاطب کیا۔ لیکن وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے صرف ہوں ہاں ہی کرتی رہی۔

شاید آسیہ کو دکھ تھا کہ اس کی کسی بات کا اسے جواب نہیں ملا۔ کھڑکی سے پار دیکھتی آفتاب کی بیوی کی بے نیازی ابھی تک اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ روزانہ رات کو میرے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اپنے اندر یہ کھوج لگاتی کہ درحقیقت اسے اس رات کی حقیقی چبھن کیا تھی؟ عام حالات میں اگر آسیہ میری ماں کے موضوع سے ہٹ کر کوئی بات کرتی تو وہ میرے لیے نعمت کے لمحات ہوتے۔ لیکن وہ تو ہر رات میرے سامنے میرا ہی سینہ کھول کر دکھ دیتی۔ مجھے تب اپنی ذات کے اندر عجیب زیاں کا احساس ہوتا۔

وہ سوال جو اس رات سے شروع ہوا تھا کہ کیا میں نے سارا کچھ کھو دیا؟ مجھے روندتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنی تمام تر وحشت کے ساتھ میرے سامنے آ رہا تھا۔ آخر ایک رات آسیہ نے بے اختیاری میں کہہ ہی دیا: ”کیا آپ امریکا جا کر نوکری نہیں کر سکتے؟“

بظاہر بات سادہ سی تھی۔ لیکن میں جس بات سے لاشعوری طور پر آنکھیں چرا رہا تھا، وہ آسیہ نے میرے شعور پر دے ماری۔ آسیہ کے اندر بھی اس رات سے برابر آگ لگی تھی۔ امریکا جانے والی بات سن کر جب میں نے اپنے اندر کھوج لگانے کی کوشش کی، تو مجھے اپنے اندر کے شکستہ کھنڈرات کی تاریخ اس رات سے بہت پرانی لگنے لگی۔ میں جسے کچھ کر دکھانے کا جذبہ سمجھتا تھا، وہ حقیقت میں میرے کسی خوف کا سجا سجایا لباس تھا۔ ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ میرے جیسا عام آدمی ملک کے اندر رہ کر اور کیا نیا کام کر سکتا تھا؟

اس رات آسیہ تو فقط ایک جملہ کہہ کر چلی گئی لیکن میں اپنی سوچوں کے بہاؤ میں لڑھکتا چلا گیا۔ ابھی میرا سفر جاری ہی تھا کہ حماد بھاگتا ہوا آیا اور آ کر میرے سینے

> **1111**
> آپ بچوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھیں،

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

پر سوار ہو گیا۔ وہ نیشنل جیوگرافک چینل پر پیرس شہر کے نکاسی آب کا پورا نظام دیکھ کر آیا تھا۔ اس نے آتے ساتھ ہی پورے پیرس میں نکاسی آب کے نالوں کا نقشہ میرے سامنے کھول دیا۔ گندے پانی کو ری سائیکل کرنے کی تفصیلات بتاتے ہوئے وہاں کے عملے کی کارگزاریاں بھی سناتا رہا۔ خاص طور پر زیادہ بارش کی صورت میں اضافی پانی کھکانے لگانے کے لیے زیرِ زمین بچھے بڑے پائپوں کے بارے میں بتاتے ہوئے اس کی چمکیلی سکرین آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک تھی۔ جیسے وہ خود بھی ایک نئی دنیا من میں بسا رہا ہو۔

کمرے سے جاتے ہوئے حماد نے پھر اپنے انجینئر بننے کے عزم کو دہرایا۔ عام حالات ہوتے تو میں سب سے پہلے اس کی تعلیم کے انشورنس پلان کی رقم کے بارے میں اندازہ لگاتا کہ آیا وہ پندرہ سال بعد بھی مناسب رہے گی یا نہیں؟ ساتھ ہی حماد کا تخلیقی شعور وسیع ہونے کے بارے میں سوچ کر اندر ہی اندر خوش ہوتا۔ لیکن اب تو میں اپنی ہی خود شناسی سے محروم ہوا بیٹھا تھا۔ میں زندگی میں کیا کرنا چاہتا تھا..... اس رات کے بعد میری زندگی کا یہ بہت بڑا سوال بن گیا۔ لیکن بجائے اس کے کہ میں سوال میں سے جواب لے کر ابھرتا، اتنا ہی ڈوب گیا۔ وہ باتیں جنھیں میں وقتی طور پر زندگی کے لیے ضروری ''ایڈجسٹمنٹ'' سمجھتا تھا، مجھے میری ہی نظروں میں گرانے لگیں۔

نجانے کیسے انہی سوالوں کے ساتھ آخر کار میں اپنی نظروں سے بچتے بچاتے ساری کارروائی پوری کرتے امریکی سفارت خانے کے دروازے سے اندر گھس گیا۔ میں کافی پُرامید تھا کہ میرا ویزا لگ جائے گا۔ کیونکہ اندر کے چکر میں پہلے ہی جھٹکے میں کانوں سے اتر سنار کے قدم رکھنے سے پہلے میں کئی مزاروں پر نیاز دلانے کی منتیں مان چکا تھا۔ اور تو اور ایک پرانی منت جو پوری ہو چکی تھی اور جس کی نیاز دلانا میں بھول ہوا تھا، وہ بھی میں نے سفارت خانے جانے سے پہلے دلا دی۔ ڈر تھا کہ کہیں وہی میرے آگے نہ آ جائے۔

اس کے باوجود سفارت خانے کے اندر قدم رکھتے ہی میرا خوف بڑھتا گیا۔ کیونکہ میں نے باہر جانے سے کچھ زیادہ ہی امیدیں لگا لی تھیں۔ نجانے کیوں صبح سے میرے دل کی دھڑکن بہت تیز تھی۔ صبح سے ہی زبان پر مقدس کلمات کا ذکر جاری تھا۔ میں ہی کیا سفارت خانے میں بیٹھے ہر شخص نے اپنے ہونٹوں پر کوئی نہ کوئی ذکر سجایا ہوا تھا۔ وہاں ہر کوئی اپنے خواب لے کر آیا۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے میں نے کئی لوگوں کو آنکھوں میں آنسو لیے شیشے کے کیبنوں سے انٹرویو دے کر باہر آتے دیکھا۔ کبھی کوئی بوڑھا جوڑا ایک دوسرے کو دلاسا دیتا ہوا باہر آ رہا تھا، تو کبھی کوئی دوبارہ مسترد ہونے پر انٹرویو لینے والے سے غصے میں بحث کرتا دکھائی دیتا۔ ایسے میں میری ٹوٹتی امیدوں نے میرے اندر خوف کا ایک بہت بڑا پہاڑ بنا دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے میں انٹرویو لینے والے کے سامنے پیش ہوا۔ سوالوں کے جواب دیے۔ مسترد ہو کر زبان پر گالیاں سجائے آنکھوں میں جھلملاتے آنسوؤں لیے ایک بار پھر دوزخ کی راہ والی۔ وہاں ایک بار پھر مجھے باہر بیٹھے لوگوں کی نظروں کے سامنے شرمندہ شرمندہ گھومنا تھا۔

سفارت خانے سے گھر واپس آتے ہوئے مجھے آسیہ کے طلائی کانٹوں کا دکھ ہونے لگا۔ وہ باہر جانے میں کافی پُرامید تھا کہ میرا ویزا لگ جائے گا۔ کیونکہ اندر

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

پاس جا چکے تھے۔ گھر لوٹا تو آسیہ میرے بوجھل قدموں سے اندازہ لگا کر سامنے کھڑی رونے لگی۔ میں نے بھی اس کے خالی کان دیکھتے ہوئے خود کو آنسوؤں کے حوالے کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں بچے وہاں آ کر ہم دونوں کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے قریب کھڑے ہو گئے۔ باقی بچے تو خاموش رہے جبکہ حماد ہم دونوں سے رونے کی وجہ پوچھتا رہا۔

میں نڈھال ہو کے اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ گیا۔ آسیہ بچوں کو لیے ٹی وی والے کمرے میں چلی گئی۔ اس سے پہلے کہ میں بستر پر لیٹ کر اپنی سوچ میں ادھر ادھر بھٹکتا، آسیہ میرے پاس آ کر کہنے لگی: ''میرا خیال ہے، آفتاب کی بیوی اس سے خوش نہیں۔ آفتاب نے کئی بار اسے بلایا بھی لیکن وہ مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ باتوں باتوں میں آفتاب نے یہ بھی بتایا کہ جو مزہ اپنے ملک میں گاڑی چلانے کا ہے، وہ باہر نہیں ملتا۔ وہاں سبھی پاکستانیوں کے پاس گاڑی ہوتی ہے۔ اسی لیے اس نے بیوی کو ادھر ہی رکھا ہوا تھا ورنہ اپنے وطن سے رابطہ بالکل کٹ جاتا۔ بقول اس کے وہ باہر بیٹھ کر اپنے بہن بھائیوں کے زیادہ کام آ رہا ہے۔ اس نے کئی گھروں کا ماہوار خرچہ بھی لگایا ہوا ہے۔ آپ کی تنخواہ کا پوچھتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ گزارہ ٹھیک ہو جاتی ہے؟ میں نے کہہ دیا کہ ہماری زندگی اچھی کٹ رہی ہے۔ شاید وہ ہمارا بھی مہینا لگانا چاہتا تھا۔ پہلے اس لیے نہیں بتایا کہ آپ کو برا لگے گا۔''

یہ کہہ کر آسیہ چلی گئی۔ میں کمبل اوڑھ کر بند آنکھوں سے دیکھنے لگا کہ آفتاب مجھے پچکارتے ہوئے میرے ہاتھوں میں کشکول پکڑا رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں کشکول میں پڑنے والے پہلے سکے کی آواز سنتا، مجھے حماد کی آواز آئی:

''بابا جانی کمبل ہٹائیں، آپ سے بات کرنی ہے۔''

''ہاں بات کرو، میں سن رہا ہوں۔'' میں نے کمبل ہٹائے بغیر کہا۔

''بابا جانی مجھے بڑے ہو کر انجینئر نہیں بننا۔''

''تو پھر کیا کرو گے؟'' میں نے تالنے والے انداز میں پوچھا۔

''بابا جانی! میں بڑا ہو کر امریکا جاؤں گا۔''

میں نے جلدی سے کمبل اتار کر حماد کو دیکھا، مجھے پہلی بار اپنے بیٹے کا چہرہ بہت دھندلا دکھائی دیا۔

◆◆◆

فن

☆ کوئی بھی علم اور فن ہو، اسے حاصل کرنے کے لیے شعور و محنت درکار ہے۔ (بقراط)

☆ خاموشی گفتگو کا بہت بڑا فن ہے۔ (ہزلٹ)

☆ جو شخص ایک شخص روپیہ چرائے، وہ چور ہے اور جو ایک لاکھ، وہ فنکار ہے۔ (برنارڈ شا)

☆ جو فن روحانی آسودگی میں اضافہ نہیں کر سکتا، وہ فن نہیں۔ (مہاتما گاندھی)

☆ عالم کو چاہیے کہ وہ اپنے علوم اور فون کی روشنی میں پھلائیں اور جہالت اور بے علمی کو دور کریں۔ (فرینکلن)

☆ فن کا اول و آخر مقصد خوبصورتی ہے۔ (گیٹے)

(مراسلہ: اویس شیخ، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ایم کیو ایم شدت پسند تنظیم میں کیسے ڈھل گئی..... حیرت انگیز انکشافات ۲۴

اپریل 2015ء

اُردو ڈائجسٹ

www.urdudigest.com
urdudigest.pk
urdudigest

ڈی ویلیرز کی ڈرامائی داستان حیات
۸۹

PDFBOOKSFREE.PK

کاروبار کا ایڈونچر ضرور کیجیے

کروڑپتی بننے کے گُر

کامیابی آپ کے قدم بھی چوم سکتی ہے! صفحہ ۵۴

کراچی ڈوبنے کا خطرہ
ماہرین کی رائے ۶۹

۸ کروڑ روپے
کمانے والا اُستاد ۱۲۰

مفتی تقی عثمانی
کی بیگم کا دلچسپ انٹرویو ۴۰

www.pdfbooksfree.pk

325-G-III
فون نمبر 35290701-042 فیکس 35290703-042
ای میل [illegible] ویب سائٹ [illegible]

Full Circulation: ALL PAKISTAN + OVERSEAS 100,000*

Back Cover Title	50,000 Monthly
Back Cover Inside	35,000 Monthly
Title Inside	35,000 Monthly
Full Page Color Inside	25,000 Monthly

Full Page	15,000 Monthly
Half Page	7,500 Monthly

Title Banner	25,000 Monthly
Side Banner	30,000 Monthly
Pop up	20,000 Monthly

Govt Rate applied approved by PID
* Print Plus Digital

Technical Data

Full Page
18 x 14 cm
Half Page
9 x 14 cm
Column
3

Mode of Payment

Payment

Through Bank of Punjab Branch
Samnabad Branch code 0110
Account No 110-800380
or Online payment on mentioned account detail

For more Information Contact us Any time: [illegible]

Note: Ads Should be Delivered before18th of every month

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

TM

Inspired by Nature

برائٹو

پینٹ

اینڈ

وارنش

صاف دیوار ... ایک ہاتھ کی دُوری پر!

دیواروں سے ضدی داغ بھائے ... برائٹو وارنش!

کیچپ، انک اور کافی
جیسے داغ ہوجائیں صاف!

Brighto
PAINTS

brighto.paints | Toll Free 0800-1973 | www.brightopaints.com

www.pdfbooksfree.pk

JOIN OUR FACEBOOK PAGE FOR MORE EXCITEMENT

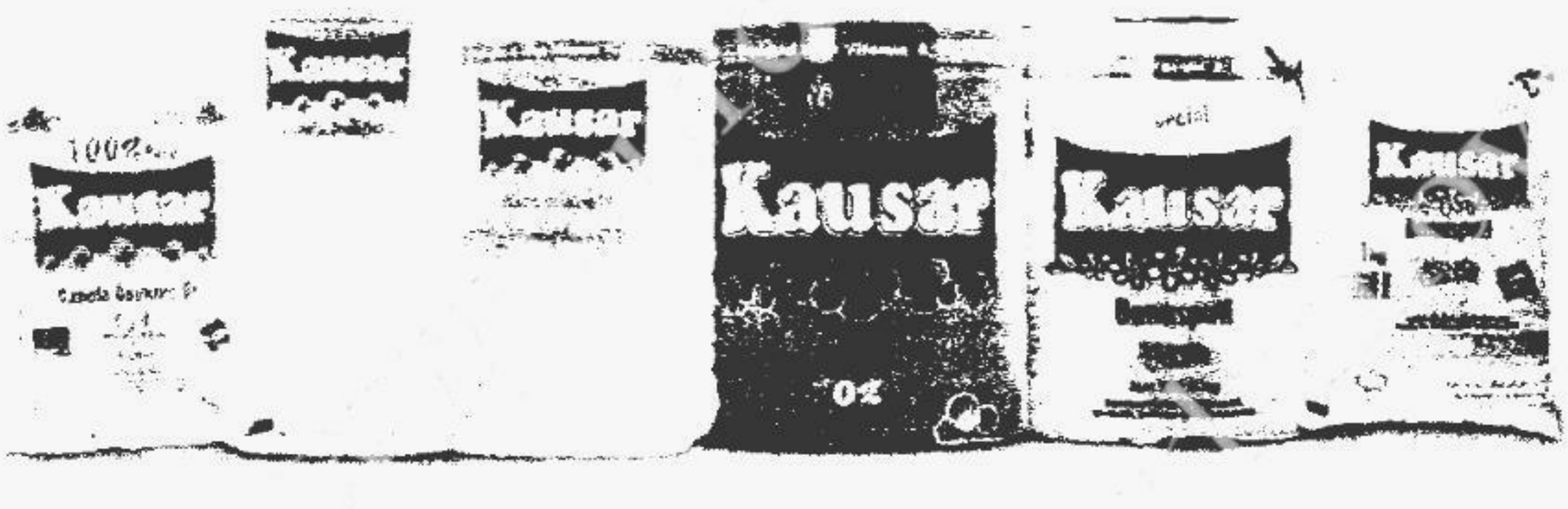

Pakistan Standards

) Facebook.com/KausarCookingOils

Every time you purchase our products **Kausar** will donate [illegible]
Shaukat Khanum Memorial Cancer Hospital and Research Centre.

www.pdfbooksfree.pk

کاروان علم فاؤنڈیشن رجسٹرڈ قائم شدہ 2004ء

ملک وقوم کی خدمت کے دس سال

الحمدللہ

4,359

کم وسیلہ مگر باصلاحیت طلباوطالبات کو

ساڑھے آٹھ کروڑ روپے

سے زائد کے وظائف جاری کیے جاچکے ہیں۔

اب یہ طلباوطالبات برسرروزگار ہوکر اپنے خاندانوں کو غربت اور جہالت سے نکال رہے ہیں۔

682

مزید کم وسیلہ باصلاحیت طلباوطالبات کی درخواستیں سال 2014-15 کے لئے مندرجہ ذیل شعبوں میں زیرغور ہیں

ایم بی بی ایس	181	ایم اے	31	بی ایس آنرز	120	بی اے	10
ڈی وی ایم	09	ایم بی اے/ایم پی اے	06	بی اے آنرز	07	ایم فل	03
ڈی فارمیسی	14	ایم بی آئی ٹی	01	بی بی اے	06	ایل ایل بی	02
فزیوتھراپی	05	ایم کام	07	بی ایڈ	03	اے سی سی اے	04
بی ڈی ایس	09	بی ایس مینجمنٹ	167	بی ایس ایڈ	03	سی ایم اے	02
ایم ایس سی	14	بی کام	05	ایم ایڈ	01	ایف ایس سی	25

ایف اے	14		
آئی کام/آئی سی ایس	03		
ڈی اے ای	12		
بی ٹیک	03		
میٹرک	04		
انٹرمیٹرک	11		

www.pdfbooksfree.pk

آپ کے تعاون نے بدلی ہے ان کی زندگیاں

صائمہ گلزار
(انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ کمیونیکیشن ٹیکنالوجی، لاہور)
(ایک سال کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

ربیعہ حمید
(نیشنل فیڈریشن آف ایجوکیشن ایسوسی ایشن، ایبٹ آباد)
(ایک سال کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

عبدالرشید
(انسٹی ٹیوٹ آف فزیکل میڈیسن اینڈ ریہیبلی ٹیشن، کراچی)
(ایک سال کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

وقار
(ویژوئل کمیونیکیشن ڈیزائن، انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ ڈیزائن، لاہور)
دلشاد رشید
(بیچلر آف ویژوئل کمیونیکیشن ڈیزائن، انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ ڈیزائن، لاہور)

نبیہ مسعود
(نیشنل کالج آف آرٹس، شعبہ گرافک ڈیزائن، لاہور)
(ایک سمسٹر کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

محمد بلال
(بیچلر آف ویژوئل کمیونیکیشن، انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ ڈیزائن، لاہور)
(ایک سمسٹر کی فیس کا ذمہ لیا گیا)

میزان بنک سمن آباد، لاہور پاکستان — اکاؤنٹ نمبر 0240 0100882859

بنک آف پنجاب سمن آباد، لاہور پاکستان — اکاؤنٹ نمبر 0110 002 000424 0003

بنک آف پنجاب شاہراہ فیصل کراچی پاکستان — اکاؤنٹ نمبر 0247 002 000827 0003

لاہور 19/21 ایکڑ اسکیم، ایوان اردو ایکسٹ سمن آباد، لاہور فون: 042-37522741-42 فیکس: 042-37552576

آفس موبائل: 0321-8461122, 0333-8461122, 0345-8461122 ای میل: info@kif.com.pk

کراچی آفس: 3/1 جی، بلاک 6۔ پی ای سی ایچ ایس، کراچی فون 021-34382303 فیکس 021-34532420 موبائل 0300-9280487

اسلام آباد آفس: کمرہ نمبر 5 فرسٹ فلور مسرت آرکیڈ G-11 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2220933 موبائل 0300-8187044, 0321-5587250

USA Address: 'Karwan-e-ilm Foundation' 19-West 34th Street 1024, New York, NY 1001.
Ph: (212) 268-3500/3501, Fax: (212) 268-3502

www.pdfbooksfree.pk

Copyrighted material

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کا قرآن

اللہ کی یاد

اور جس نے میری یاد سے منہ موڑا، تو اس کے لیے زندگی تنگ ہوگی (یعنی کثرت مال واسباب سے بھی اس کو سکون حاصل نہیں ہوگا) اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے O وہ کہے گا اے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا اور میں تو دیکھنے والا تھا O اللہ فرمائے گا اس لیے کہ تمھارے پاس ہماری آیتیں پہنچی تھیں پھر تو نے ان کو بھلا دیا۔ اسی طرح آج ہم تجھے بھلا دیں گے O آنکھوں کا بہترین استعمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو پڑھا یا جائے۔ ان کو یاد رکھا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۶۔۱۲۴)

رسول ﷺ کا فرمان

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھیں

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید کو پڑھو اس وقت تک جب تک تمھارا دل اور زبان ایک دوسرے کے مطابق ہو اور جب دل و زبان میں مطابقت نہ رہے، پڑھنا چھوڑ دو۔''

(صحیح بخاری کتاب ۶۶۔ باب ۳۷ مسلم کتاب العلم۔ باب ۔۱)

قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہنے کی فضیلت

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس مومن کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا رہا ہے نارنگی کی سی ہے جس کی خوشبو بھی عمدہ ہے اور ذائقہ بھی عمدہ ہے اور قرآن نہ پڑھنے والا منافق اندرائن کے پھل کی طرح ہے جس میں خوشبو بھی نہیں ہے اور مزا بھی کڑوا ہے۔''

(بخاری کتاب ۷۰۔ باب ۳۰: مسلم کتاب صلاۃ المسافرین۔ باب ۔۳۷)

www.pdfbooksfree.pk

Copyrighted material

اخوت

اخوت

Buy a Brick & Build a University

اخوت دنیا میں بلاسود قرضوں کا سب سے بڑا پروگرام ہے (الحمدللہ)۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر قرض بلاسود ہوسکتا ہے تو تعلیم بھی بغیر فیس کے ہوسکتی ہے۔ اخوت یونی ورسٹی میں مستحق خاندانوں کے باصلاحیت بچے پڑھیں گے۔ آپ بھی ایک اینٹ خرید کر یونی ورسٹی کے بانیوں میں شمار ہوسکتے ہیں۔ ایک اینٹ کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔ آپ ایک، دو، دس، بیس، سو ہزار یا اس سے بھی زیادہ اینٹیں خرید سکتے ہیں۔ آیئے پاکستان تعمیر کریں۔

آیئے یونی ورسٹی کے بانیوں میں اپنا نام لکھیں

■	Bank Name	Habib Bank Limited
	Account Title	Brotherhood Education Trust Akhuwat University
	Account No	50097900694355
	IBAN No	PK36 HABB 0050 0979 0069 4355
	Address	Islamic Banking Branch Ali Block New Garden Town LHR
■	Bank Name	Meezan Bank Limited
	Account Title	Akhuwat
	Account No	0100097547
	IBAN No	PK79MEZN0002220100097547
	Swift Code	MEZNPKKAXXX
	Address	House # 6 Block -2 Sector C 1 College Road Township LHR
■	Bank Name	Burj Bank Limited
	Account Title	Akhuwat
	Account No	7401105860000442
	IBAN No	PK50BURJ7401105860000442
	Swift Code	BURJPKKAXXX
	Address	6-D Main Road Shah Alam Market LHR

اخوت ہیڈ آفس: 19۔ سوک سنٹر، سیکٹر اے ٹو، نزد ہمدرد چوک، ٹاؤن شپ، لاہور

فون: +92-42-35122743, 35156382

ای میل: info@akhuwat.org.pk ویب سائیٹ: www.akhuwat.org.pk

www.pdfbooksfree.pk

Copyrighted material

اپریل 2015ء
جمادی الثانی 1436ھ
جلد نمبر 55 شمارہ نمبر 4
www.urdudigest.pk ، urdudigest.com

ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی
الطاف حسن قریشی
طیب اعجاز قریشی
عاصم محمود
غلام سجاد
حافظ افروغ حسن، نوید اسلام صدیقی، سلمیٰ اعوان
فاروق اعجاز قریشی
افنان کامران قریشی
خالد محی الدین
عبدالرحمن، اشرف سکندر

ڈائریکٹر: ڈاکٹر اعجاز قریشی 0300-8460093

advertisement@urdu-digest.com
مینیجر ایڈورٹائزمنٹ: عمر اسلم 0300-4005579
لاہور: ندیم حامد گوجرانوالہ: احسان اللہ بٹ

subscription@urdu-digest.com خریداری کے لیے رابطہ
19/21 ایڈیشنل سمن آباد، لاہور فون 92 42 37589957
پاکستان 1560 کے بجائے 1000 روپے میں
بیرون ملک 60 امریکی ڈالر
اندرون و بیرون ملک سے خریدار اپنی رقم بذریعہ بینک ڈرافٹ
درج ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ارسال کریں
URDU DIGEST Current A/C No. 800380
Bank of Punjab (Samanabad, Lahore.)
Branch Code No. 110

اپنی تحریریں اس پتے پر بھیجیں
325, G-III جوہر ٹاؤن، لاہور
فون نمبر: +92-42-35290738 فیکس: +92-42-35290731
ای میل: editor@urdu-digest.com

اسلام آباد میں چین کے اعلیٰ ترین سفارت کار سے ملاقات میں مجھے کئی سوالوں کے جواب مل گئے۔ یہ بات طے ہے کہ چینی قیادت عنقریب پاکستان کا دورہ کرنے والی ہے جس کے نتیجے میں اربوں ڈالر کے اقتصادی معاہدے طے پائیں گے۔ پاکستانی میڈیا میں چند اینکرز اور صحافی حضرات نے جس طرح اکنامک کاریڈور کو متنازع بنانے کی کوشش کی ہے وہ کسی سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ دراصل چین یہ سمجھ چکا کہ اس کی ترقی اور خوشحالی کا راز پورے خطے کی ترقی ہی میں پوشیدہ ہے۔ اگر اس کی سرحدوں سے متصل ممالک غربت کے اندھیروں میں ڈوبے رہے تو ان میں دہشت گردی، فساد، غریب اور امیر کا فرق بڑھتا جائے گا جس کے اثرات یقیناً چین پر بھی مرتب ہوں گے۔ یہی وجہ ہے، چین مسلسل پاکستان کو بھی تنازعات سے بچ کر اقتصادی راہ پر چلنے کا مشورہ دیتا رہا ہے۔

حالیہ سال یوم پاکستان کے موقع پر طویل عرصے بعد عوام کو خوشی اور مسرت کے لمحات میسر آئے۔ ۲۳ مارچ کو لاہور میں قذافی اسٹیڈیم سے گلبرگ مین بلیوارڈ تک دکھوں اور غموں سے نڈھال اور سوگ میں ڈوبے ہوئے عوام کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑتی رہیں اور انھوں نے بڑے جذبے سے پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ یقیناً یہ منظر نامہ ایک نقطۂ تبدیلی ثابت ہوگا۔

چھوٹے چھوٹے بچے سبز ہلالی پرچم تھامے اپنے والدین کے ساتھ وطن کی آزادی کے گیت گاتے نظر آئے۔ کسی سیاسی وابستگی کے بغیر عوام کو اکٹھے ہو کر قومی دن منانے کا موقع کئی برس بعد ملا۔ اب خوف کے بادل چھٹتے دکھائی دے رہے ہیں۔ سڑک کے دونوں اطراف عوام کا ہجوم اپنے ہیروز کو دیکھنے اور ہم آواز ہو کر ملی نغمے گانے امڈ آیا تھا۔

۲۳ مارچ ہی کے موقع پر کوئٹہ میں پاکستان آرمی کے سدرن کمانڈر ناصر خان جنجوعہ نے پورے بلوچستان سے طلبہ و طالبات کو اکٹھا کر کے مختلف کھیلوں کا انعقاد کیا اور تمام بلوچ

صاحبہ و ناشر الطاف حسن قریشی نے اردو ڈائجسٹ پرنٹرز 24۔ مکلوڈ روڈ سے چھپوا کر سمن آباد، لاہور سے شائع کیا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بھائیوں کو مسلح جدوجہد چھوڑ کر آپس میں مل بیٹھ کر مسائل حل کرنے کی پرخلوص دعوت دی۔ یہ ایک بہادر، زیرک اور معاملہ فہم جرنیل ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے۔ جس طرح پاک فوج کے سپہ سالار جنرل راحیل شریف انتھک محنت اور خلوص نیت کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، یقیناً کور کمانڈر کوئٹہ جنرل ناصر خان جنجوعہ کا ساتھ اُن کے لیے تقویت کا باعث بنے گا۔

گزشتہ شماروں میں ہم لکھتے آئے ہیں کہ حکومت اور فوج یکسوئی کے ساتھ ایک ہی صفحے پر ہیں۔ حالیہ واقعات اور نتائج سے یہ ثابت ہوگیا۔ بلاشبہ مادرِ وطن کو بے شمار چیلنجز اور خطرات درپیش ہیں لیکن ناامیدی، شکست خوردہ اور خوفزدہ قومیں کوئی بڑا فیصلہ اور حکمت عملی بنانے سے قاصر رہتی ہے۔ سب سے پہلے دہشت گردی کا خاتمہ اور اُمید کے چراغ جلانا ضروری تھا۔ اب تمام سیاسی قیادتوں کو وقت ضائع کیے بغیر آگے بڑھ کر اگلے انتخابات تک کی ترجیحات طے کرنا اور سازگار ماحول سے فائدہ اُٹھا کر ملک کو ترقی اور خوشحالی کی راہوں پر گامزن کرنے کی مضبوط بنیاد ڈالنی ہوگی۔ جناب اسحٰق ڈار کو میثاقِ معیشت کے بعد ایک زبردست بجٹ کے ذریعے معیشت کی راہ متعین کرنا چاہیے۔

اسلام آباد میں ہونے والی مسلح افواج کی پریڈ نے بھی عوام میں جینے کی نئی اُمنگ پیدا کردی جو ہر زندہ اور بہادر قوم کا طرہ امتیاز ہے۔ حکومت اور تحریک انصاف میں معاہدۂ مفاہمت کی خاطر خواہ کی، آپریشن ضربِ عضب اور کراچی شہر میں جاری آپریشن کے نتائج نے پوری دنیا کو پاکستان کی طرف متوجہ کردیا ہے۔ آخر سترہ سال بعد حکومت نے فوج کی زیرنگرانی ملک میں ۲۰۱۶ء میں مردم شماری کرانے کا فیصلہ بھی کرلیا ہے۔ بلاشبہ کسی بھی ملک کی ترقی میں مردم شماری کے نتیجے میں حاصل ہونے والے درست اعداد و شمار کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ افسوس پچھلے کئی برسوں سے ہماری حکومتیں، نجی ادارے اور این جی اوز بے بنیاد مفروضوں کی بنیاد پر منصوبہ بندی کرتے رہے جن کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہوسکے۔ اب آنے والے دنوں میں پاکستانی قوم کو مزید خوشخبریوں کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ پھول کھلنے لگے ہیں اور "بہارِ امن" کی آمد آمد ہے۔ قدرت پاکستان کی ترقی کی راہ میں بچھے کانٹوں اور رکاوٹوں کو ایک ایک کرکے ہٹاتی جارہی ہے۔

طیب طارق

tayyab.aijaz@urdu-digest.com

بیروزگاری دور کرنے والے

نوجوانوں اور متوحش والدین کے لیے راہنما تحریر

طیب طارق

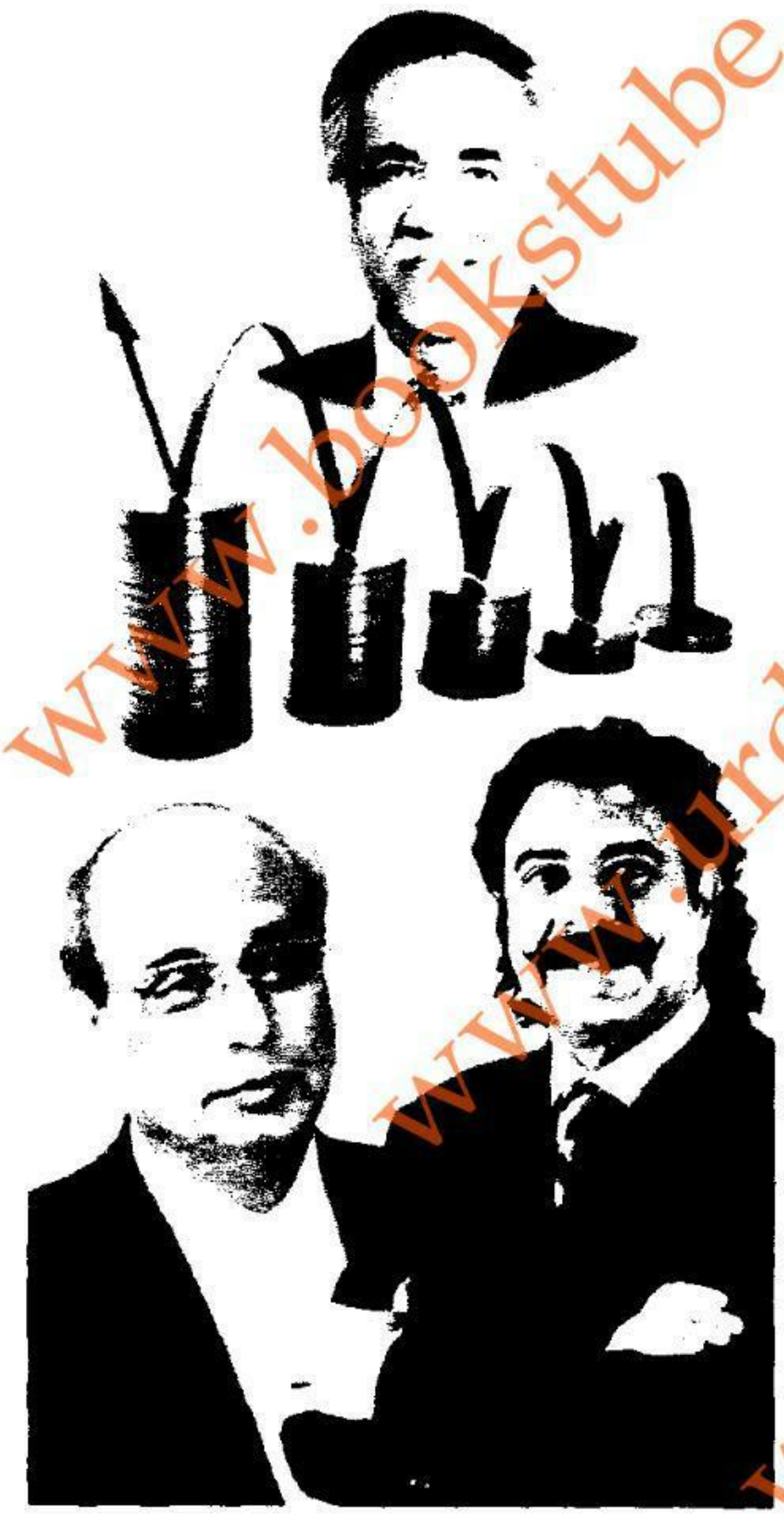

www.urdudigest.net
www.bookstube.net

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سلطان مسعود احمد

ایمان تازہ کر دینے والا بے مثال واقعہ

رضوان احمد ہاشمی

خالق کائنات کی آزمائش پر پورا اترئیے اور دو جہانوں اجر پائیے

سید عاصم محمود

ممتاز عالم دین مفتی تقی عثمانی کی بیگم صاحبہ کا انٹرویو

مولانا عاصم نعمانی

پُرمسرت ازدواجی زندگی کا خزانہ

قاری احمد ہاشمی

اس بڑی مدد سے ایک ناکام مسلمان کامیاب بن سکتا ہے

بھارتی سیاست کا نیا مور

کرپشن نظام کی خامیوں اور خوبیوں پر چشم کشا تحریر

ذیشان احمد

پُرامن کراچی کے بنیادی عناصر

www.pdfbooksfree.pk

Copyrighted material

محمد عبداللہ قریشی

جس کے کلام نے دھوم مچادی

عالیہ شاہ

الطاف حسن قریشی

پاکستانی عدلیہ کا روشن باب

اسرار ایوبی

وہ وقت دور نہیں جب انسان

عام استعمال کی اشیا گھر پر تیار کرے گا

مبین علی

بازروں کی دھنا دھن پٹائی کرنے والے

جنوبی افریقن بلے باز کا سفر زیست

مشتاق مبارک

محمد توفیق

www.urdutube.net
www.urdumovies.net

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ذکیہ علی بیگ

انجانی عورت کی ممتا سے بھوک کے ناتے جڑا رشتہ

صالحہ محبوب

شوہر اور اولاد سے بچھڑی ایک بیوی کا سبق آموز قصہ

نیر مسعود

پالتو جانوروں سے اُلفت رکھنے والے دو انسانوں کا قصہ عجیب

سارہ جیوٹ

ایک دھیاری جب کسی اجنبی سے مدد مانگ بیٹھی

صبیحہ خان

ممتاز اردو ادیب و نقاد کے قابل مثال جیون کی جھلکیاں

عبدالوحید

ازدواجی زندگی میں در آنے والے تلخ حقائق آشکار کرتا افسانہ

مجیب الرحمان مفتی

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد

محمد اسلم اودھی

شریکِ حیات کے نام نذرانہ عقیدت

سراج دین

ایک قانع مزاج بیٹے کی سبق آموز داستان جدوجہد

سلیم آغا قزلباش

ہوا و ہوس کے پتلوں نے جس کا جینا حرام کر دیا

نجیب محفوظ

نوبل انعام یافتہ ادیب کی شاہکار کہانی

ہنری سلاسر

بُرے وقتوں کے لیے سرمایہ اکٹھا کرتے شخص کا قصہ

کنہیا لال کپور

زر و جواہر میں مسرت ڈھونڈتے نوجوانوں کے لیے سنہرا سبق

کرشن چند

گناہوں کی دلدل میں پھنسے ایک انسان کا ماجرا

پروفیسر قاضی غلام محمد

ایک داستانِ قہقہہ بار جس نے شاعر کو تھانے پہنچا دیا

بشیر احمد بھٹی

عقلمندی کا دوسرا نام حاضر جوابی

جاوید احمد صدیقی

بیوی کو نیچا دکھانے کے جنون نے اُسے اندھا کر ڈالا

ذیشان حسن

ان سہل طریقوں پر عمل کر کے انمول زندگی پا لیجیے

تنویر حسین

شادی سے گزرا کہ غم نہ ہووے

منور حسین انصاری

اس ایجاد کا تذکرہ جس نے انسانی اشد ضرورت سے جنم لیا

قصہ کوئز

تبصرہ کتب

چمن خیال

بوجھو تو جانیں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

BMA
Since 1952

®

چلڈرن سیریز

بچوں کی اچھی صحت اور بہترین نشوونما کے لیے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سرکہ بہترین سالن ہے۔ اے اللہ تو سرکہ میں برکت ڈال کہ یہ مجھ سے پہلے نبیوںؑ کا سالن تھا اور وہ گھر غریب نہ ہوگا جس میں سرکہ موجود ہے۔ (ابن ماجہ)

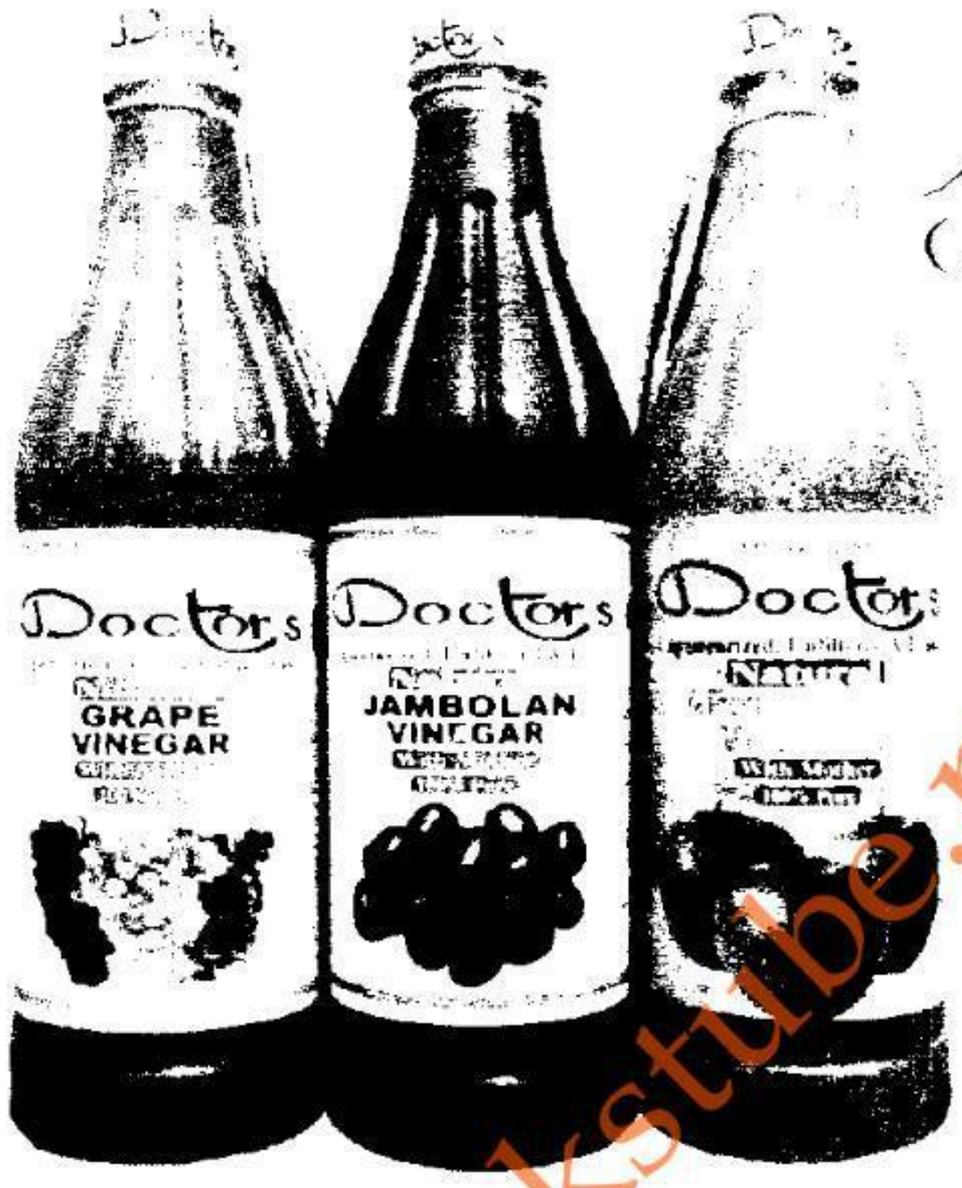

T.M.

Doctor's

Unpasteurized, Unfiltered & Living

Natural

With Mother

100% Pure

انتہائی خالص اور پاک وصاف

WONDERFUL DRUG OF YESTERDAY & TODAY

Doctor's Rosebud Shampoo

★ ★ ★ ★ ★

Doctor's Rosebud Shampoo شیمپو [illegible]

ڈاکٹر اصغر علی (ایم۔بی۔بی۔ایس) 0321-8823321
حافظ مبشر علی 0321-9785644

62-P مرغزار کالونی، ملتان روڈ، لاہور۔

سیالکوٹ 0322-6685444	کراچی 0300-2486243	اسلام آباد 0321-4585442 0512558079	وہاڑی 0300-7722899 067-3362310
ڈسکہ 0321-6144189	ڈیرہ 0300-9518621	پشاور 0300-9596240 0344-3202020	جہانیاں 0306-7821929

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

حقیقت کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ پاکستان کی سلامتی اور خوشحالی کا زیادہ تر انحصار کراچی میں امن اور ہم آہنگی سے ہے جس کا دامن کئی عشروں سے تار تار چلا آ رہا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ جب سے ایم کیو ایم وجود میں آئی اس شہر میں بھتہ خوری' اغوا اور بوریوں میں بند لاشوں کا کلچر پروان چڑھا ہے اور اس نے فسطائی حربوں سے عوامی مینڈیٹ چرانے کا بندوبست بہت مضبوط کر رکھا ہے۔ اسی بنیاد پر کراچی میں بار بار آپریشن ہوئے اور اسٹیبلشمنٹ نے اس جماعت کی طاقت توڑنے کے لیے مختلف نسخے آزمائے' مگر الطاف حسین لندن سے اپنی تنظیم کی قیادت کرتے اور مخالفوں کی ہر تدبیر کو ناکام بناتے رہے۔ ماضی کے تجربات سے سبق سیکھتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف نے کراچی کے تمام اسٹیک ہولڈرز سے طویل مشاورت کی اور اتفاق رائے سے جرائم پیشہ عناصر کے خلاف آپریشن کلین اپ کا فیصلہ کیا۔ مشاورت میں تمام سیاسی جماعتیں' تاجر برادری اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے نمائندے شامل تھے۔ ایم کیو ایم نے جرائم کی خوفناک صورت حال کے پیش نظر خود فوجی آپریشن کا مطالبہ کیا تھا۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ آپریشن کپتان مقرر کیے گئے تاکہ وہ سیاسی اور انتظامی حمایت فراہم کرتے رہیں اور یہ احساس پیدا نہ ہونے پائے کہ امن عامہ کے معاملات میں مرکز غیر ضروری مداخلت کر رہا ہے۔ رینجرز کو آپریشن کی ذمے داری سونپی گئی اور پولیس کو ان کی اعانت پر مامور کیا گیا۔

سندھ رینجرز اور پولیس نے آپریشن میں قابل ذکر کامیابیاں حاصل کیں۔ لیاری میں مافیاؤں کا قلعہ مسمار ہوا' دن رات کی نگرانی اور بھاگ دوڑ سے جرائم پیشہ افراد ہزاروں کی تعداد میں گرفتار ہوئے اور مذہبی انتہا پسندوں کے گرد گھیرا تنگ ہوتا گیا جو فرقہ وارانہ نفرتوں کو ہوا دے اور امن و سلامتی کے لیے خطرہ ثابت ہو رہے تھے۔ دوران تفتیش معلوم ہوا کہ شمالی وزیرستان اور بلوچستان سے دہشت گرد کراچی منتقل ہو رہے ہیں اور بھارت انھیں اسلحہ اور وسائل فراہم کر رہا ہے۔ کراچی میں لاکھوں کی تعداد میں غیر قانونی تارکین وطن کچی آبادیوں میں سر چھپائے رہتے ہیں جہاں بھیانک جرائم پرورش پاتے ہیں۔ پشاور میں جب آرمی پبلک اسکول پر دہشت گردی کا حملہ ہوا جس میں چھوٹے چھوٹے بچے اور فرض شناس اساتذہ خواتین اور مرد شہید ہوئے تو پاکستان کے اندر کہرام مچ گیا۔ سیاسی اور عسکری قیادت نے پورے مسئلے کا وسیع تر تناظر میں جائزہ لیا اور غور و خوض کے بعد قومی ایکشن پلان تیار کیا۔ اس پلان کا اہم ترین پہلو

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

صوبوں میں اپیکس کمیٹیوں کا قیام بھی تھا جس میں کور کمانڈر' ڈی جی رینجرز اور وزیراعلیٰ کے علاوہ انتظامیہ کے اعلیٰ افسران اور سیاسی جماعتوں کے نمائندے شامل کیے گئے۔ سندھ اپیکس کمیٹی کی پہلی میٹنگ کی صدارت وزیراعظم اور آرمی چیف نے مشترکہ طور پر کی جس میں طے پایا کہ قانون شکنوں' جرائم پیشہ عناصر کے خلاف دہشت گردی کے خاتمے اور امن کے قیام تک آپریشن جاری رکھا جائے گا۔ پولیس میں سیاسی اثرات ختم کیے جائیں گے اور اُن کے لیے جدید اسلحہ اور گاڑیاں اپیکس کمیٹی کی منظوری سے خریدی جائیں گی۔ اس فیصلے کے مطابق اعلیٰ حکام کی طرف سے پولیس فورس کو ہدایات جاری ہوئیں کہ وہ قانون نافذ کرتے وقت اندھی اور بہری ہو جائے اور اپنے موبائل ٹیلی فون بند رکھے تاکہ بااثر لوگ دباؤ ڈال سکیں نہ سفارش کر سکیں۔

یہ عجب اتفاق ہوا کہ جونہی سینیٹ کے انتخابات مکمل ہوئے اور آصف زرداری' ایم کیوایم' نیشنل عوامی پارٹی' قاف مسلم لیگ اور جمعیت علمائے اسلام کی حمایت سے میاں رضا ربانی کو چیئرمین منتخب کرانے میں کامیاب رہے' تو دوسرے روز علی الصباح رینجرز نے ۱۳ر مارچ کو ''نائن زیرو'' پر چھاپہ مارا' وہاں سے غیرملکی اسلحہ برآمد کیا اور عزیز آباد سے درجنوں سزایافتہ اور بدنام مجرم گرفتار کر لیے۔ اس غیرمتوقع واقعے سے ایم کیوایم کی پوری قیادت بری طرح ہل گئی کیونکہ اس کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوگیا تھا کہ ایم کیوایم کا اسلحے اور جرائم پیشہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں اور وہ ایک لبرل' پُرامن اور اصول پسند سیاسی جماعت ہے۔ جناب الطاف حسین اُس روز بالکل بوکھلائے ہوئے تھے اور اُن کی طرف سے ہڑتال کی کال پر کراچی کے شہری بہت کم باہر نکلے۔ ایم کیوایم کے ارکان بھی پارلیمان میں آنے سے گریزاں دکھائی دیے۔ دوسرے دن جناب الطاف حسین نے شاہ زیب خانزادہ کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ دھمکی بھی دی کہ رینجرز کے جن افسروں نے نائن زیرو پر چھاپہ مارا ہے' وہ زندہ نہیں بچیں گے۔ ایک سوال کے جواب میں یہ بھی کہا کہ اصل مجرم تو آئی ایس آئی سیکٹر کمانڈر اور ڈی جی رینجرز ہیں' اُنھیں گرفتار کیا جانا چاہیے تھا۔ حیرت ہوئی کہ اس ہرزہ سرائی کے باوجود جناب آصف زرداری نے صوبائی ارکان اسمبلی کا ہنگامی اجلاس بلاول ہاؤس میں بلایا اور اُن سے ایم کیوایم کو حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دینے کا پوچھا گیا؟ سبھی ارکان خاموش رہے' لیکن انھوں نے ایم کیوایم کو حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دے دی اور یوں قیام امن کی سنجیدہ کوششوں کا رخ تبدیل کر دیا۔

کراچی کے عوام نائن زیرو پر سندھ رینجرز کے چھاپے پر بہت خوش تھے کہ ایم کیوایم کی ہیبت کا حصار ٹوٹ گیا تھا۔ پھر صولت مرزا کی پھانسی جو ایم کیوایم کے دباؤ پر سالہا سال سے ملتوی ہوتی آرہی تھی' اُن کے ۱۹ر مارچ کے لیے ڈیتھ وارنٹ جاری ہو گئے۔ اس پر الطاف بھائی نے کہا تھا کہ میں صولت مرزا کو نہیں جانتا اور اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے' تو اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اس بیان سے خوف اور بدحواسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اہل کراچی بہت خوش تھے کہ امن کے غارت گر اب عبرتناک سزا سے نہیں بچ سکیں گے' مگر زرداری صاحب کی طرف سے حکومت میں شامل کرنے

www.pdfbooksfree.pk

کی دعوت نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دیا اور سندھ کی سول انتظامیہ نے رینجرز کے ساتھ تعاون سے گریز کی پالیسی اختیار کی۔ رینجرز کی طرف سے انتظامیہ سے کہا گیا تھا کہ الطاف حسین کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے کہ انھوں نے رینجرز کے افسروں کو قتل کی دھمکی دی ہے' مگر ادھر سے ٹال مٹول ہوتی رہی اور اسی لیے کرنل طاہر کو ایف آئی آر میں مدعی بننا پڑا اور دریں اثنا پھانسی سے چند گھنٹے پہلے صولت مرزا نے اپنا بیان ریکارڈ کرایا جس کے باعث اُس کی پھانسی موخر ہوگئی۔ اس التوا نے بہت سی بدگمانیوں کو جنم دیا اور یہ احساس دلایا کہ ماضی کی طرح ہماری فوج اور ہمارے رینجرز ٹھوس اقدامات پر انحصار کرنے کے بجائے ''انکشافات'' کی سیاست پر بھروسہ کرتے رہے ہیں جو ماضی میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ قیامِ امن کی پہلی شرط یہ ہے کہ مجرموں کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جانی چاہیے' اس لیے صولت مرزا جو بیسیوں افراد کا قاتل ہے' اس کے گلے میں جلد سے جلد پھندا ڈالنا ضروری ہے۔ اس سے ریاست کا دبدبہ قائم ہوگا اور امن تباہ کرنے والوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔

قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر سید خورشید احمد شاہ نے پریس کانفرنس میں کہا کہ ایم کیو ایم سندھ کی دوسری بڑی سیاسی جماعت ہے اور اسے دیوار کے ساتھ لگانے سے معاملات خراب ہوں گے۔ بلاشبہ ایم کیو ایم اُردو بولنے والے درمیانے اور نچلے طبقات کی نمائندگی کرتی آئی ہے اور اس میں فاروق ستار' نسرین جلیل اور فروغ نسیم جیسے سیاسی اور قانونی ذہن رکھنے والے افراد موجود ہیں' مگر کراچی کے حالات پر گہری نگاہ رکھنے والے تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ اس میں دو گروپس ہیں۔ ایک سیاسی گروپ جسے لوگوں کو دکھانے کے لیے نائن زیرو پر شوبیز کی طرح رکھا جاتا ہے' جبکہ دوسرا گروپ ٹارگٹ کلرز اور اُن کے سرپرستوں کا ہے جس میں سیکٹر کمانڈرز' یونٹس انچارج اور میٹیاں شامل ہیں جو اصل حکمران ہیں۔ یہی گروپ منتخب ارکانِ اسمبلی کی حاضریاں لگاتا' اُن کو سزائیں دیتا اور اُن کی ترقی اور تنزلی کا فیصلہ کرتا ہے۔ الطاف بھائی کے اس نامزد گروپ کے سامنے پوری تنظیم بے بس ہے جسے عام طور پر سندھ کی دوسری بڑی جماعت اور پاکستان کی تیسری بڑی پارلیمانی طاقت سمجھا جاتا ہے۔ عمومی شہادتیں موجود ہیں کہ انتخابات کے دن دو بجے کے بعد سیکٹر کمانڈر طاقت کے زور پر ووٹ بھگتاتے اور عوام کے حقیقی نمائندوں کو شکست دینے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ کاروبار سالہا سال سے اس لیے جاری رہا کہ ایم کیو ایم حکومت کا حصہ ہونے کی بدولت اپنے تنخواہ دار ملازموں کو پریذائیڈنگ افسر لگواتی اور ہر طرح کی دھاندلی کرتی رہی۔ اس تنظیم نے کراچی کے وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے' سرکاری اداروں میں اس کے لاکھوں حمایتی پرورش پا رہے ہیں جو آن واحد میں شہر کا امن و امان تہ و بالا کر دینے کی مہارت رکھتے ہیں۔ اس کی دیکھا دیکھی بعض دوسری جماعتوں میں بھی اسلحہ بردار لوگ داخل ہو گئے ہیں جو سیاسی اور جمہوری عمل کو یرغمال بنائے ہوئے ہیں اور ہر نوع کی دہشت گردی اور قانون شکنی میں ملوث ہیں' چنانچہ کراچی میں قیامِ امن کے لیے ایک جامع حکمتِ عملی وضع کرنا اور اس پر دیانتداری اور غیر جانبداری سے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

عمل درآمد از بس ضروری ہے۔ ہم چند نکات پیش کرتے ہیں:

ا۔ کراچی کا آپریشن درست سمت میں چل رہا ہے' اس لیے ٹی وی چینلز پر اس کی حمایت میں کراچی سے مستند اور محکم آوازیں اٹھنی چاہئیں۔ اس امر کا اہتمام ہونا چاہیے کہ سیاسی جماعتیں اور سول سوسائٹی کی تنظیمیں کراچی سے ایسی شخصیتوں کو آگے لائیں جو آپریشن کی ملکیت کا پورے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کریں اور عوامی رائے کو سیکیورٹی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے حق میں ہموار کرتے جائیں۔ اس کے بہت گہرے اور نہایت مثبت نفسیاتی اثرات پیدا ہوں گے۔

۲۔ آپریشن میں بنیادی کردار ادا کرنے والے اداروں کو ایک اعلیٰ پائے کا تھنک ٹینک قائم کرنا چاہیے جس میں ایک درجن کے لگ بھگ ایسے اصحاب شامل کیے جائیں جو کراچی کے مزاج اور تاریخ سے پوری طرح باخبر ہوں اور ''سویلین دانش'' سے کام لینا جانتے ہوں۔ کوئی بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے اسٹیبلشمنٹ تھنک ٹینک سے مشورے کرے اور اس امر کا جائزہ لے کہ کسی فوجی اقدام کے سول آبادی پر کس نوعیت کے اثرات مرتب ہوں گے۔ بعض اوقات ایک فیصلہ فوجی اعتبار سے بہت مناسب معلوم ہوتا ہے' مگر وہ سویلین مزاج کو برہم کرسکتا ہے۔

۳۔ کراچی میں تمام سیاسی جماعتوں کے لیے آزادی سے کام کرنے کا ماحول پیدا کیا جائے اور مینڈیٹ چرانے کے تمام راستے بند ہونے چاہئیں۔ آنے والے ضمنی اور بلدیاتی انتخابات میں فوج کو سیاسی اتفاق رائے سے پولنگ اسٹیشنوں کی حفاظت کرنا اور جمہوریت پر شبخون مارنے والوں کے خطرناک عزائم ناکام بنانا ہوں گے۔

۴۔ سیاسی فسطائیت کو شکست دینے کے لیے ضمنی انتخابات اور بلدیاتی انتخابات میں جمہوریت پر یقین رکھنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ خوش دلی سے تعاون کرنا بے حد ضروری ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ضمنی انتخابات میں تمام اُمیدوار جماعت اسلامی کے حق میں دستبردار ہوجائیں' کیونکہ ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں بائیکاٹ کے باوجود اس کے اُمیدوار نے قابل ذکر ووٹ حاصل کیے تھے۔

۵۔ اُردو بولنے والی آبادی کی ترقی پر خصوصی توجہ اور اُن کے جائز حقوق کی ہر ادارے میں حفاظت کرنا قیام امن کی دوسری بڑی شرط ہے۔

۶۔ ایم کیو ایم کو قومی دھارے میں لانے کے لیے سنجیدہ کوششیں کی جائیں اور اگر اس کی قیادت اپنی جماعت کو جرائم پیشہ عناصر سے پاک صاف کرنا چاہتی ہے' تو اس کی مدد کی جائے اور اسے پورا پورا موقع فراہم کیا جائے۔

۷۔ مذہبی انتہا پسندوں کو اعتدال کی زندگی بسر کرنے کی طرف مائل کرنے کے لیے دینی راہنماؤں' صحافیوں اور دانشوروں سے مدد لی جائے۔ شہر میں بین المسالک اور بین المذاہب ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے سیمینار اور اجتماعات منعقد کیے جائیں نیز صحت مند سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ ۲۳ر مارچ کی فوجی پریڈ نے عوام کے حوصلے بہت بلند کیے ہیں اور اُن میں دہشت گردوں کو شکست دینے کا یقین پیدا ہوا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

۸۔ دہشت گردوں کے خلاف طاقت کے استعمال کے ساتھ ساتھ ذہن سازی پر بھی توجہ دینا لازمی ہے۔ اب سول انتظامیہ کو انسانی ترقی پر خاص اہمیت دینا ہوگی۔ عسکریت پسندی پر قابو پانے کے لیے سیاسی اور عسکری قیادت کے شانہ بہ شانہ کام کرنا ہوگا۔ فوج' رینجرز اور پولیس کی شبانہ روز کوششوں کے باعث عوام کے اندر اُن پر اعتماد میں اضافہ ہوا ہے جو بلاامتیاز کارروائی اور اچھی حکمرانی کے ذریعے قائم رہنا چاہیے۔ عوام یہ منظر دیکھنے کے منتظر ہیں کہ شہر میں بلاول ہاؤس اور مردان ہاؤس کے قرب و جوار سے بھی ناکے ختم کیے جائیں اور کراچی ایک صاف ستھرا اور کھلا شہر دکھائی دے۔

۹۔ یہ تلخ حقیقت دہرانے کی ضرورت نہیں کہ کراچی میں اسلحے اور منشیات کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ اس نیٹ ورک کو مسمار کرنے کے لیے انٹیلی جنس سسٹم کو مضبوط کرنا' تمام قانون نافذ کرنے والی فورسز کو سیاسی آلائشوں سے محفوظ رکھنا' سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگ ختم کرنا اور کڑے احتساب کے ذریعے کرپشن پر قابو پانا ہوگا جو ہمارے قومی وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔

۱۰۔ سندھ میں ایک غیر جانبدار گورنر وقت کی اہم ضرورت ہے کہ تیرہ برسوں کے اندر مفادات کے محل تعمیر ہو چکے اور دائروں کے اندر دائرے وجود میں آ چکے ہیں۔

الطاف حسن قریشی

مضمون لکھیں عمرہ ٹکٹ پائیں

اہلِ علم قائداعظم محمد علی جناحؒ کے حالاتِ زندگی پر مرتب کی گئی علامہ عبدالستار عاصم کی ملکی تاریخ کی پہلی اور واحد بڑی کتاب ''انسائیکلوپیڈیا جہان قائدؒ'' پر بہترین مضمون لکھنے پر عمرہ ٹکٹ اوّل انعام ،۲۵۰۰۰ روپے اور ۱۰۰۰۰ روپے دوم اور سوم انعام حاصل کریں۔ جبکہ تمام شرکا کو محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان قومی ہیرو، نامور ادیبہ آپا جی بانو قدسیہ اور سینئر کالم نویس ڈاکٹر اجمل نیازی کے آٹوگراف والے سرٹیفکیٹ بھی دیے جائیں گے۔

رابطہ: علامہ عبدالستار عاصم
چیئرمین قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل
سٹریٹ 10۔اے یثرب کالونی
بنک سٹاپ والٹن روڈ، لاہور کینٹ
0323-0333-4393422
qalamfoundation@gmail.com

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سیمی

فائنل میں نیوزی لینڈ کے ہاتھوں جنوبی افریقا کی شکست کے بعد اس کے کھلاڑیوں کو بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ ان کی آنکھوں سے رواں آنسو مجھے آکاش پر چمکتے ستارے دکھائی دیے۔ مجھے ان آنسوؤں پر رشک آیا اور دل چاہا کہ بڑھ کر ان آنسوؤں کو احتیاط سے اپنے رومال میں ہمیشہ کے لیے خوشبو کے مانند محفوظ کرلوں۔ یہ ہوتی ہے قومی حمیت اور وطن سے جنون کی انتہا کو چھوتی وابستگی۔

۱۹۹۶ء میں مجھے بطور منیجر پاکستان والی بال ٹیم دبئی میں الرشید چیمپئن شپ میں شرکت کا موقع ملا۔ ہماری ٹیم کم تر معیار کی ٹیم سے پول میچ ہار گئی۔ اسٹیڈیم سے ہوٹل واپسی کے سفر کے دوران احساسِ زیاں سے عاری کھلاڑیوں کو بھارتی گانوں کی دھنوں پر رقص کرتے دیکھ کر پاکستانی ٹیم کے چینی کوچ مسٹر لوان کا چہرہ ضبط کے باوجود غضب سے سرخ ہوگیا۔ بولے ''مسٹر توفیق! انھیں ذرا بھی احساس نہیں کہ یہ ملک کی بدنامی کا باعث بنے

کرکٹ ورلڈ کپ ۲۰۱۵ء میں

پاکستانی ٹیم کی ناقص کارکردگی

شکست کی وجوہ کا کھوج لگاتے چشم کشا حقائق

محمد توفیق

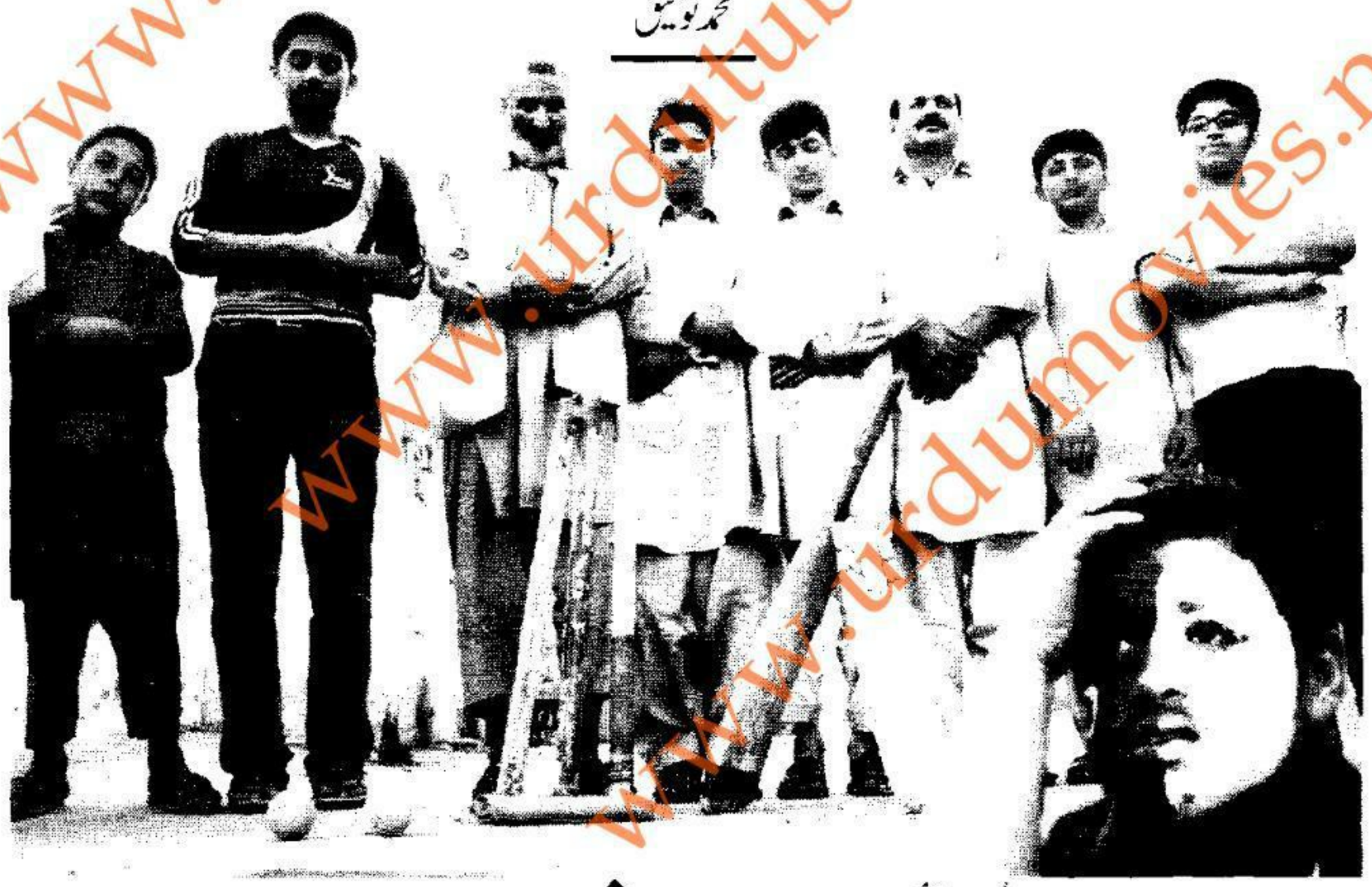

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہیں۔ اگر چینی ٹیم یہ حرکت کرتی' تو اسے ریڈ آرمی فائرنگ اسکواڈ کے سامنے کھڑا کر دیتی۔'' مسٹر لوان کے وہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں بازگشت کی طرح گونج رہے ہیں۔

کوئی صاحب بھینس خریدنے گئے۔ مالک نے ایک بھینس کی خصوصیات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا'' یہ روزانہ پانچ کلو دودھ اور ہر سال ایک بچہ دیتی ہے قیمت دس ہزار! دوسری بھینس نہ دودھ دیتی ہے نہ بچہ قیمت بیس ہزار!''

خریدار نے حیران ہو کر پوچھا ''جو بھینس پانچ کلو دودھ اور ہر سال بچہ دیتی ہے' وہ دس ہزار اور یہ بیس ہزار!''

مالک نے اطمینان سے جواب دیا'' جناب کردار کی بھی کوئی قیمت ہے یا نہیں؟''

آج کرکٹ مقبول کھیل ہونے کے ساتھ ساتھ بدنام ترین کھیل بھی بن چکا۔ کھلاڑیوں نے ''شرافت'' کا دامن چھوڑ کر چالاکی ، نظر کے دھوکے اور ہاتھ کی ''صفائی'' سے کام لینا شروع کیا' تو شرفا کی تفریح لفنگوں کا کھیل بن گئی۔ گالم گلوچ ، مار پیٹ، جانبدار امپائرنگ، باؤنسر، سلیجنگ اور میچ فکسنگ و سپاٹ فکسنگ جیسی لعنتوں نے کرکٹ کا حقیقی حسن گہنا دیا۔ کرکٹ اب باقاعدہ کاروبار بن چکی۔ وہ مثبت سرگرمیوں کو فروغ دینے کے بجائے نوجوانوں میں منفی رویے پیدا کرتی ہے۔ کیا دولت اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے کہ ہمارے ''ہیرو'' ملک کی عزت، توقیر، وقار اور تقدس کا ذرا بھر خیال بھی نہ رکھ سکیں؟

پاکستان کرکٹ کا آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ ہمارے اکثر ہیرو ماضی میں غیر قانونی، غیر اخلاقی اور مشکوک سرگرمیوں میں ملوث رہے اور ''چور چور'' کہلاتے رہے۔ حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ شعیب اختر، عامر سہیل اور سرفراز نواز خدائی فوجدار بنے ٹیم کو اخلاقیات کا بھاشن دینے لگے' حالانکہ یہ تینوں اپنے دور میں ڈسپلن کی دھجیاں اڑانے کی غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں۔ آئینہ دکھانے کی غرض سے دیگ کے کچھ دانے بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں۔

۲۰۰۵ء میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کے ایک کھلاڑی پر آسٹریلین بورڈ نے خاتون سے زیادتی کا الزام لگا کر ملک و قوم کو بدنام کرنے کی کوشش کی' لیکن پاکستان بورڈ کھلاڑی کا نام منظرِ عام پر نہ لایا۔ ۲۰۰۲ء میں شعیب اختر کو ایک بھارتی کلب میں حسینہ کا ہاتھ پکڑنے پر تھپڑ بھی پڑا' لیکن پاکستان کرکٹ بورڈ نے سختی سے نوٹس لینے کے بجائے اس کے کیے پر پردہ ڈالا۔ ۱۹۹۳ء میں قومی کرکٹ ٹیم کے باؤلر وقار یونس ، وسیم اکرم اور مشتاق احمد ویسٹ انڈیز میں چرس پینے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں قومی ٹیم کے بلے باز قاسم عمر نے سابق کپتان عمران خان پر منشیات کے استعمال کا الزام لگایا۔ جواباً قاسم عمر پر پابندی لگا دی گئی۔

عمران خان کے اپنے دور میں ریما، سیتا وائیٹ سمیت کئی خواتین کے حوالے سے اسکینڈل بنے۔ وہ ٹیم کے انتخاب کے معاملے میں حد سے بڑھ کر آمرانہ روش اپنائے رہے۔ جاوید میانداد ۱۹۸۷ء کے عالمی کپ میں آسٹریلیا کے خلاف سیمی فائنل سے قبل ساتھیوں کے ساتھ بازارِ حسن گانا سننے گئے اور اگلے روز ٹیم میچ ہار گئی۔ وسیم اکرم، سلیم ملک اور کئی کھلاڑی موصوف کے ہمراہ تھے۔ ۱۹۹۶ء میں بھارت کے ہاتھوں شکست ہوئی' تو کھلاڑیوں پر جوئے اور میچ فکسنگ کے ساتھ ساتھ منشیات استعمال کرنے کا الزام بھی لگا۔

۱۹۹۸ء میں فاسٹ باؤلر شعیب اختر ٹیم کے ہمراہ انگلینڈ دورے پر گئے اور ہوٹل میں شراب پی کر کمرے کو آگ لگا دی۔ اس پر پی سی بی نے ہوٹل والوں کو ۵۰ ہزار پونڈ جرمانہ ادا کیا۔ شعیب اختر کو ۱۹۹۹ء میں راولپنڈی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں منشیات استعمال کر کے گاڑی چلانے کے الزام میں پکڑا گیا۔ مجیب الرحمٰن اس وقت پی سی بی کے چیئرمین تھے' ان کی مداخلت پر رہائی ملی۔ شاہد آفریدی نے ۱۹۹۷ء میں سری لنکا کے دورے سے واپسی پر لڑکی کو چھیڑ دیا جس سے وہاں اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ آخر بمشکل معاملہ حل ہوا۔ سنگاپور روانگی سے قبل ۲۰۰۰ء میں شاہد آفریدی پر الزام لگا کہ وہ ہوٹل میں خاتون کو لے آئے۔ اس کے ہمراہ عتیق الزمان اور حسن رضا بھی تھے۔ ان کو ۵۰' ۵۰ ہزار روپے جرمانہ ہوا۔

۹۸-۱۹۹۹ء میں جنوبی افریقا کے دورے کے دوران شعیب اختر اور دیگر کھلاڑی جن میں ثقلین مشتاق' محمد اکرم بھی شامل تھے' شراب پی کر سڑک پر بلڑ بازی کر رہے تھے کہ کالوں نے پٹائی کر دی۔ سابق ٹیسٹ کرکٹر سرفراز نواز بھی انگور کی بیٹی کے شوقین رہے ہیں۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء ہی میں معین خان پر شراب لانے کا الزام لگا جو کسٹم افسران نے تلاشی کے دوران برآمد کی تھی۔ ۲۰۰۲ء میں آل راؤنڈر عبدالرزاق نے کزن سے شادی کے بعد ہنی مون منایا اور پھر شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ ۲۰۰۱ء میں شعیب اختر کی نائٹ کلب میں گوری کے ساتھ تصاویر کھینچ کر نہ صرف اُسے بلکہ پوری قوم کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔

شعیب اختر خود تو چرس وغیرہ استعمال کرتے تھے' نوجوان کھلاڑیوں کو بھی اپنے نقش قدم پر چلایا۔ پہلے فضل اکبر اور پھر محمد آصف کو اپنے ساتھ شامل کیا۔ محمد آصف پر ۲۰۰۶ء میں اینٹی ڈوپنگ یعنی نشہ آور ممنوع ادویہ کا استعمال کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ ۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء میں پاکستان کے دورے پر آئی جنوبی افریقن ٹیم فیصل آباد میچ کھیل رہی تھی کہ شاہد آفریدی نے گیند چھپا کر خراب کرنے کی کوشش کی اور بعد میں معافی بھی مانگی۔ عبدالرحمٰن انگلینڈ میں کاؤنٹی کے دوران سپاٹ فکسنگ میں ملوث ہونے کے الزام میں سزا اور جرمانہ بھر چکے۔ سپنر دانش کنیریا پر بھی انگلینڈ کاؤنٹی کے دوران سپاٹ فکسنگ کا الزام لگا۔ ان پر ابھی تک پابندی برقرار ہے۔

جنوبی افریقن کھلاڑی شکست پر روتے ہوئے

۲۰۱۲ء قومی ٹی ٹوئنٹی میچ میں سیالکوٹ کی ٹیم کے کپتان نے لاہور کو ہرانے کے لیے کراچی سے دانستہ شکست کھائی اور بعد میں اس کا اعتراف بھی کیا۔ ۲۰۱۲ء-۲۰۱۳ء میں انگلینڈ میں ہونے والے سپر سکسر ٹورنامنٹ میں عمران نذیر نے پاکستان کو ہرانے کے لیے دانستہ طور پر ۴۵ رنز دیے جو ورلڈ ریکارڈ ہے۔ اس اوور میں انھوں نے چھے نو بال بھی کیے۔ آسٹریلیا نے آخری اوور میں 45 رنز بنا کر میچ جیتا۔ ۲۰۱۰ء میں قومی ٹیم کے وکٹ کیپر ذوالقرنین حیدر ٹیم مینجمنٹ کو بتائے بغیر ہوٹل سے غائب ہو گئے۔ سیریز کے دوران ہوٹل سے چلے جانا دنیائے کرکٹ کے لیے انوکھا واقعہ تھا۔

۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۰ء میں پاکستانی ٹیم انگلینڈ کے دورے پر تھی۔ تب تین کھلاڑیوں سلمان بٹ، محمد آصف اور محمد عامر کو سپاٹ فکسنگ کے باعث تینوں کو الزام ثابت ہونے پر باقاعدہ جیل بھیجا گیا اور جرمانے بھی کیے گئے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ان قومی جرائم، بھیانک و فاش غلطیوں، مفاد پرستی کو ہم ہنود و یہود اور غیروں کی سازشی تھیوریوں پر محمول کرتے ہوئے قالین کے نیچے سرکانے کی خود فریبی کے مرض میں مبتلا رہے ہیں۔ حالانکہ مونر تیر نے کہا تھا

''اطمینان رکھ تیرا گناہ خود تجھے ڈھونڈ لے گا۔''

عمر بھر ہم سے غلطیاں ہوتی رہیں
دھول چہرے پہ تھی، ہم آئینہ صاف کرتے رہے

ڈراما باز شعیب اختر نے گھٹیا بھارتی کامیڈی شو میں بھارتیوں کی خوشنودی اور چند ٹکے حاصل کرنے کی خاطر اپنے کھلاڑیوں اور بزرگوں کی جو بھونڈی نقلیں اتاریں اور مسخرے پن کا مظاہرہ کیا، اس کی مذمت کے لیے تو الفاظ بھی خود کو شرمندہ محسوس کرتے ہیں۔ چینی کہاوت ہے ''خوددار لوگ رسوائی والے کام نہیں کرتے۔'' دنیا کی مصیبتوں کا ۳/۴ حصہ زبان کا پیدا کردہ ہے۔ انھیں احساس نہیں کہ ''اگر اپنی ماں بیمار ہو تو اسے چھوڑ کر کترینہ کیف کو ماں نہیں بنایا جا سکتا۔''

تہمت لگا کے ماں پہ جو دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیے

مکمل انتظامی ناکامی کی تصویر بنا پاکستان کا کرکٹ بورڈ۔ اس کی مکمل صفائی اور شفافیت کو یقینی بنانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ پی سی بی اپنی بدعنوانیوں کے معاملے میں بہت بدنام ہے۔ سابق کھلاڑی اور جغادری صحافی اسے بلیک میل کرتے رہے ہیں۔ کوئی اعلیٰ عہدے لینے تو کوئی غیر ملکی دورے کے چسکے لینے کے لیے! مروجہ طریقہ واردات یہ ہے کہ پہلے میڈیا پر پی سی بی کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ پھر جب ملازمت مل جائے، تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ پی سی بی اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ان سابق کرکٹرز کی یرغمال بنی ہوئی ہے جنھیں خطیر تنخواہ کے علاوہ گاڑی اور دیگر مراعات بھی ملتی ہیں۔

اکثر افسر تو دفتر آنے کی زحمت تک بھی نہیں کرتے۔ پی سی بی کے ملازمین جو مختلف عہدوں پر فائز ہیں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے مسلسل سازشوں کے جال بنتے اور دھڑے بندیوں میں مصروف ہوتے ہیں۔

کرکٹ بورڈ کی آمدنی بلیک میلر سابق کرکٹرز میں شیر مادر سمجھ کر بانٹنے کے بجائے اس سے انڈر ۱۹، اے ٹیم کے باصلاحیت کھلاڑیوں کی آسٹریلیا، برطانیہ کی کرکٹ اکیڈمیز اور کاؤنٹیز میں جدید سائنٹفک بنیادوں پر تربیت کا اہتمام یقینی بنایا جائے۔ حفیظ کاردار، فضل محمود، امتیاز احمد، جاوید برکی، حنیف احمد، سعید احمد جیسے کپتانوں کے دور میں عموماً ٹیم کا انتخاب میرٹ پر کیا جاتا رہا۔ انتخاب عالم کے دور میں پہلی مرتبہ اقربا پروری کا وائرس ٹیم سلیکشن میں وارد ہوا۔ اب معاملات اس نہج پر پہنچ چکے کہ شائقین معصومیت سے پوچھتے ہیں کہ آخر ہماری ٹیم ہار کیوں رہی ہے؟ حالانکہ اصل سوال تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ جیت کیسے جاتی ہے؟

آسٹریلیا میں جب ہمارے شاہین میر سپاٹا کر رہے تھے، پیشہ ور بھارتی ڈیڑھ فٹ اونچے اسٹول سے پھینکی جانے والی گیندوں پر مشق کرنے میں مصروف تھے تاکہ عرفان کی پٹائی کر سکیں اور ہم ان کا تمسخر اڑا رہے تھے۔ کیا کوئی یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ گزشتہ دو سالوں میں پاکستان کرکٹ بورڈ نے جو دو ارب ۲۸ کروڑ روپے مالِ مفت دلِ بے رحم سمجھ کر اڑا دیے، اس سے کتنے کھلاڑیوں کو تربیت دی گئی؟ نوجوان کھلاڑیوں کی صلاحیتوں کو مہمیز لگانے کی غرض سے کتنے تربیتی ادارے قائم کیے۔

بھارت میں مختلف کاروباری اداروں کے باہمی اشتراک اور مالی معاونت سے ۲۱ نئے ''سنٹر آف ایکسیلنس'' دن رات کوہلی، شامی، شیکر دھون، بھووشر کمار، روندر جدیجا ڈھالنے میں مصروف عمل ہیں۔ ان تازہ دم معیاری کھلاڑیوں کی کھیپ کی بدولت بھارتی ٹیم میں یوراج سنگھ سہواگ، ایشانت شرما جیسے بڑے کھلاڑیوں کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سندھ

قندر مکرر

میں آپریشن کلین اپ کو شروع ہوئے ایک ماہ گزر چکا اور اس قلیل سی مدت میں ہمارے سیاسی کلچر کے عجیب و غریب خدوخال، ہماری پاور اسٹرکچر کے عجائبات اور ابلاغ کے ذہنوں کو تسخیر کر لینے کی ہوشربا تصویریں سامنے آئی ہیں جو اہل نظر کو دعوت غور و فکر دیتی ہیں۔ بحرانوں میں قوم کا اصل مزاج اور اس کی توانائیاں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں اور سندھ میں فوجی آپریشن سے ہماری سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اچھے پہلو ابھرے ہیں

۲۳ سال قبل

جب کراچی میں آپریشن کلین اپ ہوا

ایم کیو ایم کے بتدریج شدت پسند تنظیم بننے کی سنسنی خیز داستان

الطاف حسن قریشی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

تئیس برس قبل کی چشم کشا تحریر

آج سے تئیس سال قبل ۱۹ر جون ۱۹۹۲ء کو پاکستان رینجرز نے کراچی میں ''آپریشن کلین اپ'' کا آغاز کیا تھا۔ اس مہم کا مقصد شہر قائد سمیت پورے سندھ کو جرائم پیشہ افراد سے پاک کرنا تھا۔ اُس وقت کے آپریشن میں بھی ایم کیوایم کے سیکڑوں کارکن اسلحہ سمیت پکڑے گئے تھے۔ نیز تنظیم کے عقوبت خانے بھی دریافت ہوئے۔

جناب الطاف حسن قریشی نے شمارہ جولائی ۱۹۹۲ء میں ''ہم کہاں کھڑے ہیں'' کے زیرعنوان آپریشن کلین اپ کے اسباب وعوامل کا جائزہ لیا تھا۔ یہ مضمون عیاں کرتا ہے کہ وہ کون سی معاشی، معاشرتی وسیاسی وجوہ ہیں جنھوں نے مہاجر قومی موومنٹ کو جنم دیا اور اسے رفتہ رفتہ شدت پسند تنظیم بنا دیا۔

یہ تحریر آشکارا کرتی ہے کہ ایم کیوایم کی سیاسی تاریخ میں کئی ڈرامائی موڑ آئے۔ تنظیم کا آغاز مسائل اور خرابیاں دور کرنے کے لیے ہوا تھا۔ مگر مضمون کا مطالعہ خصوصاً نئی نسل کو غور وفکر کی دعوت دیتا اور یہ سبق سکھاتا ہے کہ مطلق طاقت انسان کو کس طرح گمراہی اور آمریت کے اندھیروں میں دھکیل دیتی ہے۔

اور برے پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں۔ کھلی آنکھ اور کھلے ذہن سے دونوں ہی کا مشاہدہ اور حقیقت پسندانہ تجزیہ ضروری ہے۔ ایک اچھی قومی قیادت کا اصل کام یہی ہے کہ وہ قوم کے اندر پائی جانے والی کمزوریوں کی اصلاح کرتی اور خوبیوں کو اجتماعی مقاصد کے لیے بروئے کار لاتی ہے جس کے باعث اخلاقی کردار کی ایک ناقابل تسخیر طاقت وجود میں آتی ہے اور وہی حیات انسانی کا اصل جوہر ہے۔

☆☆☆

فوجی آپریشن میں الطاف حسین اور ایم کیوایم تنظیم کا جو انتہائی گھناؤنا چہرہ بے نقاب ہوا، وہ اپنے اندر بڑی ہی دردناک داستان چھپائے ہوئے ہے۔ ایسی بھیانک داستان جو اقتدار کے ایوانوں میں تیار ہوئی، سیاسی مصلحتوں کے پردوں میں اژدہائی اور سحر خطابت کے ذریعے اور اخبارات کے صفحات پر مرتسم ہو کر ذہنوں اور دلوں کو ڈستی رہی۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ الطاف حسین جن کی ۸۴ء تک کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، وہ کیسے پاکستان کی سیاست میں یک لخت ابھرے اور چند ہی برسوں میں ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ پاکستان کے وزرائے اعظم اور سندھ کے وزرائے اعلیٰ ان کے پاؤں میں بیٹھنے کو فخر محسوس کرتے۔ امریکا، برطانیہ اور بھارت کے سفیر ان کے حجرے میں کھنچے آتے۔ وہ کراچی اور حیدرآباد کے بے تاج بادشاہ بن گئے اور ان کے ایک اشارے پر لاکھوں مرد وزن سڑکوں پر دیوانہ وار نکل آتے۔ آخر یہ سب کچھ کیا تھا؟ کوئی ڈراؤنا خواب تھا؟ کوئی بھیانک حقیقت تھی یا کوئی خوفناک سازش؟ ایم کیوایم کے اندر غالباً یہ تینوں ہی کیفیتیں موجود تھیں۔

☆☆☆

سندھ کے شہری علاقوں سے بالعموم درمیانے طبقے کے افراد منتخب ہو کر آتے رہے ہیں۔ ۷۰ء اور ۸۵ء کے انتخابات

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں جماعت اسلامی، جمعیت علمائے پاکستان اور اسی نوع کی دوسری تنظیموں نے عوام کا مینڈیٹ حاصل کیا۔ کراچی اور حیدرآباد نے پیپلز پارٹی کو ذہنی اور نظریاتی طور پر قبول نہیں کیا تھا۔ بدقسمتی سے ۷۰ء کے بعد کا زمانہ زیادہ تر نظریاتی اور سیاسی کشمکش میں گزرا اور کراچی اور حیدرآباد کے نمائندے عوام کے اجتماعی مسائل پر توجہ ہی نہ دے سکے۔ پانی، ٹرانسپورٹ اور بیروزگاری کے معاملات الجھتے رہے۔ پھر ۷۷ء میں بھٹو صاحب کے سیاسی جبر کے خلاف ایک عوامی تحریک اٹھی جو مارشل لا پر منتج ہوئی۔ عوامی نمائندگی کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا لیکن ۷۹ء میں بلدیاتی انتخابات کے ذریعے جو نمائندہ ادارے قائم ہوئے، انھوں نے عوامی فلاح و بہبود کے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور عوامی مسائل حل ہونے شروع ہوئے مگر قومی سطح پر قیادت کا خلا بڑھتا چلا گیا۔

۸۳ء کا سال اس اعتبار سے نہایت اہم ثابت ہوا کہ اس میں دوسری بار بلدیاتی انتخابات منعقد ہوئے اور اسی میں ایم آر ڈی تحریک سے حکومت کا ٹکراؤ ہوا۔ کراچی میونسپل کارپوریشن میں دوبارہ جماعت اسلامی اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی، تاہم حیدرآباد میں جناب مولانا وصی مظہر ندوی کی قیادت میں نیا عنصر سامنے آیا۔ مختلف اسباب کی بنا پر جنرل ضیاالحق اور جماعت اسلامی کے بعض اہم عناصر کے درمیان سیاسی مفاہمت میں رخنے پڑنے شروع ہو گئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اگست کے وسط میں ایم آر ڈی نے سول نافرمانی کا اعلان کیا۔ کئی مقامات پر فوج کے ساتھ خونریز تصادم ہوا اور سندھی قوم پرست، حکومت کا تختہ الٹنے میں ناکام رہے۔ تحریک دب تو گئی مگر اس نے جنرل ضیاالحق کا ذہنی سانچہ بری طرح ہلا ڈالا۔ انھوں نے پہلی بار ان اسباب کا سراغ لگانے کی ایک نہایت سنجیدہ کوشش کی جو سندھی عوام کو بے چین رکھے ہوئے تھے۔ انھیں احساس ہوا کہ اہم وزارتوں، محکموں اور بڑی بڑی کارپوریشنوں میں اندرون سندھ کی نمائندگی بڑی کم ہے، چناں چہ انھوں نے سی ایس ایس میں سندھیوں کو غیر معمولی مراعات دیں اور عام ملازمتوں میں بھی ان کا خیال رکھا۔ دیہی علاقوں میں ترقیاتی منصوبوں کو بھی خصوصی ترجیح دی گئی۔ ان ترجیحات کا سندھیوں پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا کہ ان کے زخم ابھی ہرے تھے مگر کراچی اور حیدرآباد میں رہنے والی کمیونٹی کا احساس محرومی کچھ اور فزوں ہو گیا۔

☆☆☆

کراچی میں جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے پاکستان آپس میں لڑتی رہیں اور ان کی عوامی مسائل کی طرف سے غفلت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ انھیں اس امر کا اندازہ لگانے کی فرصت یا ضرورت ہی نہیں تھی کہ اردو بولنے والے مہاجرین کسی ذہنی کیفیت سے دوچار ہیں اور ان کی بے چارگی کیا رنگ لانے والی ہے۔ ۸۴ء کے آغاز میں کراچی میں ایک بہت بڑی تقریب ہوئی جس میں اندرون سندھ سے ہزاروں افراد نے حصہ لیا۔ اس کے مہمان خصوصی جنرل ضیاالحق تھے۔ انھوں نے خطبہ استقبالیہ کے جواب میں اس کوٹہ سسٹم میں پانچ سال کی توسیع کر دی جو ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے دیہی آبادی کو مین اسٹریم میں لانے کے لیے خصوصی طور پر دس برس کے لیے نافذ کیا تھا۔ یہ اعلان، جو نیک نیتی سے کیا گیا تھا، مہاجرین کی امیدوں پر بجلی بن کر گرا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ کوٹہ سسٹم ختم ہو جانے سے ملازمتوں اور معاشی سہولتوں کا دائرہ وسیع ہو گا، مگر ان کی امیدیں حسرتوں میں بدل گئیں۔ جماعت اسلامی کی شہری قیادت نے اس انتہائی سنگین مسئلے کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اور پاکستان کے سب سے بڑے شہر کے باسیوں کو احساس ہوا کہ ان کے جذبات اور تکالیف کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں۔

پھر اسی زمانے میں سندھ کے گورنر تبدیل کر دیے گئے۔ جنرل عباسی پڑھے لکھے فوجی افسر تھے اور انھیں منجھے ہوئے سرکاری افسروں کی خدمات حاصل تھیں۔ ان کی جگہ جنرل جہانداد خان تشریف لائے جو ایک مختلف ذہنی سانچے کے مالک تھے۔ ان کا دل اور ان کا ذہن اس قدر صاف تھا کہ سیاسی تصورات کی بھول بھلیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے سامنے تین بڑے مسئلے تھے:

۱۔ ایم آر ڈی تحریک میں پیپلز پارٹی نے اپنی قوت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے، اس قوت کو حکومت کے لیے چیلنج بننے سے کیسے روکا جائے۔

۲۔ شہروں میں جماعت اسلامی کے اثر و نفوذ پر کیسے قابو پایا جائے۔

۳۔ اعلان شدہ انتخابات کا انعقاد پر امن فضا میں کیسے کیا جائے۔

۸۴ء کا پورا سال ایک نئی حکمت عملی وضع کرنے میں گزرا۔ لیفٹیننٹ جنرل جہانداد خان کے سیاسی مشیر جناب سید غوث علی شاہ تھے۔ ان کے مشورے سے حکمت عملی یہ طے پائی کہ اندرون سندھ میں پیپلز پارٹی کے اثرات پر قابو پانے کے لیے جی ایم سید سے بات چیت کر کے ان کے ساتھ سیاسی رابطے قائم کیے جائیں۔ اسی حکمت عملی کے تحت جنرل ضیاالحق کی ملاقاتیں سید صاحب سے کرائی گئیں۔ جناب غوث علی شاہ کے، سید ہونے کے ناتے جی ایم سید کے ساتھ خصوصی روابط پہلے ہی سے قائم تھے۔ شہری آبادیوں میں جماعت اسلامی کا مقابلہ کرنے کے لیے مہاجر قومیت کو درپردہ ہوا دی گئی اور ایم کیو ایم جو ۸۴ء میں قائم ہوئی، اس میں غوث علی شاہ نے جی ایم سید کے ذریعے کلیدی کردار ادا کیا۔

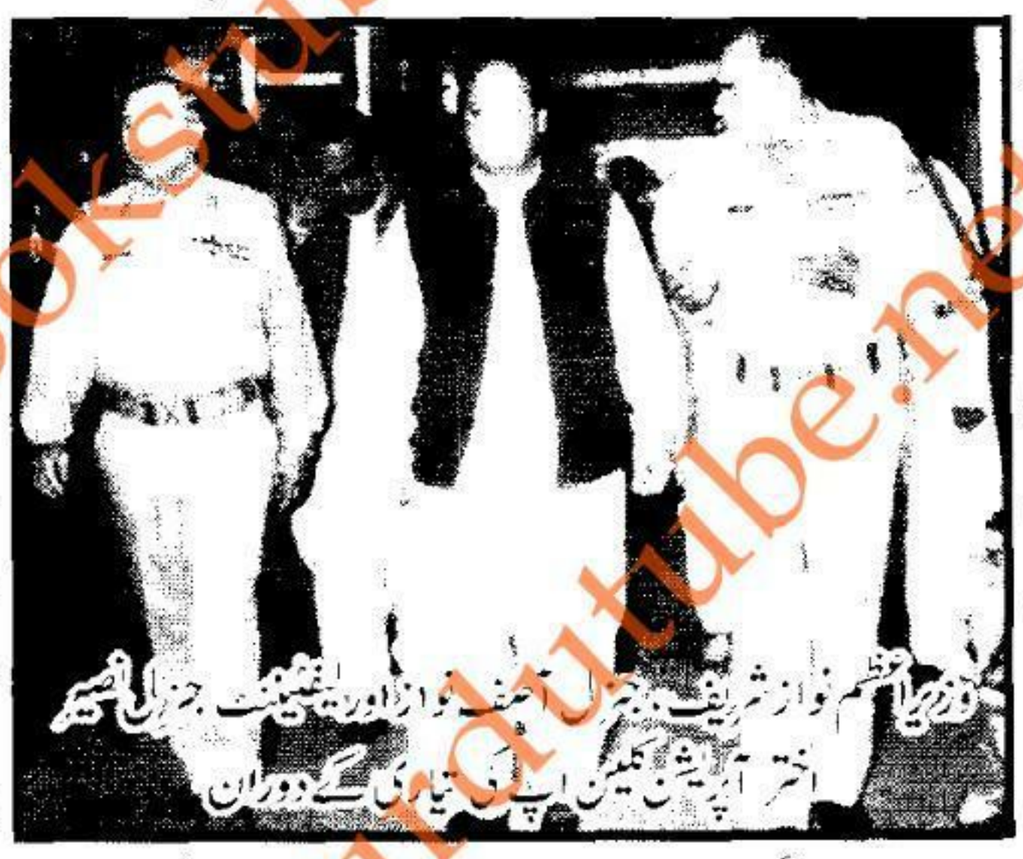
وزیراعظم نواز شریف، جنرل آصف نواز اور لیفٹیننٹ جنرل اصیر اختر آپریشن کلین اپ کی تیاری کے دوران

جماعت اسلامی کی وہ قیادت جو کراچی میں آباد تھی، ان تمام اقدامات سے بے خبر رہی جو ان کی جماعت کو تہس نہس کرنے کے لیے ایک مخصوص ردعمل پیدا کر رہا تھا۔ جنرل ضیاالحق نے جماعت اسلامی کی مرکزی قیادت سے تعاون کی بار بار اپیل کی مگر کراچی کی قیادت بغاوت پر تلی ہوئی تھی۔ اس نے ۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور جنرل ضیاالحق کے خلاف زہریلی تقریریں ہوتی رہیں۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ جماعت اسلامی کے چاروں اہم قائدین انتخابات ہار گئے اور ایک دو حسن اتفاق سے جیت گئے۔ یوں ایم کیو ایم کی سب سے بڑی حریف سیاسی، جماعت خود ہی اوندھے منہ گر پڑی۔

☆☆☆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

۸۵ء میں سید غوث علی شاہ وزیراعلیٰ بن گئے اور ان کے لیے ایم کیو ایم کو وسائل فراہم کرنا بڑا ہی آسان ہو گیا۔ وہ جماعت اسلامی کی دشمنی میں زہریلے ناگ کو بھی دودھ پلانے کے لیے تیار تھے۔ وہ خود دودھ پلاتے رہے اور ممکن ہے دوسرے ذرائع بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ایک سال تک الطاف حسین کو تنظیمی کام کرنے کا کھلا موقع مل گیا۔ ان کی ذات میں نہایت اہم اور حساس عناصر دلچسپی لینے لگے۔ سید غوث علی شاہ جماعت اسلامی کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دینا چاہتے تھے۔ جناب جی ایم سید کا خیال تھا کہ شہروں میں مہاجروں کو منظم کیے بغیر حکومت کے خلاف کامیاب بغاوت نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے انھوں نے ایم کیو ایم کی تشکیل میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ بھارت کی دلچسپی یہ تھی کہ کراچی میں عصبیت کو ہوا دے کر پاکستان کو نقصان پہنچانا بہت سہل ہو جائے گا۔ امریکا، الطاف حسین کو اس نگاہ سے دیکھ رہا تھا کہ بانگ کانگ جو چند برسوں میں چین کے حوالے کر دیا جائے گا، کراچی کو اس کا متبادل بنا دیا جائے۔

الطاف حسین کے سحر خطابت میں ہر عنصر کو اپنی کامیابی نظر آتی تھی۔ ایک ایسا شخص جو مظلومیت کی تصویر بن کر ذہنوں کو مفلوج کر دے، عقل پر پردے ڈال سکے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت منجمد کر ڈالے، جذبات میں آگ لگا سکے، انسانوں کی تذلیل کا شکنجہ تیار کر سکے، اور اسے ریاست کے بااثر اداروں اور ملکی اور غیر ملکی ایجنسیوں کی حمایت حاصل ہو، تو وہ معاشرے کی ہر قدر کو چیر پھاڑ سکتا ہے..... اور اس نے ایسا ہی کیا۔

☆☆☆

عصبیتوں اور مفادات کا اندھا پن بڑی بڑی شخصیتوں کو بکری بنا دیتا ہے۔ ایک زمانے میں ہاشم رضا جیسے زیرک منتظم اور دانش ور، جناب رئیس امروہوی جیسے قلمکار، جسٹس قدیر الدین جیسے بالغ نظر قانون دان الطاف حسین کے سحر میں گرفتار تھے۔ وہ مہاجرین کی مظلومیت کے مرثیے بڑی رقت آمیز آواز میں پڑھتے۔ انھوں نے ایک طرف اپنی تقریروں کے ذریعے مہاجر آبادی کو یہ تاثر دیا کہ ان کا مسیحا آ گیا ہے اور دوسری طرف ان طالب علموں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا جو اسلامی جمعیت طلبہ کے نظم کے ہاتھوں زخم کھا چکے تھے کہ ان کے لیے وہاں کوئی بلند مقام حاصل کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ نوجوان طلبہ کے بعد سب سے زیادہ توجہ خواتین پر دی گئی۔ ان کے جذبات میں غضب کا ارتعاش پیدا کیا گیا۔ عورتوں کو مغلوب اور مسحور کیے بغیر مہاجروں کے ہر گھر اور ہر خاندان میں ایم کیو ایم تحریک نئی قوت کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ ۸۶ء کا سال مہاجروں کو ذہن نشین کرانے میں گزرا کہ پاکستان اور قائداعظمؒ نے انھیں کوتاہی اور تنگدستی کے سوا کچھ نہیں دیا اور ہم اپنے حقوق حاصل کر کے رہیں گے۔ پنجابیوں اور پٹھانوں کی چیرہ دستیوں سے مہاجر بے حاصل ہیں، ان کے تعلیم یافتہ نوجوان بے کار مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان کی عورتیں، جو اعلیٰ حسب نسب کی ہیں، کسمپرسی کی حالت میں ہیں اور ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ جذبات میں آگ لگا دینے والی اس تھیم پر عورتیں جوق در جوق بڑے بڑے جلسوں میں آنے لگیں۔ لسانی عصبیت اور تفاخر کا زہر ذہنوں میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔

۸۵ء کے عام انتخابات میں کراچی سے جو نمائندے قومی اسمبلی میں گئے تھے، انھیں معاشرتی اور تہذیبی ناہمواریوں کا احساس نہ ہونے کے برابر تھا، البتہ کراچی میونسپل کارپوریشن میں جماعت اسلامی کے نمائندے، صوبائی حکومت کی مزاحمت

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کے باوجود، عوام کی تکالیف دور کرنے میں لگے رہتے تھے۔ یوں وہاں ایک قومی سیاسی جماعت کا تشخص کسی حد تک قائم تھا۔ اور یہ صورت حال مہاجر قومیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی، چناں چہ سید غوث علی شاہ جو اس وقت وزیر اعلیٰ تھے، وہ کراچی میونسپل کارپوریشن میں ایک منصوبے کے تحت جماعت اسلامی کی قیادت کو مشتعل کرنے لگے۔

جماعت اسلامی کی قیادت اس جال میں نہایت سادگی سے پھنس گئی جو وزیر اعلیٰ سندھ نے بچھایا تھا۔ میئر کراچی نے حکومت سندھ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ عبدالستار افغانی بڑے ہی فعال اور دانا لیڈر ہیں، مگر جماعت اسلامی کراچی کی قیادت نے انھیں ایسے راستے پر ڈال دیا جو بڑی ہی نادانی اور تباہی کا راستہ تھا۔ دوستوں نے بڑا سمجھایا کہ قومی مفادات کو ایسی زک پہنچے گی جس کی تلافی شاید ممکن ہی نہ ہو۔ وہیکل ٹیکس کے نہایت معمولی نوعیت کے ایشو پر جماعت اسلامی نے اپنا عمر بھر کا سرمایہ داؤ پر لگا دیا۔ صوبائی حکومت سے تصادم کے نتیجے میں وزیر اعلیٰ سندھ نے کراچی میونسپل کارپوریشن کے منتخب ادارے کو توڑنے کا اعلان کر دیا اور بلدیہ عظمیٰ کے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اس طرح جماعت اسلامی نے اپنا سب سے مضبوط قلعہ خود ہی دشمن کے حوالے کر دیا۔

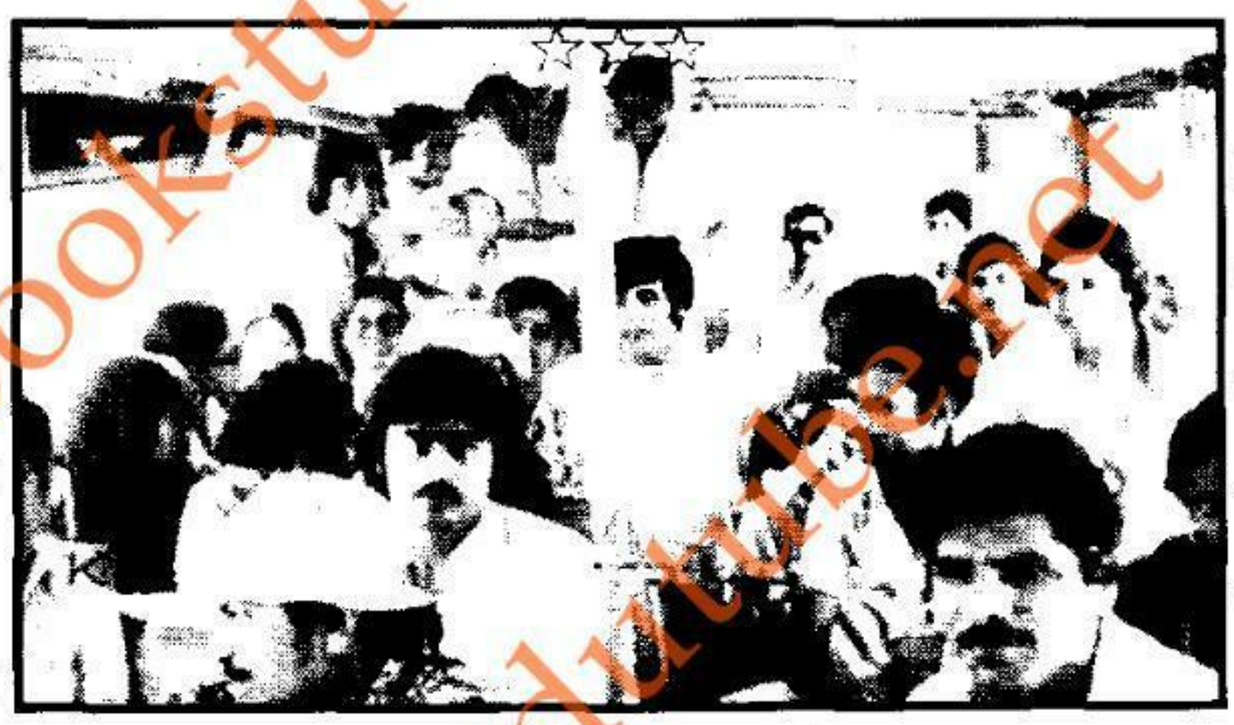

اب ایم کیو ایم کے لیے میدان صاف تھا۔ بلدیہ عظمیٰ کے اختیارات تقریباً ڈیڑھ سال تک صوبائی حکومت یعنی جناب غوث علی شاہ نے استعمال کیے۔ اس مدت میں ایم کیو ایم نے اپنا حلقہ وام خوب مضبوط کر لیا۔ کراچی میں پیپلز پارٹی کا وجود ہی نہیں تھا، مسلم لیگ الطاف حسین زمانہ طالب علمی میں کراچی یونیورسٹی کی بس میں سفر کرتے ہوئے فقط کاغذوں میں تھی، مولانا نورانی سیاست سے دست کش تھے اور جماعت اسلامی حکومت سے ٹکرا جانے کے بعد عوامی مسائل حل کرنے کے قابل نہ رہی تھی۔ ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں بڑے بڑے لیڈروں کی ناکامی نے ایک طرف قیادت کو مضمحل کر دیا تھا، دوسری طرف ان کے مزاج میں برہمی اور جلال زیادہ آ گیا۔ اور جب کسی جماعت کی قیادت اعتدال کا دامن چھوڑ دے اور اس کے مزاج پر ہیجان اور غصیلا پن غالب آ جائے، تو ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی سرزد ہوتی چلی جاتی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمتہ تو اس وقت بھی طیش میں نہیں آئے تھے جب ان کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں کارکنوں کے اجتماع میں جماعت کا ایک مخلص کارکن حکومت کے غنڈوں نے شہید کر دیا تھا۔ اور ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد یہ عالم ہوا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر قیادتیں اشتعال میں آ کر بڑے بڑے فیصلے کرنے لگیں۔

۱۹۸۶ء میں مہاجر قومیت کی عصبیت کو ایک حادثے نے ایندھن فراہم کیا۔ ایک طالبہ، بشریٰ زیدی منی بس تلے کچلی گئی۔ اس پر مہاجروں اور پٹھانوں کے مابین خونریز جھڑپیں ہوئیں جو پورے شہر میں پھیل گئیں۔ اور چند ماہ بعد پہلے سہراب

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

گوٹھ اور پھر اورنگی ٹاؤن کے خون آشام سانحے پیش آئے۔ سہراب گوٹھ میں آپریشن کلین اپ کی انتہائی خفیہ منصوبہ بندی وزیراعلیٰ سید غوث علی شاہ نے فرمائی تھی۔ سہراب گوٹھ میں جو کچھ ہوا، اور اس کے بعد اورنگی ٹاؤن میں جو قتال ہوا، اس نے مہاجر قومیت کے عفریت کو اتنا خون پلا دیا کہ اب اسے تسخیر کر لینا کسی کے بس میں نہ رہا۔ اب کراچی اور حیدرآباد کا ہر گھر الطاف حسین کا مورچہ بن گیا۔

جب ۸۷ء کے آخر میں پورا ملک بلدیاتی انتخابات کے عمل سے گزرا، تو کراچی اور حیدرآباد کے منتخب اداروں میں ایم کیو ایم کے جھنڈے گڑ چکے تھے۔ الطاف حسین کو پہلے ہی انتخابات میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ اس مرحلے میں بھی اگر مشترکہ حکمت عملی وضع کر لیتیں، تو مضبوط اپوزیشن بلدیہ عظمیٰ اور بلدیہ حیدرآباد میں قائم ہو سکتی تھی۔ مگر چھوٹے چھوٹے معاملات بڑے بڑے فیصلوں میں حائل رہے۔ ۸۸ء کے عام انتخابات میں الطاف حسین اپنے مضبوط اثرات قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی تک لے جانے میں سب پر سبقت لے گئے۔ پورے کراچی اور حیدرآباد کی نمائندگی پر ایم کیو ایم قابض ہو گئی۔ اس عظیم الشان کامیابی کا راستہ جماعت اسلامی نے اپنے غلط فیصلے سے ہموار کیا۔ وہ اگر کراچی میونسپل کارپوریشن میں احتیاط سے کام لیتی اور ۸۷ء تک اختیارات اس کے ہاتھ میں رہتے تو ایم کیو ایم کے لیے ۸۸ء کے بلدیاتی انتخابات میں سب کچھ بہا کر لے جانا ہرگز ممکن نہ تھا۔ ۸۸ء کے انتخابات نے ایم کیو ایم کو قومی سیاسی زندگی میں اس طرح داخل کیا کہ اس کے ووٹوں سے بے نظیر کو وزارت عظمیٰ کا منصب مل گیا۔

☆☆☆

الطاف حسین کے سیاسی قد و قامت میں اضافے کے ساتھ ساتھ فسطائیت اور بہیمیت میں تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کی تنظیم ایک مافیا تنظیم تھی جس میں ہر بات خفیہ رکھی جاتی۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا، کون کیا ہے اور کیا کرتا ہے؟ جرمن نازیوں کی خفیہ تنظیم سے ایم کیو ایم کی مشابہت بے حد زیادہ ہے۔ عقوبت خانے، عذاب گھر، موت گھاٹ شروع ہی سے قائم تھے اور چھ سات ہزار دہشت گردوں کو انہی عقوبت خانوں سے گزارا جاتا تاکہ ایک شخص کے ساتھ وفاداری میں کوئی شک نہ رہے۔ ایم کیو ایم کسی منشور یا کسی سیاسی اور معاشرتی پروگرام سے وابستہ نہیں تھی، اس کا پورا سانچہ ایک مخصوص ٹولے کے آگے سر جھکا دینے اور ان کی ہر خدمت بجا لانے کے لیے بنایا گیا۔ اس دائرے سے جو کوئی باہر نکلنے کی جرأت کرتا، اس کے لیے زندگی یا تنظیم کے دروازے بند تھے۔

انتخابات میں ناقابل تصور کامیابیوں نے الطاف حسین کو اپنی نجی محفلوں میں دل کی بات کہنے کا حوصلہ دے دیا۔ وہ انتہائی قریبی دوستوں سے کراچی کو پاکستان سے الگ کرنے کے منصوبے پر تبادلہ خیال کرنے لگے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۸۸ء کے آخری مہینوں میں ایک بااثر گروہ ایم کیو ایم سے الگ ہو گیا جس نے اپنی تحریروں کے ذریعے مہاجر قومیت کے حق میں فضا ہموار کی تھی۔ اس گروہ کے سرکردہ افراد نے انکشاف کیا کہ الطاف حسین، بانگ کانگ کی طرز پر کراچی کو ایک بین الاقوامی خطہ بنا دینے پر تلا ہوا ہے اور اس کے غیر ملکیوں سے رابطے ہیں۔

اب مشکل یہ آن پڑی کہ ایم کیو ایم سے وابستہ افراد کو عوام کا مینڈیٹ مل چکا تھا اور وفاقی حکومت کو ان کے ووٹوں کی اشد ضرورت تھی۔ بے نظیر صاحبہ نے ایم کیو ایم کے دوٹوں سے اقتدار حاصل کیا، مگر وفاقی کابینہ میں کوئی نمائندگی نہ دی، البتہ سندھ کابینہ میں ایم کیو ایم کے وزیر لیے گئے جو بڑی حد تک بے اثر تھے۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں کراچی اور حیدرآباد میں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

خونیں فسادات ہوتے رہے اور بے نظیر کے عہد حکومت کا تین چوتھائی حصہ کرفیو کی نذر ہو گیا۔ پھر ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کے اسٹوڈنٹس ونگز کے مابین طالب علموں اور نوجوانوں کو یرغمال بنا لینے کے واقعات شروع ہوئے۔ فروری ۹۰ء میں کور ہیڈ کوارٹر میں دونوں طرف سے یرغمالیوں کا تبادلہ لیفٹیننٹ جنرل آصف نواز کی موجودگی میں ہوا۔

☆☆☆

جون ۹۰ء میں فوجی قیادت نے وزیراعظم بے نظیر سے کہا کہ ہمیں پورے سندھ میں فوجی آپریشن کرنے کی اجازت دے دیجیے اور دستوری دفعہ ۲۴۵ کے اختیارات بھی۔ دراصل ان دنوں الطاف حسین لندن میں تھے اور فوج کو انٹیلی جنس کے ذریعے اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ ان کے رابطے بھارتی سفارت خانے کے ساتھ قائم ہیں۔ بھارت کی خفیہ ایجنسیوں نے ایم کیو ایم کے دہشت گردوں میں اپنے ایجنٹ داخل کر دیے۔ بے نظیر کے وزیر داخلہ، اعتزاز احسن نے جرنیلوں کی بات پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے کسی قدر تند و تیز رویہ اختیار کیا جس کے باعث خاصی تلخی پیدا ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ وزیراعظم بے نظیر دفعہ ۲۴۵ کے اختیارات دینے کے لیے تیار نہیں اور وہ اندرون سندھ فوجی آپریشن کے خلاف ہیں۔

☆☆☆

انٹیلی جنس رپورٹیں مسلسل ایم کیو ایم کے خلاف موصول ہو رہی تھیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب الطاف حسین کے شدید اختلافات بدر اقبال، عامر خان اور آفاق احمد سے پیدا ہوئے۔ تنظیم کے اندر ان تینوں کی حیثیت خاصی اہم تھی۔ انھوں نے فسطائیت کے خلاف بغاوت کر دی۔ کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل آصف نواز نے اس گروپ کی حوصلہ افزائی کی۔ اختلافات بڑھتے گئے اور ایک دن آفاق احمد نے الطاف حسین پر گولی چلا دی جس کے نتیجے میں اس کی ٹانگ میں گہرا زخم آیا اور وہ عباسی شہید اسپتال میں داخل ہو گئے۔ ادھر ان تینوں باغیوں کو پاکستان چھوڑنا پڑا۔ ایک اطلاع کے مطابق ایم کیو ایم کے چیئرمین عظیم احمد طارق انھیں الوداع کہنے ائیر پورٹ پر موجود تھے۔

الطاف حسین جن دنوں اسپتال میں داخل تھے تو امریکا سے عامر خان کا فون آیا۔ اس نے الطاف حسین سے کہا کہ اپنا تکیہ اٹھا کر دیکھیے، وہاں ایک چٹ پڑی ہو گی جس پر میرے دستخط ثبت ہوں گے۔ الطاف حسین نے تکیہ اٹھایا اور اسے عامر خان کے دستخطوں والی چٹ مل گئی۔ اس کے ہوش جاتے رہے۔ اتنے میں ٹیلی فون پر عامر خان کی آواز دوبارہ بلند ہوئی، وہ کہہ رہا تھا "اب یہی چٹ تمھیں غسل خانے میں ملے گی۔" معتبر ذرائع کی روایت ہے، الطاف حسین نے اس کے بعد اپنے تینوں محافظوں کو قتل کرا دیا کہ انہی میں سے کوئی باغیوں کا ساتھی ہو گا۔

☆☆☆

۱۹۹۰ء کے انتخابات نے الطاف حسین کو نئی سیاسی رفعتیں عطا کیں۔ پہلی بار وفاقی کابینہ میں ایم کیو ایم کے دو وزیر لیے گئے اور صوبائی کابینہ میں چھے وزراء۔ جناب جام صادق علی (مرحوم) نے قائد تحریک کے ایسے ایسے ناز اٹھائے جن کی مثال مل ہی نہیں سکتی۔ جناب عرفان مروت نے وہ تحفظ فراہم کیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جناب وزیراعظم نواز شریف بھی نیاز مندی کے آداب بجالاتے رہے۔ کراچی پر پیر عزیز آباد کا مکمل قبضہ تھا اور سندھ حکومت کی جان اسی کے ہاتھ میں تھی۔

فرعون صفت الطاف حسین نے اقتدار کے نشے میں ایک طرف لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا، دوسری طرف اپنے سیاسی مخالفین کو جان سے مار ڈالنے کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ جماعت اسلامی کے نیک سیرت کارکن یکے بعد دیگرے قتل

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کر دیے گئے۔ بظاہر ایم کیو ایم نواز شریف کی حکومت میں شریک تھی لیکن ان کی پالیسی حکومت کو اندر سے کمزور کرنے کی تھی۔ جماعت اسلامی نے ارباب حکومت سے بار بار اپیل کی کہ دہشت گردی کا یہ خوفناک سلسلہ بند کرایا جائے۔ وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین واقعات کی تحقیقات کرنے گئے تو حالات کا علم ہوتے ہی ان کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ اور یہی حال جناب وزیراعظم کا تھا۔ انھوں نے فرط غم سے کہا تھا، ہم اس قدر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ اقتدار رہے یا نہ رہے ہم دہشت گردوں کا قلع قمع کر کے رہیں گے۔ اس عزم کے باوجود الطاف حسین اپنا ہاتھ دکھا گئے اور جماعت اسلامی کو آئی جے آئی سے بہت دور لے گئے۔ یوں ایم کیو ایم کی قیادت نے نواز شریف حکومت پر ایک اور کاری وار کیا۔ ۲۶ رجون ۹۰ء کو لاہور میں تیرہ افراد قتل کر دیے گئے اور تین روز بعد شیخوپورہ میں اسی نوعیت کا لرزہ خیز واقعہ رونما ہوا۔ قتل کی واردات میں جو سوفسٹیکیشن پائی جاتی تھی، وہ اشارہ کر رہی تھی کہ یہ کام ایم کیو ایم کا ہے، مگر اس تنظیم کے پاس اسٹریٹ پاور بھی تھی اور اسٹیٹ پاور بھی، اس لیے پولیس نے ادھر کا رخ ہی نہیں کیا۔ اب اخبارات میں خبر شائع ہوئی ہے کہ اسلام پورہ کے واقعہ قتل میں ملوث ایم کیو ایم کے چھے افراد گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ ملزم تو ایک سال بعد گرفتار ہو گئے مگر اسلام پورہ کے ہولناک واقعے کے بعد جناب وزیراعظم نے جاپان کا جو دورہ منسوخ کر دیا تھا، اس کے نقصانات کا ازالہ شاید کبھی نہ ہو سکے۔

مارچ ۹۱ء میں حد سے بڑھی ہوئی مستی اقتدار نے ایک اور گل کھلایا۔ ایم کیو ایم نے آغاز تشکیل ہی سے روزنامہ جنگ پر اپنی ساری توجہ مبذول کر دی تھی۔ پہلے منت سماجت سے خبریں لگوائیں جاتی رہیں اور الطاف حسین کا میسج کراچی کے افق پر پھیلتا چلا گیا۔ جب دہشت گردی پوری طرح منظم ہو گئی تو اخبارات پر دباؤ ڈال کر اپنی مرضی کی خبریں چھپوائی جانے لگیں۔ جنگ نے ایم کیو ایم کا جس قدر ساتھ دیا، اس کے ساتھ اسی قدر ظالمانہ سلوک روا رکھا گیا۔ میر خلیل الرحمٰن (مرحوم) کے اعصاب اسی نوع کے کرب عظیم کے سامنے جواب دے گئے۔ اسی طرح ڈان کے دفتر میں مسلح افراد کا گھس آنا اور ایڈیٹر کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دینا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ پورے کراچی کا پریس ایم کیو ایم کا یرغمال بنا ہوا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ الطاف حسین یا ایم کیو ایم کے بارے میں کوئی ایسی بات چھپ جائے جو مزاج شاہی پر ناگوار گزرتی ہو۔ ہفت روزہ تکبیر، روزنامہ جسارت اور ہفت روزہ زندگی نے بڑی ہمت سے فسطائیت کا مقابلہ کیا اور ہمارے دوست محمد صلاح الدین سب سے زیادہ حوصلہ مند اور مجاہد نکلے۔ وہ سفاک اور بھیڑیا صفت دہشت گردوں کے سامنے کلمۂ حق کہتے رہے۔ اس جرأت و استقامت کی انھیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔

اسی کشمکش کے دور میں ایک دن ایسا آیا کہ ایم کیو ایم نے کسی بات کا بہانہ بنا کر ڈان کے خلاف اعلان جنگ کیا اور تمام بڑے اخبارات کے دفتروں پر بلہ بول دیا۔ ڈیڑھ دو ہفتے کراچی کا پریس ایک دردناک عذاب سے گزرتا رہا جس سے

بقیہ حصہ صفحہ ۲۲۶ پر

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میری آنکھوں کے سامنے جب انجام پائی

سورۂ یٰسین کی کرامت

ایمان تازہ کر دینے والا ایک بے مثال واقعہ جو لندن کی بارانی دوپہر پیش آیا

سلطان مسعود احمد

برطانیہ میں قیام کے دوران میرے ساتھ ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔ 1993ء کی گرمیوں کا ذکر ہے۔ پاکستان سے والد محترم اور والدہ صاحبہ ہم بھائیوں کے پاس رہنے آئے۔ میرے بڑے بھائی آکسفورڈ کے قریب واقع شہر بائی ویکمب میں مقیم تھے، جبکہ میں بریڈفورڈ میں تھا۔

والدین کو شروع کے دو مہینے بھائی کے پاس رہنے کے بعد میرے پاس آنا تھا۔ ان دنوں میں بے کار تھا، یعنی کار کے بغیر۔ اس لیے انھیں لانے کی خاطر اپنے ایک دیرینہ دوست حافظ شفیق سے بات کی ہوئی تھی۔ ان کے پاس بڑی کار تھی (حافظ صاحب نے برطانیہ ہی میں قرآن مجید حفظ کیا تھا)۔ منصوبے کے مطابق اگست کی ایک صبح ہم بریڈفورڈ سے روانہ ہوئے۔

یکطرفہ سفر سوا دو سو میل پر محیط تھا۔ صبح ہی سے تیز بارش اور طوفانی ہوا چل رہی تھی۔ ابھی ہم موٹروے پر

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

پندرہ میل ہی گئے ہوں گے کہ ڈرائیور کے سامنے نصب وائپر ٹوٹ گیا۔ خوش قسمتی سے قریب ہی ایک سروس اسٹیشن تھا۔ حافظ صاحب نے آہستہ آہستہ کار وہاں لے جا کر کھڑی کر دی۔ پھر اے،اے (۸.۸) والوں کو فون کر کے اپنا مسئلہ بتایا۔

برطانیہ میں تقریباً تمام شہریوں نے ایمرجنسی سروس کی رکنیت لی ہوتی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ دوران سفر کار میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے، تو اسے وہیں مکینک بلا کر دور کرایا جا سکے۔ ویسے تو یہ سروس تین چار کمپنیاں مہیا کرتی ہیں۔ لیکن ان میں سے سب سے پرانی اور مشہور اے،اے اور آر اے سی کمپنیاں ہیں۔

آپ کہیں بھی ہوں، فون کرنے پر کمپنی کے مکینک زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ وہ سڑک کنارے کھڑی کار کو پہلے تو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر کوئی بڑا نقص ہوا تو کار کو کھینچ کر قریبی گیراج پہنچا دیں گے یا پھر آپ کے گھر تک چھوڑ آئیں گے۔

قصہ مختصر، کار کا معائنہ کرنے کے بعد پتا چلا کہ وائپر کا مکمل یونٹ ٹوٹ چکا جو آرڈر پر منگوانا پڑے گا۔ اس لیے مکینک ہماری کار کھینچ کر واپس بریڈفورڈ چھوڑ آیا۔ بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ظاہر ہے، بغیر وائپر سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔ بریڈفورڈ پہنچ کر حافظ صاحب نے مختلف دوستوں کو فون کیے، جن سے بڑی کار ملنے کی امید تھی، مگر وہ کام کاج کے سلسلے میں گھروں سے نکل چکے تھے یا ان کے پاس چھوٹی کاریں تھیں۔

والدہ صاحبہ چونکہ زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتی تھیں، اس لیے بڑی کار کی ضرورت تھی تاکہ انھیں پچھلی نشست پر لٹا کر لایا جا سکے۔ مختلف جگہوں سے کرائے کی کار حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ انہی چکروں میں دوپہر ہو گئی اور ہم نے جہاں سے چلنا تھا ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔ دو تین گھنٹوں کی بھاگ دوڑ کے بعد حافظ صاحب نے مجھے کہا ''سلطان صاحب اسی کار میں چلتے ہیں۔''

میں نے کہا ''یہ کیسے ممکن ہے جبکہ شدید بارش کی وجہ سے چند گز آگے کی سڑک نظر نہیں آتی۔ وائپر کے بغیر شیشہ کیسے صاف ہوگا؟''

کہنے لگے ''پہلے میں تمام ممکنہ اقدامات آزما کر دیکھتا ہوں کہ کس طرح کام ہو جائے۔ جب نہیں ہوتا، تو پھر میں آخری قدم اٹھاتا ہوں اور میرا اللہ مجھے کبھی مایوس نہیں کرتا۔''

یہ کہہ کر وہ با آواز بلند سورۂ یاسین پڑھنے لگے۔ حافظ صاحب جیسے جیسے پڑھتے جا رہے تھے، میری گناہگار آنکھوں نے دیکھا کہ بارش پہلے ہلکی ہونا شروع ہوئی۔ پھر مکمل طور پر تھم گئی۔ رفتہ رفتہ آسمان جو کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے صاف ہونے لگا۔

جیسے ہی حافظ صاحب نے سورۂ یاسین مکمل کی، دھوپ نکل آئی۔ اس کے بعد تمام راستے یعنی جاتے اور آتے ہوئے میں نے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دیکھا۔ یہ واقعہ گو بیس سال پرانا ہے، مگر مجھے آج بھی لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ حافظ صاحب کو میں جب بھی یہ بات یاد دلاتا ہوں، تو وہ زیر لب مسکرانے لگتے ہیں۔ یہ قرآنی سورہ کی تلاوت سے ہونے والا ایک معجزہ ہے جو میری آنکھوں کے سامنے ظہور پذیر ہوا اور دین پر میرا ایمان مزید پختہ کر گیا۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

شہنشاہ جہانگیر کی منہ بولی بیٹی

مغلیہ دور کے ایک زائچہ داں کا حیران کن ماجرا

حبیب اشرف صبوحی

سخت گرمیوں کے دن تھے۔ مغل بادشاہ جہانگیر صبح سویرے شکار کی غرض سے اپنے محل سے نکلا۔ شاہی فوج کا چاق چوبند دستہ ہمراہ تھا۔ ابھی ''بندھیا چل'' کے جنگل میں داخل ہی ہوئے تھے کہ جہانگیر کی نظر ایک خوبصورت ہرن پر پڑی۔ جہانگیر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، لیکن ہرن چوکڑیاں بھرتا دور نکل گیا۔

جہانگیر مسلسل ہرن کے تعاقب میں تھا۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ اسے زخمی کیے بغیر پکڑ لے، لیکن یوں لگتا تھا کہ دونوں میں سے کوئی بھی رکنے کا نام نہ لے گا۔ آخر ایک جگہ ہرن کو گھنی جھاڑیاں نظر آئیں۔ وہ اس طرف بھاگا اور ایک لمبی چھلانگ لگا کر جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔ اب جہانگیر کو احساس ہوا کہ وہ ہرن کے تعاقب میں بہت دور نکل آیا ہے اور محافظ دستہ بھی کہیں پیچھے رہ گیا۔

جہانگیر پسینے میں شرابور تھا۔ اسے بڑی شدت سے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی، لیکن دور دور تک آبادی کا کوئی نام و نشان نظر نہ آیا۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سورج اپنی تپش سے ''بندھیا چل'' کے جنگل کو بری طرح جھلسا رہا تھا۔ لُو نے پورے جنگل کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ پیاس کی شدت سے گھوڑے کا بھی بُرا حال تھا اور بادشاہ کی زبان پر تو پیاس کے مارے جیسے کانٹے پڑ گئے تھے۔

اس نے ایک بار پھر چاروں طرف نظر دوڑائی، لیکن دور دور تک پانی کا چشمہ نظر آیا نہ آبادی کا کوئی نشان۔ اسی عالم میں گھوڑے پر سوار جا رہا تھا کہ کچھ فاصلے پر اسے بہت سے درخت نظر آئے۔ وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر دیکھا کہ وہاں مکانات بھی بنے ہیں۔ لق و دق جنگل میں آبادی کا نشان دیکھ کر جہانگیر نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر دیکھا ایک مکان کے باہر چبوترے پر چودہ پندرہ برس کی ایک لڑکی بیٹھی ہے۔ لڑکی کیا تھی، حسن کا ایک شاہکار تھی۔ جہانگیر گھوڑے سے اترا اور لڑکی کے پاس گیا۔

لڑکی نے کھڑے ہو کر ادب کے ساتھ سلام کیا۔ پھر بولی ''آپ مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ پسینے سے آپ کا برا حال ہے، آپ یہاں آرام سے چبوترے پر بیٹھیں، میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔''

لڑکی مکان کے اندر چلی گئی۔ جہانگیر چبوترے پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ ''بندھیا چل'' کے اس سنسان جنگل میں بھی کیا ایسا حسن جنم لے سکتا ہے، جسے دیکھ کر چاند بھی شرمائے؟ جہانگیر دست قدرت کی ان فیاضیوں کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ لڑکی واپس آ گئی۔

اس کے ایک ہاتھ میں پانی کا پیالہ اور دوسرے میں ایک تھال تھا جس میں روٹی رکھی تھی۔ لڑکی نے یہ دونوں چیزیں جہانگیر کے آگے رکھتے ہوئے کہا ''پہلے آپ روٹی کے چند لقمے تناول فرمائیے کیونکہ سخت گرمی میں ایک دم ٹھنڈا پانی پینے سے نظام ہضم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ بہت دور سے آئے ہیں۔''

بادشاہ کو بھوک اور پیاس، دونوں ستا رہے تھے۔ تاہم ایک کم عمر لڑکی سے عقل مندی کی یہ بات سن کر اس نے پہلے روٹی کے چند نوالے لیے اور پھر پانی پی کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس دوران لڑکی پانی سے بھری ایک بڑی بالٹی گھوڑے کے آگے رکھ چکی تھی۔ جہانگیر کھانا کھا کر فارغ ہوا، تو لڑکی اس کے ہاتھ دھلانے لٹیا میں پانی لائی۔ ہاتھ دھلاتے ہوئے لڑکی کی نظر جہانگیر کی انگشتری پر پڑی جس میں ایک نہایت قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا۔

ہاتھ دھلانے کے بعد وہ مکان کے اندر گئی۔ جب واپس آئی، تو اس کے ہاتھ میں ڈھیر سارے کاغذ تھے۔ وہ پھر جہانگیر کے سامنے بیٹھ کر کچھ لکھنے لگی۔ جہانگیر اس کی بچکانہ حرکتیں دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ اتنے میں لڑکی نے کہا:

''معزز مسافر! کیا میں آپ کا ہاتھ دیکھ سکتی ہوں؟''

جہانگیر نے اپنا دایاں ہاتھ لڑکی کی طرف بڑھایا۔ ہاتھ دیکھ کر لڑکی پھر مکان کے اندر گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی، تو اس کے ہاتھ میں ایک اور کاغذ تھا۔ جہانگیر نے دیکھا کاغذ پر اس کا زائچہ بنا ہوا تھا۔ لڑکی نے بلند لہجے میں آواز دی ''ماتا جی، ماتا جی!''

چند لمحوں بعد اس کی ماں سامنے والے مکان سے باہر آئی اور پوچھا ''روپ متی کیا بات ہے؟'' پھر اس کی نظر جہانگیر پر پڑی، تو پوچھا ''روپ متی، یہ کون ہیں؟''

قبل اس کے لڑکی کچھ بتاتی، جہانگیر نے کہا ''بہن! میں آگرہ کا رہنے والا اور شاہی فوج کا سپاہی ہوں۔ راستہ بھول کر ادھر آ نکلا۔ روپ متی کا ممنون ہوں، اس نے میری خدمت کی اور میرے گھوڑے کو بھی پانی پلایا۔''

روپ متی بولی ''جناب! گستاخی معاف، آپ اپنی شخصیت ہم سے چھپا رہے ہیں۔ میرے زائچے کے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

مطابق آپ ہمارے مہاراج جہانگیر ہیں۔"

بادشاہ لڑکی کی یہ قابلیت دیکھ کر بہت حیران ہوا، لیکن اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "بیٹی! تمھیں غلط فہمی ہوئی۔ میں تم سے اپنی شخصیت نہیں چھپا رہا، لیکن تم یہ بتاؤ، تم اس ویران جنگل میں کیونکر رہتی ہو؟ تمھاری معاش کا کیا ذریعہ ہے؟"

"مہاراج....."

جہانگیر بات کاٹتے ہوئے بولا "میں نے کہا نا کہ میں مہاراج نہیں۔"

تبھی بڑھیا بولی "روپ متی کے پتا بیجاپور کے بہت بڑے پنڈت اور شاہی نجومی تھے۔ ایک روز وزیراعظم کسی بات پر ان سے ناراض ہو گئے اس پر روپ متی کے پتا شاہی ملازمت چھوڑ کر اس جنگل میں آ بسے۔ قریب کے ایک گاؤں والے ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ روپ متی کے پتا گزشتہ سال آنجہانی ہو چکے۔ انھوں نے بیٹی کو بھی نجوم اور رمل کی تعلیم دی تھی۔

"بیٹی کا امتحان لینے کے لیے ایک روز انھوں نے اس جگہ کا زائچہ بنوایا۔ روپ متی کے بنائے زائچے کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ ان کے اپنے بنائے اور روپ متی کے زائچے میں ذرا بھی فرق نہ تھا۔ ان زائچوں سے معلوم ہوا کہ ایک روز شہنشاہ ہمارے مہمان ہوں گے اور شناخت کا ذریعہ ان کی انگشتری بنے گی جس میں نہایت درجہ قیمتی یاقوت جڑا ہو گا۔ مہاراج! روپ متی کا زائچہ غلط نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ہی مہاراج جہانگیر ہیں، پرماتما آپ کو سلامت رکھے!"

بڑھیا کی بات سن کر جہانگیر کے لیے اپنی شخصیت کو چھپانا از بس مشکل ہو گیا۔ بولا "خیر اس بات کو چھوڑیں کہ میں کون ہوں؟ لیکن روپ متی آج سے میری بیٹی ہے۔ اسے تم یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھو۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ شاہی فوج کا ایک دستہ وہاں آ پہنچا۔ شہنشاہ کو دیکھ کر انھوں نے فوجی انداز میں سلام کیا اور پھر جہانگیر کے اشارے پر نہایت ادب سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

روپ متی نے کہا "مہاراج! ان دو ثبوتوں کی موجودگی میں تو آپ میرے زائچے کو غلط نہیں کہہ سکتے۔"

"دو ثبوت؟" جہانگیر نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں مہاراج! پہلا ثبوت تو یہ شاہی فوج کی سلامی ہے۔ دوسرا ثبوت انگوٹھی ہے، جو مہاراج جہانگیر کے سوا کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔"

پھر وہ تیزی سے مکان کے اندر گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک خط لا کر جہانگیر کو دیا اور بتایا کہ یہ میرے پتا جی نے مرنے سے پہلے آپ کے نام لکھا تھا۔ جہانگیر نے خط کھول کر پڑھا، تو اس میں لکھا تھا:

"مہاراج بہت جلد آپ دلی پر بھی حکمرانی کریں گے۔ میری درخواست ہے کہ میری بیٹی اور نواسی کا بھی خیال رکھیں۔"

یہ خط پڑھ کر جہانگیر نے حکم دیا "روپ متی اور اس کی والدہ کو شاہی محل پہنچا دیا جائے۔"

شاہی محل میں ملکہ نور جہاں نے روپ متی اور اس کی والدہ کی کفالت اپنے ذمے لے لی۔ کچھ دنوں بعد آگرہ کے ایک معزز برہمن خاندان میں روپ متی کی شادی کر دی گئی۔ روپ متی کے والد کی حیثیت سے خود جہانگیر شادی کی تمام رسوم میں شریک ہوا اور جہیز کے طور پر ایک بہت بڑی جاگیر بھی اسے عطا کی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جہانگیر کے بعد جب شاہجہان تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی منہ بولی بہن کی جاگیر میں مزید اضافہ کر دیا۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

انسان کو سب سے زیادہ تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب کوئی قریبی رشتے دار یا دوست ناروا سلوک کرے۔ تب انسان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان کا نفس اور آس پاس کے لوگ اُسے بدلہ لینے پر اکساتے ہیں۔ تب عموماً غصے کی آگ میں بدلہ لیا جاتا ہے۔ لیکن جذباتی قدم اٹھانے سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ کئی انسان اور گھر تباہ ہوجاتے ہیں۔ اس کا ایک ہی حل ہے جو اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے کے لیے آزمائش کا باعث بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔ (الفرقان: ۲۰)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رشتے دار اور دوست ہمارے ساتھ ناروا سلوک کریں، تو اصل میں یہ اللہ ہی کی طرف سے ہماری آزمائش ہوتی ہے۔ اسی لیے

رب کی بتائی راہ پر چل کر

اللہ کا محبوب بنیے

خالق کائنات کی آزمائش پر پورا اتریے

اور ڈھیروں اجر پائیے

رضوان احمد ہاشمی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اللہ تعالیٰ خود پوچھ رہا ہے کہ کیا تم صبر کرو گے؟ یعنی ہمیں صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔ ''اور جس شخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا، بے شک یہ بلند ہمت والوں کے کاموں میں سے ہے۔''

(الشوریٰ: ۴۳)

آپ پاکستانی معاشرے پر نظر دوڑائیے۔ آج لوگ دانستہ یا نادانستہ ایک دوسرے کو تکلیف دیتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ تکلیف پہنچنے پر صبر کیا جائے۔ یہی ہمت کی بات ہے نہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے۔ صبر کرنا بہت مشکل لیکن اس کا اجر بے شمار ہے۔ اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔ لیکن جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی، تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔''

(الشوریٰ: ۳۹)

برائی کے بدلے اچھائی کرنے ہی کی تعلیم اللہ تعالیٰ دے رہا ہے اور اس نیک کام کا اجر بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے: ''صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔'' (الزمر: ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی اور بدی برابر نہیں، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ برائی کو بھلائی سے دور کرے۔ پھر وہی شخص جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے، وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا محب اور دوست ہو۔''

گویا آج بیشتر پاکستانی برائی کو برائی ہی سے دور کر رہے ہیں۔ اس کے نتائج بھی بھگتتے ہیں۔ سب سے بہتر اللہ کی نصیحت ہے کہ برائی کو بھلائی سے دور کرو۔ اس پر عمل کرنے سے آپ کا دشمن آپ کا دوست بن جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بہت ہمت کا کام ہے مگر اس کا اجر بھی تو بے حساب ملے گا۔

''جو غصے کو پینے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

(آل عمران: ۱۳۴)

درج بالا آیت سے عیاں ہے کہ لوگوں کی زیادتی پر صبر اور ان کو معاف کرنے پر اللہ تعالیٰ کی محبت ملتی ہے۔ نیز قیامت کے دن بے حساب اجر کی بشارت دی گئی ہے۔ کیا اللہ کے یہ انعامات بہتر ہیں یا برائی کا بدلہ برائی سے لینا بہتر ہے؟ فیصلہ ہمیں خود کرنا ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب اہل عافیت مصائب پر صبر کرنے والوں کا اجر و ثواب دیکھیں گے، تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کی کھال کو قینچی کے ساتھ کاٹ دیا جاتا۔''

صبر کا اجر اتنا ہے کہ ہم اپنی عقل سے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بتایا گیا ہے کہ صبر کرنے پر اللہ ہم سے محبت کرے گا۔ جب اللہ کی محبت مل جائے گی، تو ایک انسان کو دنیا اور آخرت میں اور کیا چاہیے؟ صبر کرنے اور لوگوں کو معاف کرنے پر کئی انعامات ملتے ہیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دوستوں، رشتے داروں اور انسانوں کے ساتھ زیادتی کرتے چلے جائیں اور ہمیں کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچے گا۔

حضرت ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سرکشی اور رشتے داروں سے ناروا سلوک کے سوا اور کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ دنیا میں جلد سزا دے اور آخرت میں بھی سزا کا ذخیرہ کر رکھا ہو۔ اللہ کی سزا چاہیے یا محبت..... اس بات کا فیصلہ ہمیں خود کرنا ہے۔ صبر کی اللہ تعالیٰ نے خود تعریف کی ہے کہ یہ ہمت والوں کا کام ہے۔ اگر صبر نہ کیا اور لوگوں کے ساتھ بدستور بدسلوکی کرتے رہے، تو اس کا انجام دنیا اور آخرت میں ذلت کے سوا کچھ نہیں۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

دینی شخصیت

بچوں کو اسلامی یا غیر اسلامی بنانے میں

گھر میں سب سے اہم کردار ماں کا ہے

ممتاز عالمِ دین، مفتی تقی عثمانی کی بیگم صاحبہ کا ایقان افروز انٹرویو

ترجمہ: سید عاصم محمود

کراچی میں مقیم مفتی محمد تقی عثمانی کا شمار وطن عزیز کے ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ آپ مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحب زادے ہیں۔ ۱۹۴۳ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد والدین کی معیت میں کراچی چلے آئے۔ وہیں مفتی شفیع نے ۱۹۵۱ء میں ''دارالعلوم'' کی بنیاد رکھی۔ مفتی تقی عثمانی اور آپ کے بڑے بھائی، مفتی رفیع عثمانی اب دارالعلوم میں تشنگان علم کی پیاس بجھا رہے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل کراچی کے انگریزی رسالے ''دی انٹلیکٹ'' (The Intellect) میں مفتی تقی عثمانی کی زوجہ محترمہ کا انٹرویو شائع ہوا۔ یہ ہمارے مشہور عالم دین کی خانگی زندگی، گھریلو معاملات اور اسلامی رہن سہن پر مفید روشنی ڈالتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

سوال: مفتی صاحب نے تمام عمر اسلام کی خدمت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ انھیں عظیم کامیابیاں اس لیے بھی حاصل ہوئیں کہ ان کو گھر میں آپ کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ان کی کیونکر مدد و معاونت رہی؟

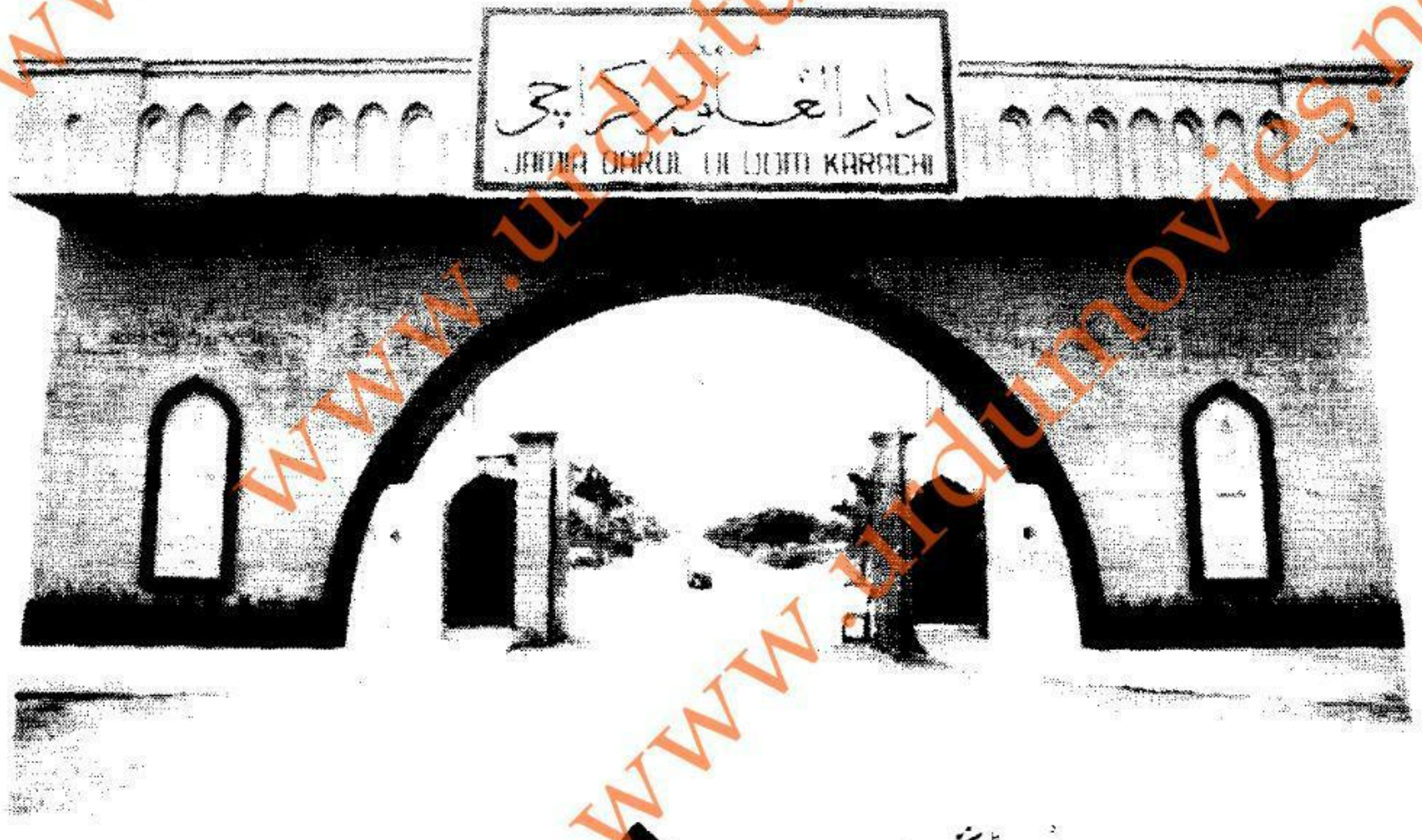

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

جواب: شادی کے پہلے دن ہی میں نے طے کر لیا کہ میں اس طریقے سے گھر کی ذمے داریاں سنبھالوں گی کہ میرے شوہر اپنا سارا وقت دین کی ترقی و ترویج پر صرف کر سکیں۔ یہی امر میرے لیے بہت ثواب کا کام تھا۔

چناں چہ ہماری شادی ہوئے کئی برس ہو چکے، آج بھی گھر کے تمام چھوٹے بڑے امور میں ہی دیکھتی ہوں۔ انھیں کسی گھریلو معاملے مثلاً سودا سلف لانے یا ملبوسات وغیرہ کی خریداری کے سلسلے میں پریشان نہیں کیا جاتا۔ اگر ٹیلی فون کی تار ٹوٹ گئی، تو یہ مسئلہ بھی میں ہی حل کرتی ہوں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ مفتی صاحب دین کی اشاعت پر بھرپور توجہ دے سکیں۔

اس موقع پر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اللہ پاک نے مجھے بہترین اور مثالی شریک حیات سے نوازا۔ انھوں نے گھر میں اہل خانہ کو بہترین دینی و دنیاوی ماحول مہیا کیا۔ اس پر میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں۔

سوال: شیخ الاسلام اکثر بیرون ملک دورے کرتے ہیں۔ آپ کو کبھی ان کے ساتھ جانے کا موقع ملا؟ اگر ہاں، تو آپ ان کے ساتھ کیسے وقت گزارتی ہیں؟

جواب: کئی بار میں ان کے ساتھ بیرون ممالک جا چکی۔ عموماً جب بھی ہم جہاز پر سوار ہوں، مفتی صاحب لیپ ٹاپ پر کام کرنے لگتے ہیں۔ جہاز کے اترنے تک اس پر کام جاری رہتا ہے۔ اس دوران میں تلاوت کلام پاک کرتی ہوں۔

ہوٹل پہنچتے ہی مفتی صاحب اپنی طے شدہ مصروفیات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ میں قرآن پاک پڑھتی یا اسلامی کتب کا مطالعہ کرتی ہوں۔ دراصل مطالعہ میرا مرغوب مشغلہ ہے۔ گھر میں چونکہ وقت نہیں ملتا، لہٰذا بیرون ملک دورے کے دوران میں خوب کتابیں پڑھتی ہوں۔ آج کل عربی سیکھ رہی ہوں تاکہ عربی کتب کا بھی مطالعہ کر سکوں۔

مجھے خریداری (شاپنگ) یا سیر و تفریح کا کوئی شوق نہیں۔ مجھے خواتین گھومنے پھرنے کی دعوت دیتی ہیں، لیکن مجھے ہوٹل کے کمرے میں رہنا پسند ہے۔ البتہ ہم کراچی میں ہوں یا لندن میں، میں نماز فجر کے بعد آدھ گھنٹا مفتی صاحب کے ساتھ ضرور صبح کی سیر کرتی ہوں۔ شام کو مشین پر آدھ گھنٹا پیدل چلتی ہوں۔ اسی دوران میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے پارے کا ایک جز ختم کر لیتی ہوں۔

> شادی کے پہلے دن ہی میں نے طے کر لیا کہ میں اس طریقے سے گھر کی ذمے داریاں سنبھالوں گی کہ میرے شوہر اپنا سارا وقت دین کی ترقی و ترویج پر صرف کر سکیں۔

بیرون ملک دورے پر جب مفتی صاحب کی مصروفیات ختم ہو جائیں، تو عموماً ایک دن وہ زائد رکتے ہیں۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ وہ مجھے شہر کے قابل دید اور مشہور مقامات کی سیر کروا سکیں۔

سوال: جب بچے بڑے ہو جائیں، تو خواتین خانہ کو ستانے کا وقت مل جاتا ہے۔ اب آپ اپنا عام دن کس طرح گزارتی ہیں؟

جواب: میں ہر جمعرات و جمعرات فاؤنڈیشن اسکول کی اساتذہ اور عملے کو لیکچر دیتی ہوں۔ (یہ ایجوکیشن سسٹم کی تعلیم دینے والا یہ اسکول دارالعلوم کراچی کی عمارت ہی میں واقع ہے) دوران لیکچر میں عموماً مفتی صاحب کی کتاب، اصلاحی خطبات سے اقتباسات پڑھتی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہوں تا کہ کام کا معیار پرکھ سکوں۔

دن کا میرا معمول مفتی صاحب کے اوقات کار سے ہم آہنگ ہے تا کہ انھیں زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچ سکے۔ معمول کچھ یوں ہے:

نماز فجر کے بعد ہم ہوا خوری کرتے ہیں۔ صبح ساڑھے سات بجے ناشتا کیا جاتا ہے۔ مفتی صاحب پھر ۸ تا ۱۰ بجے جماعت میں صحیح بخاری کی تعلیم دیتے ہیں جبکہ میں گھریلو امور میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ مفتی صاحب ۱۰ بجے گھر آتے اور بارہ بجے تک اپنے لیپ ٹاپ پہ کام کرتے ہیں۔ (کتابیں اور مضامین لکھنا وغیرہ)

۱۲ سے ۲ بجے تک مفتی صاحب دفتر میں بیٹھتے ہیں۔ نماز ظہر کے بعد تقریباً سوا دو بجے ہم اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔ بعدازاں تقریباً ساڑھے تین بجے تک قیلولہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد مفتی صاحب پھر دفتر جاتے ہیں۔ وہاں اساتذہ، طالب علم اور مہمان ان سے مختلف موضوعات پر گفت وشنید کرتے ہیں۔

نماز عصر کے بعد مفتی صاحب گھر پر وقت گزارتے ہیں۔ نماز مغرب تک کا وقت اہل خانہ کے لیے مخصوص ہے۔ مفتی صاحب زور دیتے ہیں کہ اس وقت سب لوگ مل جل کر بیٹھیں۔ اس دوران متفرق موضوعات پر باتیں ہوتی ہیں۔

نماز مغرب کے بعد مفتی صاحب عموماً تحقیق و تصنیف کے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ کام نماز عشا تک جاری رہتا ہے۔ اس دوران مفتی صاحب کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی جاتی۔

نماز عشا کے بعد سب اہل خانہ کھانا تناول کرتے ہیں۔ بعداز طعام مفتی صاحب دس پندرہ منٹ کے لیے کسی کتاب سے اسلامی واقعات پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ سلسلہ رات ۱۲ بجے تک چلتا ہے۔

سوال: اس وقت مغربی تہذیب و تمدن نے ہمارے معاشرے پر یلغار کر رکھی ہے۔ آپ کے خیال میں مسلم خواتین کی اصلاح کے حوالے سے کیسے اقدامات ہونے چاہییں؟

جواب: سب سے پہلے، تو خواتین کی زیادہ سے زیادہ ایسی محافل منعقد ہوں جن میں انھیں ہر قسم کی دینی باتیں بتائی جائیں، خاص طور پر سلف صالحین کا طرز زندگی! یوں انھیں بھی تحریک ملے گی کہ وہ اپنے طرز حیات کو اسلامی اقدار و روایات کے مطابق ڈھال لیں۔

میں سمجھتی ہوں کہ اصلاح کا فریضہ نرمی و محبت سے انجام دینا چاہیے۔ یہ نہیں کہ انسان لٹھ لے کر دوسرے پر چڑھ دوڑے۔ یوں دوسرا زیادہ بغاوت پر اتر آتا ہے۔ جبکہ نرمی سے کی گئی بات ہمیشہ اثر کرتی ہے۔ لہٰذا کوئی خاتون دینی تعلیمات سے آگاہی رکھتی ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے حلقہ احباب یا محلے میں ایسی محفلیں باقاعدگی سے منعقد کرے جن میں خواتین کو اسلامی باتیں بتائی جائیں۔

ایک عورت بچوں کی پرورش کرتی ہے، لہٰذا اسے خاص طور پر دینی تعلیم سے آراستہ پیراستہ ہونا چاہیے۔ یوں وہ اسلامی طرز حیات کے مطابق اولاد کو پالتی پوستی اور انھیں مغربی تہذیب کی برائیوں سے بچا کر رکھتی ہے۔

سوال: آج کل معاشرے میں طلاق کا رجحان بہت بڑھ چکا۔ آپ کے نزدیک کامیاب اور خوشگوار شادی کا راز کیا ہے؟

ضروری ہے کہ اس وقت تمام پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں موجود ہوں۔ اس مرحلے کے بعد مفتی صاحب پھر تصنیف و تالیف کا کام کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ رات ۱۲ بجے تک چلتا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

جواب: خوشگوار زندگی کا ایک اہم گُر یہ ہے کہ بیوی شوہر کی پسند نا پسند کو سمجھتی ہو۔ یوں میاں بیوی کے تعلقات میں مضبوطی اور اعتماد آتا ہے۔ آج کل یہ رواج ہو چکا کہ بیوی جب باہر جائے، تو نئے کپڑے پہن اور میک اپ کر کے نکلتی ہے۔

دوسری طرف جب گھر میں رہے، تو سادہ کپڑے زیب تن کرتی اور عموماً بناؤ سنگار سے بے توجہی برتتی ہے۔ اس کے بدن سے پیاز و لہسن کی بُو آتی ہے۔ حالانکہ بیوی کا چلن الٹا ہونا چاہیے۔ وہ گھر سے نکلے، تو باحجاب ہو اور سادہ لباس پہنے۔ جبکہ گھر میں اسے شوہر کی خاطر بن سنور کر رہنا چاہیے۔ اس طرح گھر میں صحت مند اور خوشگوار ماحول جنم لیتا ہے۔

سوال: آپ کو شیخ الاسلام کی کون سی عادات پسند ہیں؟

جواب: (مسکراتے ہوئے) مجھے ان کی تمام عادتیں پسند ہیں، ماشاءاللہ! درحقیقت میرے رشتے دار اکثر مذاقاً مجھ سے کہتے ہیں، ہم نے آج تک ایسی بیوی نہیں دیکھی جو اپنے شوہر کی باتیں اتنی توجہ و غور سے سنتی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ انھوں نے ہمیں بہترین جوڑا بنایا۔ شاید وجہ یہ کہ ہم ہمیشہ ایک دوسرے کا بھلا چاہتے اور ثواب کمانے کی خاطر کام کرتے ہیں۔

سوال: کھانے میں شیخ الاسلام کو کیا پسند ہے؟

جواب: بکرے کے گوشت کا سادہ سالن اور دال ماش شوق سے کھاتے ہیں۔

سوال: ہمارے معاشرے میں بہت سی غیر اسلامی رسومات رواج پا چکی۔ کرپشن کا بھی دور دورہ ہے اور اشیا اکٹھی کرنے کی ہوس بڑھ رہی ہے۔ ایسے ماحول میں ایک مسلمان اپنے آپ اور گھر والوں کو کیسے محفوظ و مامون رکھے؟

جواب: اگر ایک خاندان دینی تعلیمات سے آگہی اور نیک و بد میں تمیز رکھتا ہے، تو وہ با آسانی دور حاضر کی تمام برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ اخلاقی برائیاں ہر دور میں ہوتی ہیں اور ان سے بچ کر تقویٰ پر چلنا ہی ایک مسلمان کا اصل کام ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک گھر میں سب سے اہم کردار ماں کا ہوتا ہے۔ وہ چاہے، تو پورے گھر کا ماحول اسلامی یا غیر اسلامی بنا سکتی ہے۔

اخلاقی برائیاں ہر دور میں ہوتی ہیں اور ان سے بچ کر تقویٰ پر چلنا ہی ایک مسلمان کا اصل کام ہے۔

ایک بار دورہ انگلستان کے دوران ایک مسلم گھرانے میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مقیم بچے بچیوں کو پاکستانی بچوں سے زیادہ مسنون دعائیں یاد تھیں۔ خواتین اور لڑکیاں باحجاب رہتیں۔ تمام مرد باقاعدگی سے اسلامی فرائض ادا کرتے۔

مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ لوگ انگلستان کے آزاد ماحول میں رہائش پذیر ہیں۔ اس کے باوجود آپ کا طرز زندگی سو فیصد اسلامی ہے۔ یہ کرشمہ کیونکر ظہور پذیر ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ ہمارے گھر کا ماحول ہمیشہ سے مذہبی رہا ہے۔

دراصل دینی گھریلو فضا میں پلتے بڑھتے بچے بیرونی منفی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر والدین اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوں، تو ان کی اولاد بھی انہی کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ ماضی کی طرح آج بھی اسلامی تعلیمات پر چلنا بہت آسان ہے۔ بس مسلمان میں خود اعتمادی اور ارادہ ہونا چاہیے۔

آپ کا بہت شکریہ کہ ہمارے لیے وقت نکالا اور اپنے عمدہ خیالات سے ہمیں مستفید کیا۔ ◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

یمن میں حارث بن عمرو الکندی نام کا ایک بادشاہ گزرا ہے۔ ایک دن اسے اطلاع ملی کہ عوف کندی نامی سردار کی لڑکی غیر معمولی طور پر حسین و جمیل ہے۔ بادشاہ نے اسی کی برادری کی عصام نامی ایک عورت کو حال معلوم کرنے بھیجا۔ وہ لڑکی کی والدہ کے پاس پہنچی جس کا نام امامہ بنت حارثہ تھا۔ اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

وہ اسے اپنی لڑکی کے پاس لے گئی اور کہا کہ یہ تیری خالہ ہے جو تجھے ملنے اور تیرے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئی ہے۔ اس سے کھل کر بات کر اور کوئی بات اس سے نہ چھپانا۔ وہ عورت اس لڑکی کو دیکھ کر اس کے حسن و جمال اور سلیقہ مندی کی قائل ہوگئی۔ واپس آکر بادشاہ سے صورت حال بیان کر دی اور اس کی بہت تعریف کی۔

یہ سن کر بادشاہ نے اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ چناں چہ اس کے ساتھ بادشاہ کی شادی ہو گئی۔ رخصتی کے وقت جب دلھن کو پالکی میں بٹھا کر خاوند کے گھر لے جانے کا مرحلہ آیا، تو ماں نے اسے چند نصیحتیں کیں۔ اس نے کہا:

اے بیٹی، اگر نصیحت کسی کے عقل و خرد یا اعلیٰ نسب

سسرال جاتی بیٹی کے نام

والدہ کی دس نصیحتیں

عقل مند دختر نے ان پر عمل کیا،
تو پُرمسرت ازدواجی زندگی کا خزانہ پالیا

مولانا محمد منصانی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کی وجہ سے کی جاتی، تو میں اسے ضرور چھوڑ دیتی اور تجھ سے چھپاتی۔ مگر یہ عقل مند کے لیے یاددہانی کے طور پر اور بے سمجھ کے لیے بطور تنبیہہ کی جاتی ہے۔ اس لیے میں تجھے نصیحت کر رہی ہوں۔

اے میری بیٹی، اگر عورت اپنے والدین کی دولت مندی اور ان کی والہانہ محبت کی وجہ سے مستغنی ہوتی، تو سب سے زیادہ میں اپنے خاوند سے لاپروا اور مستغنی ہوتی، مگر ایسا نہیں۔ بلکہ جس طرح عورتوں کے لیے مرد پیدا کیے گئے ہیں بالکل اسی طرح عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اے بیٹی، تو ایک مانوس ماحول اور وطن سے دور ایسے ماحول میں جا رہی ہے جسے تو نہیں جانتی۔ ایک ایسے ساتھی کے ہاں تجھے جانا ہے جس کے ساتھ تو مانوس نہیں جب کہ وہ تیرا مالک بن جائے گا۔ لہٰذا تو اس کی لونڈی بن جانا اس طرح وہ تیرا غلام بن جائے گا۔

اس سلسلے میں تو میری دس باتیں یاد رکھنا

☆ پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے خاوند کے ساتھ قناعت اور سادگی سے زندگی گزارنا۔

☆ اس کی بات غور سے سننا اور اطاعت کرنا کیونکہ قناعت میں دل کو راحت پہنچتی ہے اور اطاعت و فرمانبرداری میں مالک (خاوند) خوش ہوتا ہے۔

☆ تیسری بات یہ کہ تجھ سے خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہو۔

☆ تیرا خاوند تجھے صاف ستھرے اور مہکتے لباس میں ملبوس ہی دیکھے۔ اے میری بیٹی، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ عطر کی عدم موجودگی میں پانی سب سے خوشبودار ہے اس سے نہا اور بناؤ سنگار کر۔ حسن پیدا کرنے کے لیے تیرے پاس سرمہ موجود ہے، اس سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں۔

☆ پانچویں بات یہ ہے کہ اس کے کھانے کے وقت کا خیال رکھ۔

☆ سونے کے وقت بھی اس کے آرام کا خیال رکھ کیونکہ بھوک کی شدت ناقابل برداشت ہوتی ہے اور نیند سے اچانک جاگنا غصے کا سبب ہوتا ہے۔

☆ ساتویں بات اس کے مال کی حفاظت کرنا ہے۔

☆ آٹھویں نصیحت یہ ہے کہ اس کے رشتے داروں اور خاندان کا لحاظ رکھنا۔ کیونکہ مال کی حفاظت حسن ترتیب اور رشتے داروں اور خاندان کی رعایت حسنِ انتظام کی علامت ہے۔

☆ نویں یہ کہ اس کے رازوں کو ظاہر نہ کرنا۔

☆ دسویں یہ کہ اس کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا۔ کیونکہ اگر تو نے اس کے راز کو ظاہر کر دیا، تو سزا سے نہ بچ سکے گی اور اگر نافرمانی کی، تو اس کے غصے کو بھڑکا دے گی۔

اے بیٹی، جب وہ ناخوش ہو، تو خوش ہونے اور جب وہ خوش ہو، تو غم کا اظہار کرنے سے بچنا۔ کیونکہ پہلی چیز کوتاہی کی علامت ہے اور دوسری سے کدورت کا اظہار ہوتا ہے۔

اور تجھے اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تمام چیزیں، تو اپنے خاوند سے اس وقت تک حاصل نہ کر سکے گی جب تک کہ تو ان تمام معاملات میں جنھیں تو پسند یا ناپسند کرتی ہے، اپنے خاوند کی خواہش اور رضا کو اپنی مرضی پر ترجیح نہ دے۔ اللہ تعالیٰ تیرے لیے بہتری کرے اور تجھے اپنی رحمت سے نوازے۔

جب لڑکی اپنے خاوند کے ہاں پہنچی، تو اس نے اپنی والدہ کی نصیحتوں کے مطابق عمل کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے خاوند کا اعتماد حاصل کر لیا اور بڑی عزت پائی۔ ◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

جسے ہر کوئی جاننا چاہے

کامیابی کا راز

اُس نادر گُر کا بیان جس کی مدد سے ایک ناکام مسلمان خود کو کامیاب بنا سکتا ہے

قاری احمد ہاشمی

یہ دیکھا گیا ہے کہ بظاہر کامیاب نظر آنے والے بہت سے لوگ کسی نہ کسی لحاظ سے ناکام ہوتے ہیں۔ وہ یوں کہ ان کے پاس پیسے کی فراوانی، جائداد، عزت اور ہر طرح کی سہولیات موجود ہوتی ہیں۔ پھر بھی وہ مایوسی اور بے سکونی کی زندگی گزارتے ہیں۔ اسی طرح بے شمار لوگ جب صبح بیدار ہوں، تو پتا چلتا ہے کہ ان کے بچے اسکول جا چکے۔ جب وہ رات کو گھر آئیں، تو بچے سو رہے ہوتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بچے جو ہمارا اصل سرمایہ ہیں، ان کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا۔ یہ خرابی اسی لیے جنم لیتی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو متوازن نہیں رکھ پاتے۔

مثال کے طور پر کئی لوگ عبادت میں اس طرح مگن ہوتے ہیں کہ اپنی گھریلو ذمے داریاں بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ بیوی بچوں کو محنت سے حلال رزق کما کر کھلانا بذات خود بہت بڑی عبادت ہے۔ یہ لوگ اپنی آخرت بناتے بناتے اپنی دنیا اجاڑ لیتے ہیں۔ دین اور دنیا الگ الگ نہیں بلکہ دنیا، تو آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا

اخلاقیات

میں ہر وہ کام جو آپ اچھی نیت سے انجام دیں، آخرت میں اس کا صلہ پائیں گے۔

اسی طرح ہمارے نوجوانوں کی بڑی تعداد مختلف کھیلوں سے بہت جذباتی لگاؤ رکھتی ہے۔ دوسری طرف پڑھے لکھے طبقے کے کچھ افراد فقط کتابیں پڑھنے کو زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھتے ہیں۔ دراصل اگر آپ کے مقاصد اور اہداف صرف ایک شعبے تک محدود رہیں، تو عموماً آپ ناکام اور غیر منظم شخصیت کے مالک بن جاتے ہیں۔

میری نظر میں زندگی کے اہم ترین شعبہ جات کچھ اس طرح ہیں:

مالیات، صحت، خاندان، مستقبل، سماجی خدمت، آپ کی اپنی ذات، دین اور روحانیت۔

جو انسان ان تمام شعبوں میں توازن برقرار نہ رکھے، وہ حقیقی کامیابی کے مفہوم سے آگاہ نہیں ہو پاتا۔ اس لیے درج بالا شعبوں میں سے کسی ایک کو نظر انداز نہ کیجیے۔

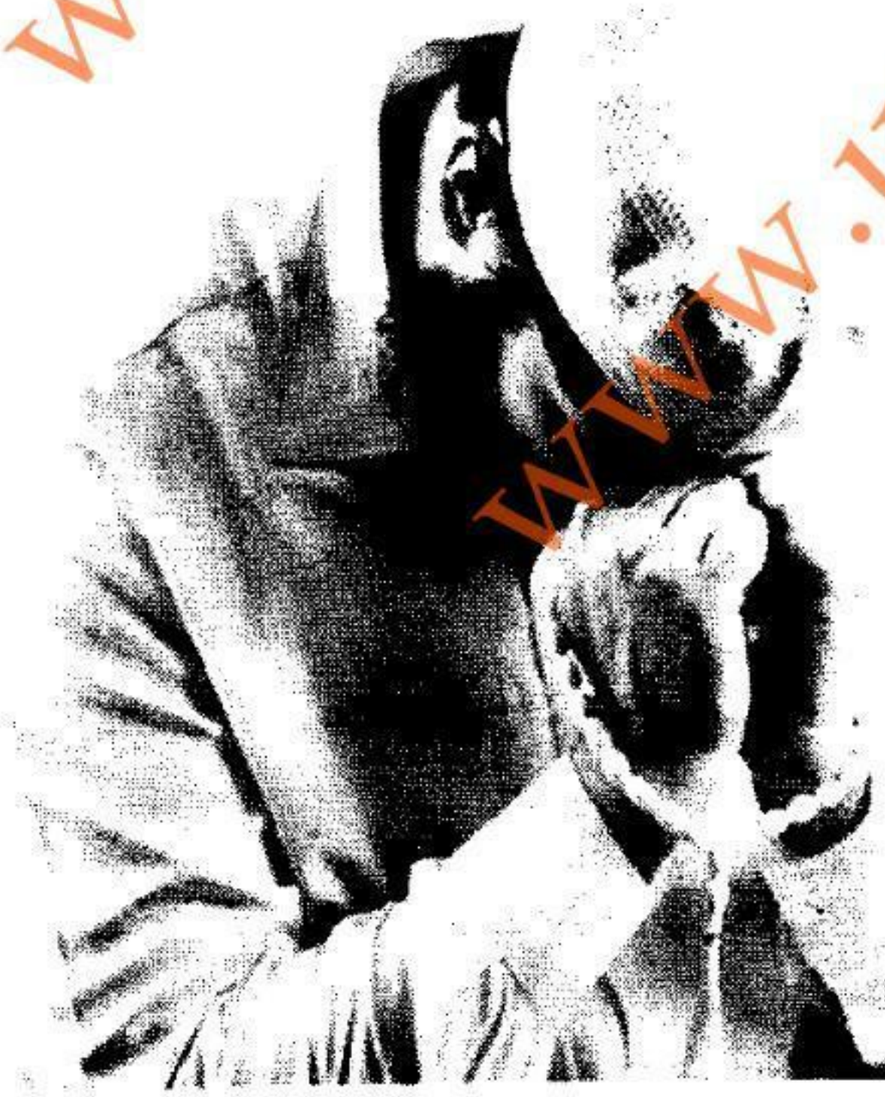

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

دولت ہونا ضروری ہے، لیکن پیسا سب کچھ نہیں۔ اسی طرح صحت قائم نہیں رہتی، تو ساری کامیابیاں دھری رہ جاتی ہیں۔ آپ کا بہترین اور خوبصورت وقت وہ ہے جو آپ گھر والوں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ آپ پر سب سے زیادہ حق اہل خانہ کا ہے۔

پسندیدہ شعبہ (Career) منتخب کیے بغیر آپ قید بامشقت کاٹیں گے، اس لیے یہ بھی زندگی کا بہت اہم شعبہ ہے۔ دولت اور آپ کا علم کسی کام کا نہیں اگر یہ دوسروں کی مدد اور آسانی کے لیے استعمال نہ ہو رہا۔ اسی لیے سماجی خدمت کرنا بھی ضروری ہے۔ آخر میں یہ بتانا لازم ہے کہ تمام شعبوں کی کامیابیاں کسی کام کی نہیں جب مالک (اللہ تعالیٰ) ہی آپ سے راضی نہ ہوں۔

چناں چہ کامیابی پانے کے لیے صدق دل سے اللہ سے دعا کیجیے۔ جب کامیابی مل جائے، تو اس مالک کا شکر ادا کریں۔ مذکورہ بالا تمام شعبوں کا توازن ہی ہمیں اندرونی سکون اور حقیقی خوشی سے آشنا کرواتا ہے۔

بعض افراد کو سماجی کارکن بننے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کا کام کروانے کے لیے بھاگتے پھرتے ہیں۔ ان کی لاتعداد دوستیاں ہوتی ہیں، لیکن ایک بھی سچا و مخلص دوست نہیں ہوتا۔ یہ لوگ دوسروں کی زندگیاں بناتے بناتے اپنی زندگی ناکام بنا لیتے ہیں۔ لہٰذا درج بالا شعبوں میں توازن رکھنا ضروری ہے۔ قرآن و سنت میں اسی توازن زندگی کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

حضورﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"خیر الامور اوسطھا"

"اعتدال سے کام انجام دینے میں ہی خیر ہے۔"

●●●

زندگی کے انداز

کہا جاتا ہے کہ کتابیں انسان کی دوست ہیں، لیکن آج کل بہت کم لوگ علمی و ادبی کتب پڑھتے ہیں۔ زیادہ تر تو فلمیں دیکھتے یا نیٹ استعمال کرتے ہیں۔ لوگ اپنی خواہشات ہر حالت میں پورا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات اس چیز کے مطابق نہ ہوں جو میں لایا ہوں۔"

انسان پر بُرا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتا ہے۔ اس لیے کبھی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ وہ صبر سے کام لے اور خوشی اور غمی یعنی ہر طرح کے حالات میں صرف اللہ رب العزت سے مدد طلب کرے۔

اگر ہم اپنا حق چاہتے ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے فرائض کو پورا کریں۔ رشوت لینے اور دینے سے گریز کریں کیونکہ اس سے معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ آج کل کے دور میں اب بھی کچھ لوگ قناعت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان سے کسی اور کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ مسکراہٹ ایک قیمتی تحفہ ہے جب بھی آپ کسی سے ملیں، تو مسکراتے ہوئے اور خوش اخلاقی سے ملیں اور کوشش کریں کہ آپ کسی کو دکھ نہ دیں۔ ہمیں چاہیے کہ سرکارِ دوعالم حضرت محمد ﷺ کی سیرت کو اپنائیں۔ جب تک مسلمان اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے کامیاب رہے۔ جب عمل کرنا چھوڑ دیا، تو ذلت اور پستی کا شکار ہو گئے۔ بقول شاعر

وہ معزز تھے زمانے میں صاحبِ قرآں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

(بنت محمد رزاق، میرپور، آزاد کشمیر)

www.pdfbooksfree.pk

اردو ڈائجسٹ کے سالانہ خریدار بن کر

✿ 560 روپے کی غیر معمولی بچت پائیے ✿ اس قیمت میں خصوصی نمبر بھی حاصل کیجیے

اُردو کے ہمہ رنگ، باوقار ڈائجسٹ کو اپنا دوست بناتے ہوئے
معلومات کی ایک نئی دنیا سے اپنے دامن کو بھریئے

دِلچسپ انٹرویوز، کہانیوں اور شگفتہ ادبی تحریروں سے اپنی زندگی کو پُر لطف بنائیے

قیمت فی پرچہ -/100 روپے	12 شماروں کی قیمت	سالانہ رجسٹرڈ ڈاک خرچ	کل رقم سالانہ	سالانہ بدل اشتراک	بچت
سالانہ خریداری	1200 روپے	360 روپے	1560 روپے	1000 روپے	560 روپے

سالانہ خریداری فارم

نام _____ فون نمبر _____

پتا _____ ای میل _____

میں ماہ _____ 20ء سے اُردو ڈائجسٹ کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں۔ مجھے اُردو ڈائجسٹ ارسال کر دیجیے۔

1۔ بذریعہ وی پی میں سالانہ قیمت پوسٹ مین کو ادا کر دوں گا۔ یا

2۔ میں مطلوبہ رقم -/1000 روپے کا بینک ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال کر رہا ہوں۔ یا

3۔ میں نے -/1000 روپے اُردو ڈائجسٹ کے اکاؤنٹ نمبر 110-800380 بینک آف پنجاب سمن آباد میں آن لائن جمع کروا دیئے ہیں۔ اور اپنا ایڈریس ای میل کر رہا ہوں۔ یا

4۔ ہماری ویب سائٹ پر جا کر سبسکرپشن فارم پُر کریں اور ہمیں ای میل کر دیں۔ یا

5۔ ہمیں 0301-8431886 پر ایس ایم ایس کریں۔ ہمارا نمائندہ آپ سے رابطہ کرے گا۔

تاریخ _____ دستخط _____

اردو ڈائجسٹ۔ سرکولیشن مینیجر۔ سمن آباد۔ لاہور 54500۔ پاکستان فون نمبر: +92-42-35290738 +92-42-37589957
ای میل: subscription@urdu-digest.com ویب سائٹ urdudigest.pk فیکس: +92-42-35290731

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اُردو ڈائجسٹ کی ٹیم

دلابھٹی کے دیس میں

گورنمنٹ ڈگری کالج، پنڈی بھٹیاں میں منعقدہ ایک پُروقار علمی تقریب کا احوال

محمد اسلم لودھی

ایک دانشور کا قول ہے: ''کسی بھی قوم کی بقا اس حقیقت پر استوار ہے کہ وہ اپنی نئی نسل کو کیسی تعلیم و تربیت دے رہی ہے۔'' ظاہر ہے' تعلیم یافتہ اور باشعور نئی نسل ہی مستقبل کے چیلنجوں سے نمٹنے کا شعور رکھتی ہے۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ پچھلے ۵۵ برس سے دینی' اخلاقی' علمی اور ادبی تحریروں کے ذریعے لاکھوں پاکستانیوں کو علم و شعور کی دولت عطا کر چکا۔ اب نئی نسل کو بھی دینی و قومی اقدار اور علم و ادب سے آگاہی کرانے کا فریضہ جاری و ساری ہے۔

پچھلے ماہ طے پایا کہ گورنمنٹ کالج' پنڈی بھٹیاں کے طلبہ اور اساتذہ سے ملاقات کی جائے۔ ایک مقصد تو اردو ڈائجسٹ کو متعارف کرانا تھا۔ دوسرا یہ کہ نوجوان طلبہ کو لکھنے پڑھنے کے مفید مشغلے کی طرف مائل کیا جائے۔

اردو ڈائجسٹ کی ٹیم محمد اسلم لودھی' غلام سجاد اور رضوان حیدر پر مشتمل تھی۔ ۱۲ر مارچ ۲۰۱۵ء کی صبح پنڈی بھٹیاں جانے کے لیے صبح ۹ بجے دفتر سے روانگی ہوئی۔ آسمان پر بادلوں کے آوارہ ٹکڑے منڈلا رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ خوشگوار موسم نے ہم پر مثبت اثرات مرتب کیے۔

موٹروے پر سفر کا آغاز ہوا۔ لاہور سے نکلتے ہی دور طلبہ اور اساتذہ سے ملاقات کی جائے۔ ایک مقصد دور تک لہلہاتی فصلوں کے خوبصورت منظر نے ہمارا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

استقبال کیا۔ اور ہم فطری دلکشی کے حسن میں کھو گئے۔ ان مناظر نے ہمارا جذبہ الوطنی سوا کر ڈالا اور ہم بانیان پاکستان کو دعائیں دینے لگے جنھوں نے قدرتی وسائل سے مالا مال وطن ہمیں عطا کیا۔

موٹروے پر سفر کرتے ہوئے راستے میں اپر چناب سمیت نصف درجن نہریں بھی آئیں۔ سبھی پانی سے خالی ملیں۔ کوئی نہر بھی قابل دید نہیں تھی کہ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں ۶۶ ڈیم بنا کر پاکستانی دریاؤں کا پانی بھی زبردستی روک لیا ہے۔ جدید سہولتوں سے آراستہ موٹروے کا معیار دیکھ کر خوشی ہوئی۔ وہ اپنی تعمیر کے ۱۷ سال بعد بھی بہت اچھی حالت میں ہے۔ ہم نے ۱۱۰ کلومیٹر کا سفر صرف ایک گھنٹے دس منٹ میں طے کر لیا۔ ہمارے دل میں موٹروے بنانے والوں کے لیے تحسین بھرے جذبات ابھر آئے۔

پنڈی بھٹیاں پچاس ہزار نفوس پر مشتمل قصباتی شہر ہے۔ یہ شہر پنجاب کے ایک غیور راجپوت دلا بھٹی سے منسوب ہے۔ پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد کا دوسرا بڑا قصبہ اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ لاہور سے ۱۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے چناب کے کنارے واقع ہے۔ چار اطراف سے شیخوپورہ، چنیوٹ، فیصل آباد اور سرگودھا کے اضلاع میں گھرا ہوا ہے۔ ضلعی مقام، حافظ آباد اس کے شمال مشرق میں ۵۹ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

یہ قصبہ تقریباً آٹھ صدیاں قبل تغلق دور میں وجود میں آیا جب جیسلمیر کے علاقے بھٹیر سے اٹھ کر آنے والے بھٹی قبیلے کے افراد یہاں آباد ہوئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تعداد اور قوت میں اس طرح اضافہ کرتے گئے حتی کہ علاقے میں اپنی عملداری قائم کر لی۔ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں یہاں کا زمیندار دلا بھٹی نئی زرعی اصلاحات کی وجہ سے باغی ہو کر مغل حکومت کے مدمقابل آ کھڑا ہوا۔ دلا بھٹی کی بہادری سے کئی لوک داستانیں منسوب ہیں۔ انہی داستانوں کے سبب آج بھی مقامی تاریخ و ثقافت میں اس کا نام نڈر ہیرو کے طور پر لیا جاتا ہے۔ ۱۵۹۹ء میں مغلوں نے اسے گرفتار کر لاہور کے محلہ نخاس میں تختہ دار پر لٹکا دیا۔

مغلوں کے عہد میں پنڈی بھٹیاں انتظامی طور پر پرگنہ حافظ آباد میں شامل تھا۔ ۱۸۰۲ء میں اس پر سکھ حکمران راجا رنجیت سنگھ قابض ہو گیا۔ اس دوران بھٹی قبیلے کے سرکردہ افراد نے بھاگ کر جان بچائی اور جھنگ کے سیالوں کے ہاں پناہ لی۔ سکھوں نے مسلمانوں کے مذہبی مقامات کو شدید نقصان پہنچایا۔ بالخصوص شاہی جامع مسجد کے صحن کو اصطبل میں تبدیل کر دیا۔

جب انگریزوں نے پنجاب پر قبضے کے لیے سکھوں سے لڑائیاں لڑیں، تو بھٹی قبیلے نے اپنے مقبوضات کی بحالی کے لیے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ انگریزوں کی فتح کے بعد وہ پنڈی بھٹیاں قصبے کو دوبارہ اپنی عملداری میں لینے میں کامیاب ہو گئے۔ انگریزی عہد میں یہاں لاہور سے سرگودھا تک براستہ پنڈی بھٹیاں سڑک تعمیر ہوئی۔ تھانہ، مدرسہ اور شفاخانہ تعمیر ہوئے۔ قیام پاکستان سے پہلے یہ قصبہ دیسی گھی کی فروخت کا بڑا مرکز تھا۔ اس کے علاوہ چمڑے کی کاٹھیوں کی وجہ سے بھی مشہور ہوا۔ یہاں چاول چھڑنے کے متعدد کارخانے اور جینز کی پتلونیں تیار کرنے کی ایک بڑی فیکٹری بھی ہے۔ یہ علاقہ چاول کی کاشت کے حوالے سے بہت مشہور ہے۔

پنڈی بھٹیاں میں ۱۸۸۱ء میں میونسپل کمیٹی قائم ہوئی۔ ٹاؤن کمیٹی کی عمارت انتہائی دلکش اور قدیم تھی۔ یہاں ایڈیشنل سیشن و سول عدالتوں کے علاوہ کئی سرکاری دفاتر بھی ہیں۔ طلبہ و طالبات کے لیے ڈگری کالجز، کالج

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

آف ٹیکنالوجی اور ووکیشنل انسٹیٹیوٹ موجود ہے۔ غلہ منڈیوں کے علاوہ یہاں شورزدہ زمینوں کی تحقیق کرنے والا بڑا ادارہ بھی بنایا گیا۔ میاں خیر محمد نون کی خانقاہ بھی اسی شہر کا حصہ ہے جنھیں ۱۷۶۵ء میں سہ حاکمان لاہور کے دور میں سکھوں نے شہید کر دیا تھا۔

☆☆☆

ہم گورنمنٹ ڈگری کالج میں داخل ہوئے' تو وائس پرنسپل پروفیسر اسد سلیم شیخ نے ہمارا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ پرنسپل پروفیسر محمد اویس سے بھی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اردو ڈائجسٹ کے علمی و ادبی مشن کو سراہا اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ پروفیسر اسد سلیم شیخ نے بتایا کہ یہ کالج ۱۹۹۶ء میں قائم ہوا تھا۔ کالج کے تین ہونہار طالب علم ڈویژن بھر میں اوّل پوزیشنیں حاصل کر چکے۔ ۱۲۵ کنال پر پھیلے اس کالج میں طلبہ کے لیے ہوسٹل کی سہولت بھی موجود ہے۔

جدید سائنسی علوم اور انفارمیشن ٹیکنالوجی سے روشناس کرانے کے لیے کمپیوٹر سنٹر بھی کام کر رہا ہے۔ پروفیسر شاہد علی شعبہ انگریزی' پروفیسر رائے محمد ریاض ساجد شعبہ اردو' اسد سلیم شیخ شعبہ سیاسیات' امیر خان شاہد شعبہ تاریخ' رائے اللہ دتہ شعبہ فزیکل ایجوکیشن' ڈاکٹر محمد عارف نون شعبہ پنجابی سے وابستہ ہیں۔ کالج میں اساتذہ کی کئی اسامیاں اب بھی خالی ہیں جو لمحہ فکریہ ہے۔

پروفیسر اسد سلیم شیخ ہمیں لے آڈیٹوریم میں پہنچے جہاں ایک سو بیس کے لگ بھگ طلبہ موجود تھے۔ تلاوت قرآن پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔ نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد کالج کے تین طلبہ محمد رمضان تھرڈ ایئر' حافظ محمد ثقلین صالح' فرسٹ ایئر اور محمد عباد سیکنڈ ایئر نے اردو ڈائجسٹ کی جانب سے دیے گئے موضوع ''والدین اور اولاد میں دوریاں کیوں بڑھ رہی ہیں؟'' پر فکر انگیز اظہار خیال کیا۔ اس کے بعد اردو ڈائجسٹ کی جانب سے مجھے دعوت تقریر دی گئی۔ میں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:

''اردو ڈائجسٹ برصغیر پاک و ہند بلکہ مشرق وسطیٰ' یورپ اور امریکا تک اردو پڑھنے والوں کا محبوب رسالہ ہے۔ یہ ڈائجسٹ ایک فرد کی طرح لاکھوں خاندانوں کا حصہ بن چکا۔ اس کے پڑھنے والوں میں نسل در نسل کے لوگ شامل ہیں۔ اس کی تحریروں میں مقدس رشتوں سے محبت' دین اسلام کی سربلندی اور وطن عزیز سے گہری محبت کا درس ملتا ہے۔

اردو ڈائجسٹ کی حیثیت پاکستانی معاشرے میں روشنی کے مینار جیسی ہے۔ اس میں شائع ہونے والی تحریروں کا ایک ایک لفظ آپ کے جذبات' احساسات' امنگوں اور جذبات کا ترجمان ہوتا ہے۔ آج ہمارا آنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ بھی اردو ڈائجسٹ کے لیے معاشرتی کہانیاں' افسانے اور سائنسی موضوعات پر تحریریں لکھیے۔ آپ ہی میں ہمیں دانشور' ادبا' علما اور سائنس داں تلاش کرنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتیں عطا کی ہیں' انھیں صرف چراغ دکھانے کی ضرورت ہے۔ اردو ڈائجسٹ وہی روشنی لیے آپ کی دہلیز پر دستک دے رہا ہے۔ اپنی زندگی سے مایوسیاں نکال پھینکیں۔

اردو ڈائجسٹ میگزین ہی نہیں سماجی راہنما کی بھی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں آپ جیسے باصلاحیت نوجوانوں سے مخاطب ہو کر بہت خوشی محسوس ہوئی۔ اللہ نے چاہا' تو یہ سلسلہ دراز ہو گا۔ ہم پاکستان کی ہر یونیورسٹی اور کالج میں جا کر باصلاحیت نوجوانوں کو اردو میں سوچنے' لکھنے اور پڑھنے کی ترغیب دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔

☆☆☆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بعدازاں سب ایڈیٹر غلام سجاد نے اردو ڈائجسٹ کا مختصر تعارف کروایا۔ اساتذہ کرام اور طلبہ کو اردو ڈائجسٹ کا مستقل قاری بننے کی ترغیب دیتے ہوئے انھیں نئے اور گزشتہ شمارے اعزازی طور پر دیے۔ اردو ڈائجسٹ کے خوبصورت پرچے جن نوجوانوں کو ملے' ان کے چہرے کھلتے چلے گئے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اردو ڈائجسٹ ٹیم کی پنڈی بھٹیاں آمد کو کالج میں خوشگوار جھونکے کے مانند محسوس کیا گیا۔

اس کے بعد ہم پروفیسر اسد سلیم شیخ کی رفاقت میں گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین پہنچے۔ کالج کی پرنسپل' مسز فریدہ کریم صاحبہ نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ ہمیں لیے کالج کے آڈیٹوریم پہنچیں جہاں چالیس پچاس کے قریب طالبات پہلے سے موجود تھیں۔ ہم نے وہاں بھی دور حاضر میں اردو ڈائجسٹ کی اہمیت اور افادیت سے طالبات کو آگاہ کیا۔ اور انھیں ترغیب دی کہ وہ باقاعدگی سے اس مفید رسالے کا مطالعہ کریں۔ طالبات نے اردو ڈائجسٹ میں گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

تقریبات سے فارغ ہونے کے بعد پروفیسر اسد سلیم شیخ ہمیں لیے پنڈی بھٹیاں کا تاریخی شہر دکھانے چل پڑے۔ چھوٹی چھوٹی اینٹوں سے بنا یہ قدیم شہر سادگی و حسن میں اپنی مثال آپ ہے۔ ہماری دلچسپی کا مرکز انجمن اصلاح المسلمین نامی لائبریری بنی۔ یہ ۱۹۳۲ء میں قائم ہوئی۔ اس میں قدیم اردو اور فارسی مخطوطوں کے علاوہ قرآن پاک کے بہت پرانے نسخے بھی محفوظ ہیں۔ لائبریری میں چار ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔ ہمیں وہ تلوار بھی دکھائی گئی جو پنڈی بھٹیاں شہر کی جانب سے انجمن اصلاح المسلمین نے مجاہد ائیر کموڈور ایم ایم عالم کو بھارتی جنگی جہاز گرانے پر پیش کی تھی۔ ایم ایم عالم نے یہ تلوار وصول کر کے' پنڈی بھٹیاں شہر کو بطور تحفہ لوٹا دی۔ وہ اب اس لائبریری میں محفوظ ہے۔

وقت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ ہمیں واپس لاہور جانے کی فکر بھی لاحق تھی' لیکن پروفیسر اسد سلیم شیخ ہمیں اپنے بڑے سے گھر میں لے گئے۔ اُسے اگر ادبستان کے لقب سے پکارا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ اس میں باقاعدگی سے ادبی نشستیں ہوتی ہیں۔ پنڈی بھٹیاں کے ادیب، شاعر اور اہل ذوق ہفتے میں ایک دن وہاں جمع ہو کر اپنا تازہ کلام سناتے اور جی بھر کے داد وصول کرتے ہیں۔ پروفیسر صاحب جس قدر پروقار شخصیت کے حامل انسان ہیں اسی طرح انھوں نے اپنے گھر کو بھی ادبی اور روایتی ماحول فراہم کر کے تاریخی رہائش گاہ میں تبدیل کر رکھا ہے۔ کھانا سادہ لیکن مزیدار تھا۔

اسی اثنا میں دلا بھٹی سنگت کے جنرل سیکرٹری بشیر دیوانہ آ پہنچے۔ انھوں نے پنجابی کی خوبصورت غزل ''ٹالی دے تھلے'' سنا کر محظوظ کیا۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے چار بج چکے تھے۔ پروفیسر صاحب نے مجھے اپنی معروف کتاب ''دلے دی بار'' تحفہ دی۔ میں نے انھیں اردو ڈائجسٹ کا تازہ شمارہ اور اپنی کتاب ''محبت'' پیش کی۔ کتابوں اور محبتوں کے تبادلے کے ساتھ ہی پنڈی بھٹیاں کا یہ تاریخ ساز دورہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ ہم اس وقت واپس لاہور پہنچے جب شام کا اندھیرا ماحول کو اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ لیکن اس کی خوشگوار یادیں ہمیشہ ہمیں اپنی خوشبو سے مہکاتی رہیں گی۔

(اس مضمون کی تیاری میں پروفیسر اسد سلیم شیخ کی کتاب ''دلے دی بار'' سے استفادہ کیا گیا۔)

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ذمے داری اور قابلیت

قدرت کا ہر نظام فطری اصولوں پر چل رہا ہے۔ ہر کام صلہ' سزا' جزا' رتبہ جسمانی بیماری' نفسی بیماری نیز ہر ہر شے خاص طے شدہ اصولوں کے تحت سرگرم رہتی ہے۔ قدرت آپ کو جس طرح کی قابلیت عطا کرے' اس طور آپ پر ذمے داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ آپ پر جیسی بھی ذمے داری ہو' جو کام بھی آپ کے سپرد ہو' یہ چنداں ممکن نہیں کہ آپ وہ ذمے داری نبھانے کے قابل نہ ہوں۔ قدرت بڑی شفافیت سے آپ کے کاموں کا عیادہ کرتی اور ہر طرح سے آپ کو وہ کام پورا کرنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ وہ کام کیسے پورا کرتے ہیں۔ آیا احسن طریقے سے یا پھر مصیبت سمجھ کر' یہ طے ہے کہ کرنا تو آپ کو پڑے گا۔ اگر آپ خدا کی مرضی پر راضی ہو کر وہ کام بخوشی کریں گے' تو وہی کام آپ کی کامیابی کا ضامن ہو گا بلکہ عین عبادت ہو گا اور اگر آپ نے وہ ذمے داری سمجھی تو آپ پر وہی کام تنگ ہوتا جائے گا اور حقیقتاً مصیبت بن جائے گا۔ اپنی قابلیت کی قدر کیجیے اور اپنے حصے کے کام ایمانداری اور احسن طور پر کیجیے۔

زندگی ایک سمندر

زندگی ہر شخص کے لیے ایک سمندر کے مانند ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس سمندر سے کس شے کو حاصل کرتا ہے۔ کئی لوگ اس سے موتی و جواہر نکالتے ہیں۔ کئی لوگ خوب صورت سیپیاں اور اکثر لوگ محض ریت' مٹی چنتے ہیں۔ اگر آپ زندگی کے سمندر سے کچھ حاصل نہیں کر سکے' تو یہ آپ کی کمزوری ہی نہیں نااہلی بھی ہوتی ہے۔ کوئی موتی چُنے' پتھر چُنے یا محض ریت..... اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ خود ہی سوچنا اور آگے بڑھ کر ڈھونڈنا ہوتا ہے۔ انسان اور زندگی کا تعلق بھی اسی طرح کا ہے۔ انسان اپنی اہلیت اور بصیرت کے مطابق زندگی سے حاصل کرتا ہے۔ زندگی اپنے سمندر میں غوطہ لگانے والوں کی بے حد قدر کرتی ہے۔ بظاہر انسان کے ہاتھ میں اس کی پیدائش اور موت نہیں ہوتی باقی تمام زندگی وہ اپنی مرضی و منشا پر گزارتا ہے' مگر خالق کائنات نے اس کی محنت اور کوشش کا اجر اسی کے ہاتھ میں رکھ دیا ہے۔

رب اُمید ہی کیوں توڑتا ہے؟

عاجزی و انکساری انسان کو اللہ تعالیٰ کے انتہائی قریب لے جاتی ہے۔ اللہ کو عجز بے حد پسند ہے۔ وہ انسان میں عجز و فرمانبرداری پیدا کرنے کے لیے اسے تمام عمر مختلف کاموں میں الجھائے رکھتا ہے۔ اس کی اُمید توڑتا ہے' ارادے ادھورے رہنے دیتا ہے۔ خواہشات کی تکمیل نہیں کرتا' بنتے کام بگاڑ دیتا ہے اور ساری زندگی اس میں عجز پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ جب تک انسان میں عاجزی پیدا نہ ہو وہ رسوائی اُٹھاتا رہتا ہے اور تمام تر تدابیر کے باوجود خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ جو شخص اس راز کو پا لیتا اور عجز اختیار کر لیتا ہے وہ دنیا و آخرت میں اعلیٰ و ارفع مقام پاتا ہے۔ اس کی خواہشات اس کے لبوں سے پہلے اس کے قدموں میں آن پہنچتی ہے اور جو شخص اس نعمت سے مرصع نہ ہو وہ تمام عمر ٹھوکریں کھاتا اور رسوا ہوتا رہتا ہے۔

(خزیمہ سلیمان' راولپنڈی)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کیرئیر راہنمائی

نماز

مغرب پڑھ کر گھر آیا تو امی نے اطلاع دی کہ ڈرائنگ روم میں علی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ علی میرے دوست کا چھوٹا بھائی ہے اور ہمارا ہمسایہ بھی۔ میں بھی اسے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتا ہوں۔ اسی لیے وہ مجھے اپنی تمام پریشانیاں بتاتا ہے اور راز بھی۔ اس دن وہ آیا تو کچھ پریشان لگ رہا

ایک کامیاب کاروباری کے تجربات کا نچوڑ جان کر آپ بھی باروزگار ہو سکتے ہیں

وطن عزیز میں بیروزگاری اہم مسئلہ بن چکا۔ اعداد و شمار کے مطابق ہماری افرادی قوت چھ کروڑ نوے لاکھ پر مشتمل ہے۔ ان میں سے تقریباً ۷۰ تا ۸۰ لاکھ بیروزگار ہیں۔ دوسری طرف ہر سال ایک لاکھ سے زائد نئے نوجوان عملی زندگی میں قدم دھرتے ہیں اور انھیں ملازمت کی تلاش ہوتی ہے۔

سرکاری ملازمتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ نجی اداروں میں ملازمتیں نکلتی ہیں مگر انھیں مطلوبہ صلاحیتوں والی افرادی قوت نہیں مل پاتی۔ ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ اپنا کاروبار کرنے ہی سے پاکستانی نوجوانوں کے معاشی حالات درست ہو سکتے ہیں۔ مگر نئی نسل کی اکثریت نہیں جانتی کہ کاروبار کس طرح کیا جائے اور کون سا؟ زیر نظر مضمون میں کاروبار کرنے کا طریق کار ہی آسان فہم انداز میں بتایا گیا ہے۔ پڑھیے اور آج ہی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی جدوجہد شروع کر دیجیے۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net
www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بیروزگاری دور کرنے والے

کاروبار کرنے کے قیمتی گُر

نوجوانوں اور متوحش والدین کے لیے راہنما تحریر

طیب طارق

تھا۔ میں نے چہرے کے تاثرات بھانپتے ہوئے پوچھا یہ کہ کیا بات ہے علی، خیریت ہے؟

میرے پوچھنے کی دیر تھی وہ تو جیسے پھٹ پڑا اور کہنے لگا ''طیب بھائی! مجھے ماسٹرز کیے ایک سال ہوگیا مگر ابھی تک ملازمت نہیں ملی۔ گھر والوں کی طرف سے بھی دباؤ ہے کہ اگر گھر پیسے نہیں دینے تو کم از کم اپنا خرچ تو اٹھاؤ تاکہ تمہاری شادی کرسکیں۔ میں خاندان میں جس لڑکی کو پسند کرتا ہوں، اس کے گھر والوں کی بھی یہی شرط ہے کہ میں پہلے ملازمت کروں، پھر منگنی کریں گے۔ مجھے تو ڈر ہے اس کی منگنی کسی اور سے نہ ہو جائے۔ کیا فائدہ ان ڈگریوں کا جب ان کے ذریعے چار پیسے کمانے مشکل ہو جائیں۔ دل کرتا ہے ان ڈگریوں کو جلا کے راکھ کردوں۔''

جب اس نے جی بھر کے اپنے دل کا غبار نکال لیا تو میں نے پوچھا: ''علی تم کاروبار کیوں نہیں کرلیتے؟ تم نے ماسٹرز کیا ہوا ہے، ذہین بھی ہو تو اپنا کاروبار کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اللہ کے پیارے نبی ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے کہ تجارت میں رزق کے دس حصے ہیں۔ پھر کاروبار سے نہ صرف تم اپنے معاشی حالات بہتر بناؤ گے بلکہ ملک کی معاشی ترقی میں بھی اپنا کردار ادا کرسکتے ہو۔ تمہارے جیسے لاکھوں نوجوان کاروبار کرکے اس ملک میں معاشی انقلاب کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔''

وہ کہنے لگا ''طیب بھائی میں کاروبار کرنا چاہتا ہوں، مگر ڈرتا ہوں۔''

''کس بات کا ڈر؟'' میں نے پوچھا۔

کہنے لگا ''مجھے کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں۔ اگر میری رقم ڈوب گئی تو پھر کیا ہوگا؟ والد صاحب ساری عمر کی جمع پونجی مجھے دیں گے۔ اگر بینک سے لیتا ہوں اور کاروبار نہ چل سکا تو ساری عمر قرضہ اتارتا رہوں گا۔ مجھے یہ بھی نہیں پتا کہ کون سا کاروبار کرنا چاہیے، کس میں زیادہ منافع ہوگا اور جتنی رقم میرے پاس ہے اس میں کون سا کاروبار ہوسکتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں ماسٹرز کے بعد کاروبار ہی کرنا چاہتا تھا، مگر یہ تمام باتیں سوچ کے ڈر گیا۔ پھر ہمارے ہاں کوئی ایسا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ادارہ بھی نہیں جو اس حوالے سے راہنمائی دے سکے۔"

میں نے کہا "دیکھو علی، تمہارے سارے خدشات ایسے شخص کے مانند ہیں جو کسی مقابلے میں شامل ہونے سے پہلے ہی یہ سوچنے لگے کہ میں ہار جاؤں گا۔ اگر سکندر اعظم دنیا فتح کرنے سے پہلے یہی سوچتا کہ اُسے شکست ہو جائے گی، تو کبھی دنیا کا عظیم فاتح نہ بنتا۔ مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر ہندوستان آنے سے پہلے یہ سوچ لیتا کہ اُسے شکست ہوگی، تو آج ہندوستان کی تاریخ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ سٹیفن ہاکنگ اپنی معذوری کو حرزِ جاں بناتا تو اس صدی کا سب سے بڑا سائنس دان نہ بن پاتا۔ سب سے پہلے اپنے اوپر یقین کرنا سیکھو کہ ہاں میں کرسکتا ہوں، میں چاہوں، تو دنیا بھی مسخر کرسکتا ہوں۔ علامہ اقبال کا فلسفہ خودی اسی یقین کی طاقت اور اپنے اوپر اعتماد کا نام ہے۔

"تم نے اپنے جو خدشات بتائے، ان کا حل نکالنا ممکن ہے۔ دراصل کم و بیش ہر آدمی خطرے کے امکانات سے ڈرتا اور انھیں کم کرنا چاہتا ہے۔ کاروبار کے تناظر میں اگر ہم بات کریں، تو اس میں بھی رقم ضائع ہونے کا خطرہ ہم کم سے کم کرسکتے ہیں۔ پہلا سیدھا سادہ فارمولا، تو یہ ہے کہ آپ کے پاس جتنی رقم ہے، اس کے ایک تہائی حصے سے کاروبار شروع کرو۔ یعنی ایک انگریزی محاورے کے مطابق اپنے سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں کبھی مت ڈالیں۔

"دوسرا نکتہ یہ کہ اگر کاروبار کے لیے پیسے کم ہیں یا آپ نقصان سے ڈرتے ہیں، تو اپنے کسی بااعتبار دوست یا عزیز رشتے دار کے ساتھ شراکت کرلیجیے۔ اگر آپ کے پاس بالکل معمولی رقم ہے، لیکن آئیڈیا ٹھوس ہے، تو اپنے کسی مالی طور پر مستحکم رشتے دار یا دوست سے بات کیجیے..... یہ آئیڈیا میرا، محنت میری، پیسا تمہارا اور منافع ہم آپس میں خاص شرح سے بانٹیں گے جو آپس میں طے کیا جا سکتا ہے۔

"اب تو آئی ٹی سے متعلقہ کاروبار مثلاً آن لائن دکان، سافٹ ویئر، موبائل ایپ، آن لائن پبلشنگ یا کسی بھی طرح کی آن لائن خدمات کے لیے سرمائے کا حصول آسان ہو چکا۔ اس سلسلے میں حکومت پنجاب نے پلان ۹ کے نام سے ایک منصوبہ شروع کیا ہے۔ ملک کی مایہ ناز یونیورسٹی لمز نے بھی ایک پروگرام شروع کر رکھا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ کا آئیڈیا بہت شاندار ہو اور انھیں پسند آجائے۔

"اگر آپ چھوٹی سطح کا کاروبار کرنے کے لیے سرمایہ چاہتے ہیں، تو اس کے لیے اخوت فاؤنڈیشن، کشف مائیکروفنانس موجود ہیں۔ اہم بات یہ کہ چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروبار کے لیے درکار سرمائے کی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے اب پاکستان میں بھی کراؤڈ فنڈنگ اور اینجل فنڈنگ جیسی عالمی سہولیات میسر ہیں۔ اس سرمائے کے حصول کے طریقوں اور متعلقہ کمپنیوں کے بارے میں تفصیل تمھیں پھر کبھی بتاؤں گا۔

"تیسرا نکتہ تم نے اٹھایا کہ تمھیں کاروبار کا تجربہ نہیں ہے اور کون سا کاروبار کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آپ امتحان میں کامیابی کے لیے تیاری کرتے ہیں، کاروبار میں کامیاب ہونے کے لیے بھی تیاری کرنی پڑے گی تاکہ ناکامی کا امکان کم سے کم ہو اور رقم بھی ضائع نہ ہو۔"

علی نے حیران ہوکر پوچھا "کاروبار کی تیاری سے کیا مراد ہے؟"

میں نے جواب دیا: "جس طرح کسی بھی مقابلے میں آپ کے حریف ہوتے ہیں، اسی طرح کاروباری دنیا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کاروبار کرنے سے پہلے فزیبلٹی رپورٹ بنانی ضروری ہے

میں بھی حریف ملتے ہیں۔ لہٰذا مقابلے کے لیے متعلقہ کاروبار کے معیار اور مصنوعہ کی خصوصیات پر مکمل گرفت، مارکیٹ ریٹس سے آگاہی اور کاروبار میں منافع کی صلاحیت جانچنے کے لیے اس کی فزیبلٹی تیار کرنے کو کاروباری تیاری کہا جا سکتا ہے۔ ساتھ میں یہ بھی ضروری ہے کہ اگر آپ کو اس کاروبار کا بالکل تجربہ نہیں، تو اسے شروع کرنے سے پہلے تین چار مہینے کسی متعلقہ فرم میں انٹرن شپ کر لیں یعنی تھوڑا عملی کام سیکھ لیا جائے تاکہ نقصان کا امکان کم ہو سکے۔ کاروباری خاندانوں میں اب بھی یہی رواج ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پہلے ملازمین کے ساتھ بٹھا کر کام سکھاتے، پھر کرسی پر بٹھاتے ہیں۔''

علی کو اب میری باتوں میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی، کہنے لگا ''طیب بھائی اگر آپ برا نہ مانیں، تو آج رات کا کھانا ہم اکھٹے کھائیں، میں آپ سے کاروبار کے حوالے سے مزید راہنمائی چاہ رہا ہوں۔''

میں نے کہا ''بھئی تم مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح عزیز ہو، اگر ہو تو میں فجر تک تمہاری راہنمائی کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

ہم پھر ایک مقامی تکہ شاپ کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستے میں اس نے ایک میڈیکل اسٹور سے کھانسی کا سیرپ لیا۔ کھانے کا آرڈر دے کر جب دوبارہ بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے اس سے کہا ''علی اگر تم واقعی کاروبار کے بارے میں سنجیدہ ہو، تو ہمیں روزانہ ایک نشست رکھنی چاہیے جس میں کاروبار کے ایک موضوع پر سیر حاصل گفتگو کر سکیں۔ یہ موضوع بہت وسیع ہے اور ایک نشست میں اس پر تفصیلی بات چیت ممکن نہیں۔ ان نشستوں میں ہم کاروباری آئیڈیاز پر بات کریں گے۔ کاروبار کی ہر شکل مثلاً امپورٹ، ایکسپورٹ، آن لائن کاروبار وغیرہ کی عملی مشکلات اور اسے شروع کرنے کی حکمت عملی بھی زیر بحث آئے گی۔ ہم دیکھیں گے کہ عملی دنیا میں کاروبار کیسے ہو رہا ہے اور کیسے شروع ہو سکتا ہے۔''

میرا یہ کہنا تھا کہ اس کی تو باچھیں کھل گئیں، کہنے لگا ''نیکی اور پوچھ پوچھ، میں تو خود یہی چاہتا تھا، اچھا ہو گیا آپ نے یہ بات خود ہی کہہ دی۔'' چناں چہ فیصلہ یہ ہوا کہ ہم ہفتے میں تین دن نشست رکھیں گے اور کاروبار کے ایک موضوع پر تفصیلی بات چیت کیا کریں گے۔ طے پایا آج ہم کاروبار کے متعلق بنیادی باتیں کریں گے مثلاً کاروبار کہاں سے اور کیسے شروع کیا جائے، کون سا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کاروبار کیا جائے اور اس کی فزیبلٹی کیسے بنائی جائے۔ میں نے سمی کو جو کچھ بتایا' اس سے بیروزگار نوجوان اور ان کے متوحش والدین بھی راہنمائی پا سکتے ہیں:

''انسان کاروبار رقم کمانے کے لیے کرتا ہے تاکہ اپنا معیار زندگی بہتر بنائے اور خوشحال مستقبل کی بنیاد رکھ سکے۔ کاروبار میں آپ کچھ نہ کچھ بیچتے ہیں چاہے وہ کوئی خدمات ہوں (مثلاً اسکول، کمپیوٹر کاج، دائیہ اور ویکیل کی خدمات) کوئی تیار شدہ مال ہو یا غیر تیار شدہ مال یا چاہے کوئی تحریری یا آن لائن مال جیسے میگزین وغیرہ۔ اس میں سے خرچہ نکال کر جو بچے وہ آپ کا منافع ہوتا ہے۔

دنیا میں اس وقت سرمایہ داری نظام مقبول ہے۔ سرمایہ داری نظام میں ہر چیز بکتی ہے۔ اس وقت تم نے جو جوتے پہنے ہوئے ہیں ان سے لے کر تمہارے پڑوں اور کھانے تک ہم مختلف اشیا خریدنے یعنی بیچنے والے کو پیسے دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر چیز یا آئٹم کی اپنی سپلائی چین ہوتی ہے۔ سپلائی چین کو ہم سادہ زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی چیز کے بننے یا زمین سے نکلنے سے لے کر صارف کے ہاتھوں میں پہنچنے کا سفر۔

مثال کے طور پر تم نے ابھی کھانسی کا شربت خریدا۔ یورپ یا چین کی کسی کمپنی نے اس کا رامٹیریل یا خام مال بنایا۔ پاکستان کے کسی امپورٹر نے اسے باہر سے منگوایا اور مقامی فارما کمپنی کو بیچا۔ فارما کمپنی نے اسے کھانسی کے شربت میں تبدیل کر کے ڈسٹری بیوٹر کو بیچا۔ ڈسٹری بیوٹر نے شربت فارمیسی والے کو بیچا۔ فارمیسی والے سے آخر وہ تم تک پہنچ گیا۔

اس سارے عمل میں مینوفیکچرر، امپورٹر، ہول سیلر، ڈسٹری بیوٹر ریٹیلر یا فارمیسی، ہر ایک نے اپنا منافع رکھا اور دوا کو آگے بیچا۔ اسی طرح ایک کھانسی کی دوائی کے ساتھ کئی کاروبار جڑے ہیں۔ اس بوتل پہ جو لیبل چپکا ہے، وہ اس کے مینوفیکچرر نے کہیں اور سے پرنٹ کروایا۔ شیشے کی بوتل کہیں اور سے لی اور اس کا ڈھکن کہیں اور سے خریدا۔ جس کارٹن میں یہ پیک ہو کے ڈسٹری بیوٹر اور فارمیسی کے پاس گئی' وہ اس نے کہیں اور سے خریدا ہو گا۔ شربت میں جو مرکبات استعمال ہوئے مثلاً چینی وغیرہ وہ اس نے کہیں اور سے خریدی ہو گی۔ اس طرح کھانسی کی دوائی کے ایک برانڈ سے کم از کم دس طرح کے کاروبار چل رہے ہیں۔

اب اس سپلائی چین کے کسی بھی حصے میں داخل ہو کر تم کاروبار شروع کر سکتے ہو۔ یہی حساب باقی تمام کاروباری شعبوں کا بھی ہے۔ اب یہ فیصلہ تم نے کرنا ہے کہ اس سپلائی چین کے کس حصے میں داخل ہو کر امپورٹر ایکسپورٹر بننا ہے، ہول سیلر یا ریٹیل یعنی دکان بنانی ہے۔ رئیس میں تم آن لائن شاپ یعنی دکان بھی بنا سکتے ہو جو اس وقت بشموں پاکستان دنیا میں سب سے زیادہ پھیلتا رجحان ہے۔ اس کے علاوہ سروسز کا شعبہ بھی تمہارے لیے کھلا ہے جس میں تم اکیڈمی سے لے کر کمپیوٹر کاج اور اسکول تک بنا سکتے ہو۔ پھر جدید رجحانات میں ڈے کیئر سنٹرز شامل ہیں۔

فزیبلٹی رپورٹ کی تیاری

کون سا کاروبار شروع کرنا چاہیے یا کون سا تمہارے لیے بہتر رہے گا؟ اس بات کا فیصلہ تمہیں درج ذیل آٹھ عوامل کا سائنسی اور اعداد و شمار کی بنیاد پر تجزیہ کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔

۱۔ ذاتی دلچسپی۔ ۲۔ منافع کی شرح۔ ۳۔ کل درکار سرمایہ کاری۔ ۴۔ کاروبار یا مصنوعہ مانگ ۵۔ کیش فلو

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

(پیسے کا بہاؤ) یعنی جن کو آپ نے سامان بیچنا ہے ان کے ساتھ کام اُدھار پر ہے یا نقد؟ اگر اُدھار پر ہے تو کتنے دن کا اور پیچھے سے یعنی جن سے آپ نے سامان خریدنا ہے ان کے ساتھ آپ کا کام اُدھار پر ہے یا کیش اور اگر اُدھار پر ہے تو کتنے دن کا اُدھار ہے اور رقم ٹوٹ کر یعنی قسطوں میں تو واپس نہیں ملتی۔ ۶۔ مارکیٹ میں مدمقابل کتنے ہیں۔ ۷۔ آنے والے زمانے میں رجحان کس چیز کا بڑھ رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کا کاروبار آنے والے وقت میں لوگوں کے بدلتے رجحان کی وجہ سے اپنی اہمیت کھو بیٹھے۔ ۸۔ متعلقہ کاروبار کا تجربہ۔

انہی میں سے دلچسپی اور تجربے کا عنصر نکال کر باقی عناصر کا اعداد و شمار کی بنیاد پر سائنسی تجزیہ کاروبار کی فزیبلٹی رپورٹ کہلاتا ہے۔ بلکہ اگر ہم فزیبلٹی کی کتابی تعریف سے باہر نکل کر بات کریں، تو یہ دونوں عناصر بھی فزیبلٹی کی تعریف میں شامل ہیں کیونکہ کاروبار کی کامیابی میں اعداد و شمار کے علاوہ انسانی حوصلہ، کاروبار چلانے کی لگن، تجربہ اور اس سے سیکھے سبق یہ سب انسانی رویے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

فزیبلٹی بنانے کا مقصد یہ ہے کہ کاروبار سے کمائی کی ممکنہ استعداد، مانگ میں اضافے اور منافع کا حقیقت کے قریب ترین تخمینہ لگا لیا جائے تاکہ نقصان کا اندیشہ کم سے کم ہو۔ اب اگلا سوال یہ ہے کہ فزیبلٹی کیسے بنائی جائے؟ ہم ان ہی آٹھ عناصر کو تھوڑا تفصیل سے لیتے ہیں جس سے تمہیں فزیبلٹی کی بنیادی باتیں سمجھ آجائیں گی۔

۱۔ کاروبار میں دلچسپی:

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ جو کاروبار تم نے شروع کرنا ہے کیا تمہیں اس سے دلچسپی ہے بھی یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مشورہ تمہیں دکان کا دیا جا رہا ہو لیکن تم دل میں سوچ رہے ہو کہ میں اب اتنا پڑھ لکھ کے دکانداری کروں گا؟ لہٰذا صرف کسی کے مشورے پر بغیر سوچے سمجھے کبھی کوئی کاروبار شروع مت کرنا۔ پہلے یہ دیکھو کہ تمہارا اپنا دل کیا چاہتا ہے؟ اور کاروبار کرنے کی خاطر تمہارے پاس کوئی آئیڈیا ہے؟ اگر آئیڈیا ہے تو پہلے اس کی مکمل فزیبلٹی بناؤ۔ اس چیز، مال یا خدمات کی ممکنہ مانگ کی عملی جانچ پڑتال کرو اور پھر اللہ پر بھروسا کر کے اسے شروع کرنا۔ ان شاءاللہ رب تعالیٰ کی مدد سے کامیابی تمہارا مقدر ہوگی۔

علی نے لقمہ دیا ''طیب بھائی، میں نے ابا جان سے ایک دکان شروع کرنے کا مشورہ کیا تھا لیکن وہ اسے سنجیدہ لینے کے بجائے الٹا میرا مذاق اڑانے لگے کہ اب تم پڑھ لکھ کے دکان داری کرو گے۔''

میں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا' دیکھو علی، یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ ہم پڑھ لکھ کر کاروبار کرنے کو حقیر چیز سمجھتے ہیں۔ کاروبار جیسی اہم چیز کو ہم نے کم پڑھے لکھے لوگوں یا کارپوریٹ سیکٹر کے حوالے کیا ہوا ہے۔ یہی حال ہمارے زمیندار بھائیوں کا ہے کہ ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ زمینداری کرنا گناہ کبیرہ سمجھنے لگتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ کہ والدین

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

بھی ان کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

دکانداری کوئی بری چیز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پڑھ لکھ کر اسے آپ نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کر رہے ہیں یا نہیں؟ حقیقتاً پڑھ لکھ کر آپ دکانداری میں اس انداز سے جدّت لا سکتے ہیں کہ ایک ہی دکان کا نام آپ کو کروڑوں روپے دلوا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کلینکس (clinix) نام کی ایک فارمیسی لاہور میں آج سے تقریباً دس بارہ سال پہلے کھلی تھی۔ آج اس فارمیسی کی پوری چین ہے، ایک برانڈ ہے اور اس کی ماہانہ سیل کروڑوں روپوں تک جا پہنچی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ فارمیسی کی دکانداری کوئی برا کام تو نہیں۔ اصل بات تو یہ ہوئی کہ آپ اسے چلا کیسے رہے ہیں اور اسے آگے بڑھانے کے لیے آپ میں کتنا جذبہ اور حوصلہ موجود ہے۔

اسی طرح اگر ریٹیل اسٹور کی بات کریں، تو لاہور میں ایچ کریم بخش کے نام سے ایک دکان مال روڈ پر موجود تھی۔ اب اس کی کئی برانچیں ہیں۔ اگر ہم آن لائن دکان کی بات کریں، تو دراز پی کے (daraz.pk) اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا آن لائن ریٹیل اسٹور بن چکا جس کی سیل محتاط تخمینے کے مطابق پاکستان کے کسی بھی بڑے ریٹیل اسٹور کے برابر یا اس سے زیادہ ہی ہوگی۔ زمینداری اور کاشت کاری سے متعلق نئے خیالات اور رجحانات پر بھی ہم ایک نشست میں بات کریں گے۔ ابھی ہماری توجہ اسی موضوع کی طرف مرکوز رہنی چاہیے۔

۲۔ منافع کی شرح:

کسی بھی کاروبار میں سب سے اہم چیز اس کے منافع کی شرح اور سیل کا ممکنہ تخمینہ ہوتی ہے۔ کاروبار ہم منافع کمانے کے لیے کرتے ہیں، اس لیے بے شک تھوڑی سرمایہ کاری کے ساتھ وہ کام شروع کر دیجیے جس میں منافع کی شرح بلند ہو اور ساتھ ساتھ سیل کا بھی مناسب بندوبست ہو سکے۔ تم کاروبار کے جس شعبے کی فزیبلٹی بنانا اور جن چیزوں کی خرید و فروخت کرنا چاہ رہے ہو، پہلے ان کے معیار اور تکنیکی خصوصیات کے حوالے سے مکمل معلومات حاصل کر لینا۔

مثلاً اگر تم ملبوسات کا کاروبار کرنے لگے ہو تو کپڑے کی اقسام، کوالٹی، ان کی موٹائی اور چوڑائی وغیرہ کا معلوم کرنا یعنی ایسی چیزیں جن کی بنیاد پر ان کے نرخ کا تعین ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان چیزوں کی تکنیکی معلومات کے ساتھ ہول سیل مارکیٹ/ڈسٹری بیوٹر/ ریٹیل سے یعنی جہاں سے تم نے اپنا مال بیچنے کے لیے خریدنا ہے، پوچھو کہ یہ چیزیں تمھیں کس قیمت پر ملیں گی؟ پوری مارکیٹ کا سروے کرو یا چار پانچ فیکٹریاں لازمی گھومو تاکہ تمھیں کم از کم ریٹ بہتر معیار کے ساتھ مل سکے اور تم اپنا منافع بڑھا سکو۔

اس کے بعد جس مارکیٹ میں تم نے اپنی چیزیں بیچنی ہیں وہاں خریدار بن کے جاؤ اور اپنی مطلوبہ چیزوں کا ان کی تکنیکی خصوصیات کے ساتھ نرخ معلوم کرو کہ فی الوقت ان کا کم از کم ریٹ کیا چل رہا ہے۔ قیمتیں معلوم کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ شروع شروع میں مارکیٹ میں اپنے قدم جمانے کے لیے ہو سکتا ہے کہ تمھیں کم از کم ریٹ سے بھی نیچے ریٹ دینا پڑے تاکہ خریدار تمہاری طرف متوجہ ہوں اور مستقل طور پر تمہارا مال خریدیں۔

اب مصنوعہ بیچنے کا جو کم از کم ریٹ ہے، اس میں سے جس ریٹ پہ تم خریدو گے، اسے نکال کے اپنا بنیادی منافع نکال لو۔ اب اپنے کاروبار کرنے کے خرچ کا حساب نکالو۔ مثال کے طور پر آپ کو کاروبار شروع کرنے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کے لیے ایک کمرا بطور دفتر (کرایہ+بجلی+چائے وغیرہ: ۲۲۰۰۰ روپے) ایک آفس بوائے (۸۰۰۰ روپے) اور ایک سیلز مین (تنخواہ ۲۰۰۰۰ روپے) کی ضرورت ہے' تو آپ کا ماہانہ خرچہ ہوا ۵۰۰۰۰ روپے۔

اگر آپ کے کاروبار کی سیل ۲۵ فیصد بنیادی منافع کے ساتھ ۲۰۰۰۰۰ روپے ماہانہ ہے' تو آپ ۵۰۰۰۰ روپے ماہانہ کما رہے ہیں۔ یہ کاروبار کے بنیادی خرچے پورے کرنے کے لیے کافی رقم ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ۲۰۰۰۰۰ روپے آپ کے کاروبار کا ''بریک ایون پوائنٹ'' (break even point) ہوا یعنی سیل کا وہ مرحلہ جہاں آپ کی آمدنی خرچ کے برابر ہوگئی۔ اس مرحلے کے بعد آپ کی جتنی بھی سیل بڑھی' اس کی بچت آپ کی اپنی ہوگی۔

اس مرحلے پر آکر علی تھوڑا پریشان ہوگیا اور پوچھنے لگا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا' کاروبار سے مجھے فوری کمائی نہیں ہوگی۔ میں نے جواب دیا: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اس مسئلے کا حل یہ ہوتا ہے کہ جب آپ فزیبلٹی بنائیں' تو تنخواہ کا ایک حصہ چاہے تھوڑا ہی سہی' منیجر کے لیے بھی رکھیں۔ چونکہ آپ سارا انتظام کر رہے ہیں' اس لیے وہ تنخواہ آپ کے حصے میں آئے گی۔ دوسری بات یہ کہ جہاں تنخواہ ایک جگہ مستقل رہتی یا برسوں بعد بڑھتی ہے' وہیں کاروبار میں مسلسل محنت سے آپ ایک سال کے اندر اندر اپنی ممکنہ تنخواہ سے دگنا تگنا کما سکتے ہیں۔

۳۔کل درکار سرمایہ کاری:

تیسری اور سب سے اہم چیز کاروبار شروع کرنے کے لیے درکار سرمایہ کاری ہے۔ متعلقہ مارکیٹ یا اس شعبے کے جان پہچان والے لوگوں سے رابطہ کر کے یہ معلوم کرو کہ اس کام میں سرمایہ کاری کتنی درکار ہوگی۔ اگر آپ ہول سیل کا کام کرنے یا دکان کھولنے کا سوچ رہے ہو تو اس میں بنیادی سرمایہ کاری آپ کے مال کی ہوگی۔ اگر مینوفیکچرنگ کا سوچ رہے ہو تو جو مشینیں آئیں گی' ان کا خرچہ کتنا ہوگا۔ اس کے علاوہ آپ کو مزدوروں کی تنخواہ، بجلی، پانی اور دیگر اخراجات کا کم از کم چھے ماہ کا خرچہ اپنے ذہن میں رکھ کر تخمینہ لگانا ہوگا۔

رہ گئی زمین تو اگر آپ چھوٹی سطح سے شروع کرنا چاہتے ہو' تو وہ تمھیں کرائے پر بھی مل جائے گی۔ یا کرائے پہ کوئی جگہ لے اس میں مشینیں رکھ کر کام شروع کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس اتنی رقم نہیں کہ آپ امپورٹ یا مینوفیکچرنگ کا کام شروع کر سکیں' تو سرمایہ کاری کم کرنے کے اور بھی حل ہیں۔ ان پہ میں تب بات کروں گا جب ہم امپورٹ یا مینوفیکچرنگ کے موضوعات پر تفصیلی نشست کریں گے۔

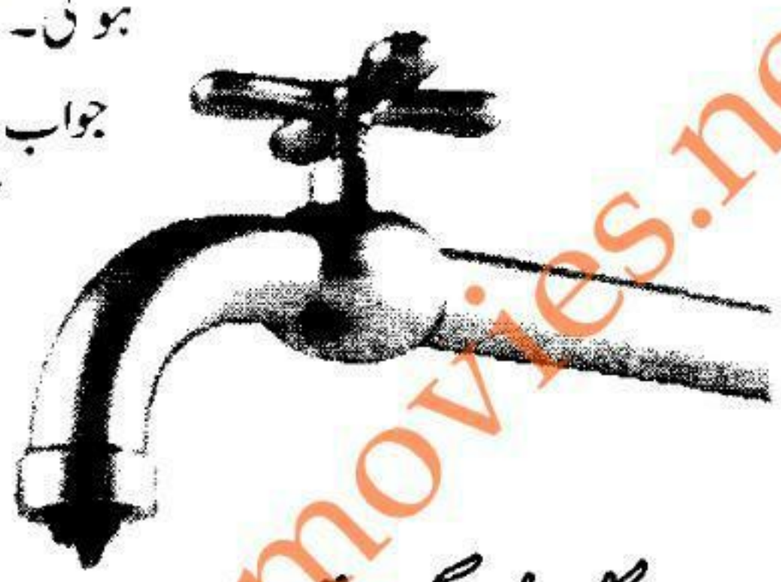

کاروبار کے دوران کیش فلو بہت اہمیت رکھتا ہے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

۴۔ مانگ کا تخمینہ:

چوتھی اہم چیز جس کا فزیبلٹی میں حساب لگانا ضروری ہے وہ ہے مانگ کا تخمینہ! کچھ چیزوں کی مانگ زیادہ لیکن منافع تھوڑا ہوتا ہے۔ کچھ چیزوں کی مانگ کم اور منافع زیادہ ہوتا ہے۔ مینوفیکچرنگ، ریٹیل یا ہول سیل جس میں بھی آپ کاروبار کرنے جا رہے ہیں، اپنی مصنوعہ کی مانگ کا درست تخمینہ لگانا بہت ضروری ہے۔ زیادہ خریدنے یا پیداوار کی صورت میں آپ کا پیسا پھنس جائے گا اور کم پیداوار یا خریدنے کی صورت میں آپ کی سیل کم ہوگی۔

اگر آپ بالکل نیا کاروبار کرنے جا رہے ہیں جس کے مصنوعات کی مانگ کا آپ کو مکمل اندازہ نہیں، تو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ خریداروں کی مارکیٹ میں جا کر متعلقہ مصنوعات کی سیل کے متعلق سروے کریں کہ ان کی ماہانہ کھپت کتنی ہے۔ تقریباً پندرہ بیس دکانوں کا سروے کر کے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے جس کا اطلاق آپ محتاط طریقے سے پوری مارکیٹ پر کر سکتے ہیں۔ نئی مصنوعات یا اپنا نیا آئیڈیا متعارف کراتے وقت یہ بات اصول کا درجہ رکھتی ہے۔

۵۔ پیسے/نقدی کا بہاؤ (کیش فلو):

کسی بھی کاروبار میں کیش فلو یعنی پیسے کا بہاؤ ایسے ہی اہمیت رکھتا ہے جیسے جسم میں خون۔ مالیات کی کتابوں میں درج ہے کہ نقد رقم کی مثال کاروباری دنیا میں ایسے ہی ہے جیسے کسی سلطنت میں کوئی بادشاہ ہو اور باقی سب غلام۔ آپ کام رقم کمانے کے لیے کرتے ہیں لیکن کاروبار اُدھار پر چلتا ہے۔ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں ہول سیل اور مینوفیکچرنگ کا کاروبار اُدھار پر ہوتا ہے۔ کچھ شعبوں میں اُدھار زیادہ چلتا، کچھ میں کم دیر کا ہوتا ہے۔ پاکستان میں البتہ ایک اضافی تکلیف دہ مسئلہ یہ ہے کہ آپ جب اپنے گاہک کو اُدھار دے دیں تو وہ واپس بڑی مشکل سے کرتا ہے۔ مزید برآں وہ رقم توڑ کر یعنی قسطوں میں واپس کرتا ہے۔

لہٰذا آپ جو بھی کاروبار کرنے لگے ہیں، اس میں یہ دیکھیں کہ گاہک کے ساتھ آپ کا اُدھار کتنے دن کا ہے اور جہاں سے آپ اپنا سامان خریدتے ہیں، ان کے ساتھ اُدھار کتنے دن کا چلے گا۔ کوشش کریں کہ کام ایسا شروع کریں جس میں آپ کا اپنے گاہک/خریدار کے ساتھ اُدھار کا دورانیہ، آپ کی کمپنی سے یعنی جس سے آپ سامان خریدتے ہیں، اُدھار کے دورانیے کے مقابلے میں مختصر ہو۔ یوں آپ کی نقدی کا چکر اس طرح بنے کہ آپ اپنے خریدار سے پیسے پکڑیں اور اپنا منافع نکال کر اپنی کمپنی کو رقم دے دیں۔

اگر آپ کا اُدھار اپنے گاہک کے ساتھ ۳۰ دن کا ہے، تو کمپنی کے ساتھ آپ کا اُدھار ۴۵ دن کا ہو۔ اگر اس کے الٹ ہوا تو آپ کو مال اپنی جیب سے خریدنا پڑے گا۔ اکثر آپ کے کھاتے یا سافٹ ویئر تو منافع دکھائیں لیکن اصلاً آپ کے پاس نقد رقم نہیں ہوگی۔ اس مسئلے کا ایک حل یہ ہے کہ آپ جو بھی چیز بیچ رہے ہیں، اس میں آپ برانڈنگ کریں یعنی اس مصنوعہ کا ایک نام بنا کے اسے اسی نام سے بیچیں اور اپنے معیار کو خراب نہ کریں۔ برانڈنگ کے فوائد اور اہمیت پر بھی ہم ایک نشست رکھیں گے۔

۶۔ کاروباری مقابلہ:

اگر آپ کوئی نیا کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں، تو یہ لازمی دیکھیں کہ اس شعبے یا مصنوعہ میں آپ کے کاروباری حریف کتنے ہیں؟ آپ کے مقابلے میں کتنے لوگ مارکیٹ

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں اس چیز کو بیچ رہے ہیں؟' یہ دیکھنا اس لیے ضروری ہے کہ مارکیٹ میں سخت مقابلہ قیمتیں کم کر دیتا ہے۔ نتیجے میں منافع کی شرح کم ہو جاتی ہے اور جب آپ محنت ہی منافع کے لیے کر رہے ہیں' تو پھر کیا فائدہ ایسے کام میں ہاتھ ڈالنے کا جس میں منافع کی شرح بہت کم ہو۔

ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی نیا شخص ایک مصنوعہ لے کے آئے' تو وہ مارکیٹ میں اپنے قدم جمانے کے لیے خریدار سے کہتا ہے کہ مجھ سے تم ۱۰ روپے سستی چیز لے لو۔ چناں چہ آپ کے کچھ یا کافی خریدار آپ کو چھوڑ کے اس سے مال لینے لگتے ہیں۔ پھر جب کوئی نیا حریف آئے' تو وہ ریٹ مزید کم کر دیتا ہے۔ اب پیچھے سے وہ چیز سب کو اتنی لاگت کی ہی پڑتی ہے۔ اس سے ہوتا یہ ہے کہ منافع کی شرح انتہائی گر جاتی ہے۔

مثلاً جب کیو موبائل مارکیٹ میں آیا' تو اس نے چین کے بنے فیچرز کو برانڈ بنا کے انتہائی سستے داموں مارکیٹ میں بیچا۔ چونکہ چین کے برانڈڈ موبائل میں کوئی اور کاروباری حریف تھا ہی نہیں' لہٰذا اس نے اچھی مارکیٹنگ کے بل بوتے پر نہ صرف مارکیٹ کا اچھا خاصا شیئر حاصل کر لیا بلکہ ٹھیک ٹھاک منافع بھی کمایا۔ اب اس کے بعد بے شمار کمپنیاں مثلاً ہوائی' وائس وغیرہ مارکیٹ میں آ گئی ہیں' لیکن انھیں بھی قیمتیں کم رکھنی پڑ رہی ہیں۔ ساتھ میں مارکیٹ کا ویسا حصہ بھی نہیں ملا جیسا کیو موبائل کو مل چکا جس کی وجہ سے اب منافع کی شرح بہت کم ہو چکی۔

نئے آئیڈیے یا نئی مصنوعہ کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ ایک تو منافع کی شرح بہت اچھی ہوتی ہے' دوسرے یہ کہ اگر وہ مصنوعہ خریداروں کو پسند آ جائے' تو آپ اس کے مارکیٹ لیڈر بن جاتے ہیں۔ وہی مصنوعہ آپ کی کمپنی کو چلانے میں ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوتی ہے۔

۷۔ مارکیٹ کا رجحان:

دور اندیش لوگ آئندہ آنے والے بیس برس کا سوچتے' کوتاہ نظر صرف آج کی سوچ رکھتے جبکہ بیوقوف کوئی واقعہ گزرنے کے بعد اس پر غور کرتے ہیں۔ یہی مثال صد فیصد کاروبار پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ آپ جو کاروبار کرنے جا رہے ہیں' اس کی فزیبلٹی میں یہ تجزیہ بھی شامل کریں کہ آج سے بیس سال بعد آپ کہاں کھڑے ہوں گے۔ آپ جو کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں' کیا مارکیٹ کا رجحان اسی جانب چل رہا ہے یا آپ کی گنگا الٹی بہہ رہی ہے۔ کیا آپ کسی ایسے آئیڈیا یا مصنوعہ پر کام تو نہیں کر رہے جس کی مانگ مارکیٹ سے آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے۔

دوسری بات یہ دیکھیں کہ آپ کے کاروبار میں بڑھوتری کا امکان کتنا ہے۔ اگر آپ اسے آج شروع کرتے ہیں' تو بیس سال بعد کہاں کھڑے ہوں گے۔ اگر آپ اس کام کی بلندیوں تک پہنچ جائیں' تو تب آمدنی کتنی ہو گی اور اس کام میں کس طریقے اور کن مصنوعات کے اضافے سے آپ اپنی سیل اور آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں ماہانہ آمدنی کا جو ہدف ہے' کیا وہ اس کاروبار سے باحسن طور پر پورا ہو سکتا ہے؟

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

یہ معلومات پانے کے لیے آپ انٹرنیٹ سے ڈیٹا ڈھونڈ سکتے ہیں۔ مثلاً آپ پاکستان سے ایک مصنوعہ ایکسپورٹ کرنا چاہتے ہیں، تو آپ انٹرنیٹ کی مدد سے یہ ڈھونڈیں کہ اس کی ایکسپورٹ پاکستان سے بڑھ رہی ہے یا کم ہو چکی؟ اس مصنوعہ یا سیکٹر کی مجموعی ایکسپورٹ کتنی ہے؟ دوسرے اپنے مشاہدے کی طاقت تیز کر کے کاروبار سے وابستہ لوگوں کا مشاہدہ کریں۔ باتوں باتوں میں ان سے معلومات پوچھیں تا کہ آپ درست تخمینہ لگا سکیں اور کسی طور پر بھی نقصان نہ اٹھائیں۔

۸۔ متعلّقہ کاروبار کا تجربہ:

جب آپ کوئی نیا کاروبار شروع کرنے لگیں، تو منافع کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ آپ کو بھائی یا آپ کے والد کو کس کام کا تجربہ ہے۔ اگر اس کاروبار میں منافع اور کیش فلو تحقیق کے مطابق مناسب ہے اور اس کام میں کاروباری حریف بھی کم ہیں، تو آپ کو وہ کاروبار شروع کرنے کے متعلق لازمی سوچنا چاہیے۔ تجربہ ایسی چیز ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔

تجربے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تجربے کار آدمی مارکیٹ میں نیک نام رکھتا ہے۔ اس کو چیزیں بیچنے اور کمپنی سے ادھار پر چیزیں لینے میں آسانی رہتی ہے۔ یعنی بالکل نئے کاروبار والی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور آپ کے لیے شروع ہی سے کچھ نہ کچھ آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اگر آپ کے پاس متعلقہ کاروبار کا تجربہ نہیں، تو اپنا کاروبار شروع کرنے سے پہلے کم از کم پانچ چھے ماہ کسی متعلقہ فرم میں انٹرن شپ کریں۔ اس کے دو فوائد ہیں: ایک یہ کہ آپ مارکیٹ میں دھوکا کھانے سے بچ جائیں گے۔ مارکیٹ چاہے ایکسپورٹ کی ہو، امپورٹ یا مقامی، اس میں دھوکا بہت زیادہ ہے۔ جو مال آپ نے خریدنا ہے، اگر آپ کو اس کی صحیح پہچان نہیں ہو گی، تو کوئی نہ کوئی آپ کو دھوکا دے جائے گا۔ آپ کے پیسے ڈوبیں گے اور جن کو آپ آگے بیچیں گے، وہاں نام بھی خراب ہو گا۔

چھے مہینے انٹرن شپ کرنے سے فائدہ یہ ہو گا کہ آپ کو چیزوں کے معیار کی صحیح پہچان ہو جائے گی۔ دوسری وجہ یہ کہ صرف فزیبلٹی بنانے سے اپنے شعبے سے متعلق کئی تکنیکی باتوں کا آپ کو علم نہیں ہو پاتا۔ وہ انٹرن شپ کر کے کافی حد تک ہو جائے گا۔ مثلاً مارکیٹ میں کون سے لوگ اُدھار میں برے اور لوگ اچھے ہیں، کس کمپنی کا مال ٹھیک ہے، کون سی کمپنی دھوکا دے سکتی ہے وغیرہ۔

میری گفتگو ختم ہوئی تو میں نے گھڑی پہ وقت دیکھا، رات کے بارہ بج رہے تھے۔ میں نے کہا ''بھئی ہمیں بہت دیر ہو چکی۔ باقی باتیں اب اگلی نشست میں کریں گے۔ اگلی نشست میں ہم ایکسپورٹ اور امپورٹ کے آئیڈیاز پر بات کریں گے۔''

وہ کہنے لگا: ''بالکل ٹھیک ہے طیّب بھائی، سوال تو اب بھی میرے ذہن میں بہت سے ہیں، لیکن انھیں ہم اگلی نشست کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں۔

(مضمون نگار بہ لحاظ پیشہ ایک کاروباری ہیں اور شوق کے اعتبار سے لکھاری۔ ان سے ای میل ایڈریس tayyab.tariq@urdu-digest.com پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔)

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

تازہ افسانہ

ماں جیسی دیالو اور انتریامی

موچی کی میم صاحب

اس غریب و مسکین کا رشتہ انجانی عورت کی ممتا سے بھوک کے ناتے جڑ گیا تھا

ذکیہ مل بیگ

جب اس نے کھانے سے بھری ٹرے کو سامنے پایا، تو موچی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سلیقے سے سجی ٹرے میں گرم گرم روٹیاں تھیں۔ سالن، اچار، سلاد اور پانی بھی تھا۔ اسے سمجھ نہ آیا کہ اس خودغرضی کے دور میں کس نے یہ بے غرضی کر ڈالی۔

اس نے ممنونیت سے ٹرے تھام لی۔ اسے شدید بھوک لگی تھی، لیکن وہ ایک ہی وقت کا کھانا کھا پاتا تھا۔ ایک موچی کی بھلا کیا آمدنی ہو سکتی ہے؟ بہرحال برسوں بعد اس نے سیر ہو کر کھایا اور پانی پی سستانے لگا۔

"ٹرے واپس کر دیں۔" ایک بارہ تیرہ سال کے لڑکے نے آ کر کہا۔

موچی نے آہستہ سے کہا "میم صاحب کو شکریہ بولنا۔"

"ٹھیک ہے۔" لڑکے نے بے پروائی سے جواب دیا۔

موچی اپنے کام میں جت گیا۔ کچھ دیر کے

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

پاس کام ہوتا تھا اور کبھی نہیں۔ وہ اپنا مستقل ٹھکانا بھی نہیں بنا پایا تھا۔ کل ہوسکتا ہے کہ دانہ پانی کہیں اور لکھا جائے۔

☆☆☆

''یہ کھانا لے لیں۔'' آواز سنتے ہی موچی نے حیرت سے سر اٹھا کر لڑکے کو دیکھا۔ وہ امید نہیں کر رہا تھا کہ آج بھی اسے گھر کی روٹی نصیب ہوگی اور وہ بھی اتنے اہتمام کے ساتھ۔ اس کے ذہن میں چند سوالات نے سر اٹھایا۔ لیکن بھوک کی شدت کے سامنے وہ سوالات دھواں بن کر غائب ہوگئے۔ آج بھی کھانا اچھا تھا اور تازہ بھی۔ اس نے سیر ہوکر کھایا۔ جب لڑکا برتن اٹھانے آیا، تو اس نے میم صاحب کو سلام بولا۔

اب تو یہ روز کا معمول بن گیا۔ سہ پہر ہوتے ہی لڑکا اس کے لیے کھانا لے آتا۔ اسے امید نہ تھی کہ یہ سلسلہ چل پڑے گا۔ وہ لڑکے سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے جو اسے کھانا بھیجتی تھی؟ اور اس کا مقصد کیا ہے۔ لیکن زبان کی رکاوٹ حائل تھی۔ وہ اس کی زبان بول نہیں سکتا تھا۔

وہ چند ماہ پہلے ہی اپنے قبائلی علاقے سے اسلام آباد روزگار کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ سڑک کنارے ایک چھپر تلے جوتے سینے کا کام کرتا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے اس کے علاقے میں حالات بہت مخدوش ہوگئے تھے۔ افلاس نے لوگوں کی زندگیوں کو تلخ ترین بنا دیا تھا۔ چناں چہ اس کے پاس ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ وہ غریب الدیار تھا اور غریب الزبان بھی! وہ ایک پائپ میں رہتا اور انسانیت کے درجے سے بھی نیچے کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔

آج کھانا آیا، تو وہ فارغ بیٹھا تھا۔ کام بالکل نہ تھا۔ اس نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ البتہ تسلی تھی کہ اس کے لیے من و سلویٰ اترے گا ضرور! کھانے کی ٹرے تھامنے کے بعد آج اس نے پہلی بار نظریں اٹھا کر سڑک کے پار واقع گھر کی جانب غور سے دیکھا۔ ایک خاتون جو کام والی چادر میں لپٹی تھی اور اس نے چہرہ ڈھانپا ہوا تھا، اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

موچی نے ممنونیت سے میم صاحب کو دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر ماتھے پر رکھ لیا۔ میم صاحب اس کا سلام دیکھ کر سرعت سے اندر چلی گئی۔ لڑکے نے واپسی پر ٹرے اٹھاتے ہوئے اسے ایک لفافہ دیا اور کہا ''امی نے کہا ہے، رات کو کھا لینا۔''

موچی کا دل بھر آیا۔ میم صاحب دیالو ہی نہیں بلکہ انتریامی بھی تھی۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ آج کل اس کے پاس کام نہ ہونے کے برابر ہے؟ اس کا دل چاہا کہ وہ اسے ماں کہہ کر بلائے۔ لیکن وہ ماں کی محبت سے بھی صحیح معنوں میں آشنا نہ تھا۔

اس کی ماں کے ۱۲ بچے تھے اور وہ بھی ۳۵ سال کی عمر میں۔ جس عورت نے کبھی اچھا نہیں کھایا اور نہ کبھی اچھا پہنا۔ وہ بھلا اتنے بڑے کنبے میں اپنی محبت کیسے تقسیم کر سکتی تھی؟ محبت سے محرومی تو نسل در نسل چلی آرہی تھی۔ اس کی ماں کے ۱۸ بہن بھائی تھے۔ اگرچہ ۱۰ بچپن میں فوت ہوگئے۔ لڑکی ہونے کے ناتے اسے بھی محبت کا حقدار سمجھا ہی نہیں گیا۔ پھر لگاتار بچوں کی پیدائش نے اسے مستقل روگی بنا دیا۔

ماں کی زندگی محض جبری مشقت تھی۔ ان کے علاقے میں خوشیاں ویسے بھی نایاب تھیں جیسے کہ دھوپ۔ دونوں فطرت سے منسلک ہیں اور قدرت نوازنے میں مساوات کی قائل نہیں۔ البتہ سردی اور اندھیرے کی نعمت بے بہا ہے۔ بہرحال اس کی ماں بچوں کو کسی نہ کسی طور

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

پالتی رہی، لیکن انھیں مادرانہ محبت نہ دے سکی۔ اسی لیے موچی کو معلوم نہ تھا کہ کیا میم صاحب کی مہربانی ماں کی آغوش جیسی نرم گرم ہے؟ بہرحال اس کے لیے تو میم صاحب کا احسان مادرانہ محبت سے بھی بڑھ کر تھا کیونکہ ماں کبھی اسے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھلا سکی تھی۔

☆☆

آج بہت رونق تھی۔ میم صاحب کے گھر مہمان آ جا رہے تھے۔ موچی کبھی کبھی نگاہ اٹھا کر ادھر دیکھ لیتا۔ مگر اسے ان سے کیا لینا دینا؟ اس کی چھوٹی سی دنیا تھی۔ وہ کبھی اسکول نہیں گیا تھا۔ نماز پڑھنا بھی بہ مشکل سیکھ سکا۔ اس کی مختصر دنیا نے ذہن کو کھلنے ہی نہیں دیا۔ افلاس نے ذہن کو روٹی سے آگے سوچنے سے مفلوج کر دیا تھا۔

وہ بہت سارے معاملات پہ تدبر کرنے کی صلاحیت سے پیدائشی و خاندانی طور پر معذور تھا۔ وہ صرف اگلی روٹی کے متعلق سوچ سکتا تھا۔ اسی لیے اسے اپنی کم مائیگی کا زیادہ احساس نہیں تھا۔ یہ نعمت تھی کیونکہ سوچ کا دروازہ وا ہوتے ہی دکھوں کی پھوار اس کی کمزور ہستی کو بھگو دیتی۔ اس کے لیے نہ سوچنے کا عمل ہی زندہ رہنے کا محرک تھا ورنہ آگاہی کی شدت شاید اسے مار ڈالتی۔

البتہ اسے یہ احساس ضرور ہوا کہ میم صاحب اسے مہمانوں کے جھمیلے میں بھی نہیں بھولی۔ آج تو طرح طرح قسم قسم کے لوازمات سے پُر تھی۔ اس نے ایسے کھانے خان کی شادی پر بھی نہیں کھائے تھے۔ علاقے کے رئیس نے بھی اپنی شادی پر بریانی، گوشت کا سالن اور روٹیاں بنوائی تھیں۔ اب تو وہ ہر روز اتنا سیر ہو کر کھاتا تھا جتنا خان کی شادی پر کھایا تھا اور بدلے میں دو دن تک شادی کے انتظامات بیگار کے طور پر نبھائے تھے۔ آج پھر موچی کے دل سے میم صاحب کے لیے دعائیں نکلیں۔ لڑکا ٹرے اٹھانے آیا، تو اس نے پوچھا ''تم نے کیا کھایا؟''

لڑکے نے جواب دیا ''جو تم نے کھایا۔''

وہ لڑکے کو اکثر اندر باہر جاتے دیکھتا تھا، لیکن احساس کمتری کے باعث کبھی نہیں پوچھ سکا کہ وہ کون ہے۔ البتہ روزانہ یہ پوچھ لیتا ''تم نے کیا کھایا؟''

لڑکا ایک ہی جواب دیتا ''جو تم نے کھایا۔''

کئی دن گزر گئے۔ موچی کا من و سلویٰ قوم یہود کی طرح لازم تھا۔ وہ پردیس میں دکھی تو ہوتا، لیکن پیٹ کا بھرنا اسے بہت زیادہ غمگین نہ ہونے دیتا۔ اسے میم صاحب سے عقیدت ہو گئی جو بدلے کی لالچ کے بغیر اس کے لیے غیبی امداد کا کردار ادا کر رہی تھی۔

> وہ بہت سارے معاملات پہ تدبر کرنے کی صلاحیت سے پیدائشی و خاندانی طور پر معذور تھا۔ وہ صرف اگلی روٹی کے متعلق سوچ سکتا تھا۔

☆☆

گھر کے سامنے آج بہت رونق تھی۔ کئی کاریاں اس گھر کے سامنے سے آ جا رہی تھیں۔ موچی آج دس دن بعد کام پر واپس آیا۔ وہ گاؤں چلا گیا تھا۔ اسے جانا ہی پڑا، اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ پُرملال تو تھا، لیکن بہرحال ماں سے وابستگی روایتی تھی۔ اس بے چاری کے پاس بیٹے کے لیے وقت ہوتا ہی نہیں تھا۔ بچپن ہی میں وہ کھیتوں میں کام کرنے لگا تھا۔ ادھر ماں کو گھر کے کئی کام کرنے ہوتے تھے۔

وہ چپ چاپ رونق دیکھتا اور کھانے کا انتظار کرتا رہا۔ اس کی اشتہا بہت بڑی ہوئی تھی۔ ماں کے انتقال پر بھی اسے پیٹ بھر کھانا نہ مل سکا تھا۔ میم صاحب تو روز طرح طرح کے کھانے بھیجتی..... کباب، چٹنی، گوشت کا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سالن، بگھارگلی دال، تری میں تیرتی سبزی، زردہ، پلاؤ، روٹی، کھیر ہر روز الگ سالن۔ لگتا تھا کہ آج تو بہت اچھا سالن ملنے والا ہے۔ دعوت جو تھی۔ تھوڑی دیر میں شامیانوں میں دیگیں کھڑکھنے لگیں۔ برتن بولنے لگے۔ وہ سوچنے لگا کہ میم صاحب تو کھانا لگنے سے پہلے ہی ٹرے بھجوا دیا کرتی تھیں۔ آج کیا ہوا؟ وہ دیر تک کھانے کا انتظار کرتا رہا، بہت دیر تک!!

دھیرے دھیرے گاڑیاں رخصت ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ شامیانے اتر گئے اور دیگیں چلی گئیں۔ وہ سڑک کے پار اس خوبصورت سفید بنگلے کو دیکھتا رہا جو زیادہ بڑا تو نہیں لیکن اجلا ضرور تھا۔ کمروں میں جلتی بتیاں نظر آرہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد شام اترنے لگی۔ بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ وہ مایوس ہو کر اٹھنے لگا! پہلی دفعہ اس در سے نامراد ہوا تھا۔

اچانک وہی لڑکا بازار کی جانب جاتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھوں میں ٹرے نہ تھی۔ چہرہ ستا ہوا تھا۔ موچی نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا، تو وہ گڑبڑا گیا۔ اس نے موچی کو حزن بھری نظروں سے دیکھا اور کہا ''امی پرسوں اچانک گزر گئیں۔''

موچی کو سمجھ نہیں آیا۔ اس نے کہا ''کیا بولا تم نے؟''

وہ لڑکا روتے ہوئے بولا ''میری ماں مر گئی۔''

موچی کا سر جھک گیا۔ اس کے دل پر بوند بوند غم کی بارش ہونے لگی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا رشتہ انجانی عورت کی ممتا سے بھوک کے ناتے جڑ گیا تھا۔ موچی کو تکلیف کا شدید احساس ہوا اور اسے لگا، آج پھر اس کی ماں مر گئی۔

◆◆◆

نعت رسول ﷺ

وہ من جانب خدا ہے جو بھی فرمایا محمدؐ نے
کہا جو بھی وہی پھر کر کے دکھلایا محمدؐ نے

یہ اذن رب ہے عفو و درگزر کرنا عبادت ہے
تو ''عفو و درگزر'' دنیا کو بتلایا محمدؐ نے

تھا حکم رب کسی کا حق نہیں مارو کبھی بندو
تو کیسے حق ادا کرتے ہیں سکھلایا محمدؐ نے

اوامر سارے اللہ کے ہمیشہ ماننے ہوں گے
اوامر پر عمل خود کر کے بتلایا محمدؐ نے

کہا خالق نے تم پرہیز رکھو ہر برائی سے
بدی سے دور رہ کر خود ہی دکھلایا محمدؐ نے

عبادت ہم کو کرنی ہے فقط اللہ کی لوگو
عبادت کیسے کرتے ہیں یہ سکھلایا محمدؐ نے

وہ ہیں اعمال صالح لے کے جو جائیں گے جنت میں
عمل خود سب سے پہلے کر کے دکھلایا محمدؐ نے

شفاعت آپؐ کی مل جائے تو چمکے نصیب اپنا
یہ درجہ صرف من جانب خدا پایا محمدؐ نے

دیا قران اللہ نے ہدایت کے لیے سب کی
ہدایت کس طرح ملتی ہے سمجھایا محمدؐ نے

فقط اللہ ہے معبود برحق، خالق و رازق
یہ پیغام خدا بندوں کو پہنچایا محمدؐ نے

کریں تعمیل قرآن اور سنت کی ہمیشہ ہم
یہی ہے حکم رب لوگوں سے فرمایا محمدؐ نے

بفضل حق تعالیٰ شان سے توحید کا پرچم
ثناؔ ہر اک طرف دنیا میں لہرایا محمدؐ نے

(ڈاکٹر ثنا قریشی، کراچی)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سائنس

پاکستان کی تجارتی شہ رگ

کراچی ڈوبنے کا خطرہ

شہر نگاراں کے سمندر برد ہو جانے کی ڈراؤنی سناؤنی سائنسی کسوٹی پر غلط اُتری یا صحیح؟

رضوان علی شاہ

"اگر آپ کا ملک مٹنے کے خطرے سے دوچار ہو، تو آپ کیا کریں گے؟"

یہ وہ دل دہلا دینے والا سوال ہے جو بحرالکاہل میں واقع ننھے سے جزیرے، تووالو کے وزیراعظم، اینیلی سوپوگوا نے دنیا والوں سے پوچھا۔ جناب سوپوگوا اقوام متحدہ کی زیرنگرانی منعقد ہونے والی ''کلائمٹ سمٹ'' میں شریک تھے۔ تبدیل ہوتی عالمی آب و ہوا کے اثرات کا جائزہ لینے کی خاطر یہ کانفرنس دسمبر ۲۰۱۴ء میں پیرو میں منعقد ہوئی۔

تووالو ان سیکڑوں جزائر اور ساحلی شہروں میں سے ایک ہے جن کی بقا کو سمندر کی سطح بلند ہونے سے شدید خطرات لاحق ہو چکے۔ ان میں ہمارا شہر کراچی اور سندھ کے دیگر ساحلی علاقے بھی شامل ہیں۔ سائنس دانوں کا دعویٰ ہے کہ اگر سمندر کی سطح بڑھتی رہی، تو اس

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

صدی کے اختتام تک روشنیوں کا شہر کراچی پانی میں ڈوب جائے گا۔

کیا یہ دعویٰ سائنسی حقائق پر مبنی ہے؟ کیا واقعی تقریباً دو کروڑ پاکستانیوں والا بنتا بستا شہر کراچی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا؟ آئیے جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ان سوالات کا جواب تلاش کرتے ہیں۔

☆☆

سورج کی روشنی جب زمین پر پڑے، تو اس کی کچھ حرارت واپس خلا میں جاتی ہے۔ جب یہ حرارت ارضی خلا سے گزرے، تو وہاں موجود گیسیں کچھ گرمائش جذب کر لیتی ہیں۔ انسان پچھلے ڈیڑھ سو برس میں رکازی ایندھن (تیل، گیس، کوئلہ، لکڑی) جلا کر کھربوں ٹن گیسیں (کاربن ڈائی آکسائیڈ، میتھین وغیرہ) فضا میں بھیج چکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فضا میں گیسوں کی مقدار ماضی کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ چکی۔

ان گیسوں کی خاصیت یہ ہے کہ یہ جذب شدہ حرارت کو واپس زمین کی سمت پلٹا دیتی ہیں۔ اسی باعث پچھلے ایک سو برس میں زمین کے درجہ حرارت میں اضافہ ہو چکا۔ خیال ہے کہ ایک صدی میں عالمی درجہ حرارت ۱.۵۳ فارن ہائٹ (۰.۸۵ سینٹی گریڈ) تک بڑھ چکا ہے۔

درجہ حرارت بڑھنے کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر آب و ہوائی (Climate) تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں جبکہ موسم (Weather) بھی تبدیل ہونے لگے ہیں۔

خطرناک بات یہ کہ بمطابق ماہرین رواں صدی کے آخر تک زمین کا درجہ حرارت مزید ۲ تا ۵ ڈگری سینٹی گریڈ بڑھ جائے گا۔ دنیا میں بڑھتی اسی گرمی کے باعث کئی مسائل جنم لے چکے۔

مثال کے طور پر پاکستان میں بارشوں اور موسموں کے طور طریقے (Pattren) بدل رہے ہیں۔ اب مارچ کے آغاز تک اچھی خاصی سردی رہتی ہے، جبکہ گرمی اوائل دسمبر تک چلتی ہے۔ اسی طرح مون سون کی بارشیں ستمبر تک جاری رہتی ہیں۔

یہی بڑھتا درجہ حرارت سمندروں کی سطح ابھار کر کرۂ ارض کے ماحول میں عظیم تبدیلی لا رہا ہے۔ اعداد و شمار کی رو سے درجہ حرارت میں اضافے کے مطابق ۲۱۰۰ء تک سمندروں کی سطح ''تیرہ سے بیس فٹ'' تک بلند ہو جائے گی۔

گویا جو جزائر اور ساحلی علاقے سطح سمندر سے محض ۱۳ فٹ اونچے ہیں، وہ اگلے ستر اسی سال میں یقینی طور پر غرقاب ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر مالدیپ جو سطح سمندر سے صرف چھے سات فٹ بلند ہے۔ گویا یہ جزیرہ ۲۰۵۰ء تک صفحہ ہستی سے معدوم ہو سکتا ہے۔

اب کراچی کو لیجیے۔ اس کا ساحل سمندر سے ۵ فٹ بلند ہے۔ جوں جوں حیدرآباد کی طرف بڑھیے، سطح زمین بلند ہوتی جاتی ہے۔ کراچی کی سب سے بلند بستی، منگھوپیر ۵۳۰ فٹ اونچی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کراچی کے نزدیک بحیرہ عرب ۲۰ فٹ بلند ہوا، تو اس کی تمام ساحلی بستیاں مثلاً کلفٹن، کیماڑی، ڈیفنس، لیاری، اور صدر وغیرہ ڈوب سکتی ہیں۔

سمندری پانی دو وجوہ کی بنا پر بلند ہو رہا ہے۔ اول پانی گرم ہونے کے بعد پھیلتا ہے۔ چناں چہ بڑھتی گرمی نے سمندری پانی کو پھیلا دیا۔ دوسرے درجہ حرارت بڑھنے سے پوری دنیا میں گلیشیئر پگھل رہے ہیں۔ ان کا پانی سمندروں میں شامل ہو کر سطح تیزی سے بلند کر رہا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

شعبہ موسمیات (Meteorological Department) کراچی سے وابستہ ماہر موسمیات ڈاکٹر غلام رسول کا کہنا ہے کہ پاکستانی پہاڑی علاقوں میں ''۸۱۲۳'' گلیشیئر واقع ہیں اور ان میں سے صرف ۲۳ گلیشیئروں پر جمی برف میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بقیہ گلیشیئر برف پگھلنے کی وجہ سے چھوٹے ہو رہے ہیں۔

یاد رہے، امریکی محکمہ ارضیات کا کہنا ہے کہ اگر قطب شمالی، قطب جنوبی، ہمالیہ وغیرہ میں موجود سبھی چھوٹے بڑے گلیشیئر پگھل گئے، تو سمندروں کی سطح ''۲۶۲ فٹ'' تک بلند ہو جائے گی۔ اگر خدانخواستہ ایسی خوفناک صورت حال نے جنم لیا، تو تمام بڑے ساحلی شہر مثلاً ٹوکیو، ممبئی، کراچی، لاس اینجلس، نیویارک، ڈھاکہ، منیلا، جکارتہ، شنگھائی وغیرہ سمندر برد ہو جائیں گے۔ بلکہ پانچ بڑے ممالک مثلاً انڈونیشیا، نیوزی لینڈ، پاپوانیوگنی، مارشیس، برطانیہ کے وسیع رقبے کو بھی نگل جائے گا۔

تاہم خوش قسمتی سے آپ یا کرہ ارض کے موجودہ باشندے سمندروں کو ''۲۶۲ فٹ'' تک بڑھتا نہیں دیکھ سکیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ سبھی گلیشیئر پگھلنے میں کم از کم ایک تا دس ہزار برس کا عرصہ لگائیں گے۔ لیکن حضرت انسان نے اپنی ترقی کا موجودہ سفر اسی طرح جاری رکھا، تو کرہ ارض دو سو فٹ سے زیادہ بلند سمندروں میں غرق ہو سکتے ہیں۔

وجہ یہ کہ دنیا والے ہر سال ''۳۴ ارب ٹن'' سے زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ فضا میں پھینک رہے ہیں۔ یہ عیاں ہے کہ فضا میں جتنی زیادہ گیسیں ہوں گی، وہ اتنی ہی زیادہ حرارت جذب کر کے واپس زمین کی سمت پھینکیں گی۔

گویا آنے والے برسوں میں زمین پر حدت بڑھتی جائے گی۔ عالمی آب و ہوا اور موسموں کے لیے یہ کوئی اچھی خبر نہیں..... اس انسان ساختہ عمل سے پوری دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

مثال کے طور پر جزیرہ قطب جنوبی و شمالی میں برف نہ رہی، تو وہاں ملنے والے برفانی ریچھ، پینگوئن اور چرند پرند دیگر اقسام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ادھر بنگال میں واقع خوبصورت جنگل، سندربن ڈوبنے کا خطرہ جنم لے چکا۔ اس جنگل میں شاہانہ ٹائیگر کے علاوہ جانوروں اور پرندوں کی نایاب قسمیں پائی جاتی ہیں۔

مستقبل میں پاکستان کو لاحق بڑا خطرہ سیلابوں کا بکثرت آنا بھی ہے۔ پہاڑوں پر جمے گلیشیئر پگھلنے سے یقیناً پنجاب اور سندھ میں زبردست سیلاب آئیں گے۔ چونکہ زمین خشک ہونے میں وقت لگائے گی لہٰذا کسان اپنی فصل کاشت نہیں کر سکیں گے۔ یوں فصلوں کی کاشت کا زمانہ بدل سکتا ہے۔

مزید برآں پاکستان میں بڑے ڈیم نہ ہونے کی صورت سیلابوں کا بیشتر میٹھا پانی سمندر میں پہنچ جائے گا اور جب ہمالیہ کے پہاڑوں میں بارشیں نہیں ہوں گی، تو پاکستان میں پانی کی قلت پیدا ہو سکتی ہے۔

غرض ''عالمی گرماؤ'' (Global Warming) ایک بہت بڑی آفت ہے جو رفتہ رفتہ بنی نوع انسان پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ لیکن جدید انسان مستقبل سے بے پروا ہو کر کرہ ارض کا قدرتی توازن بگاڑنے میں لگا ہے۔ افسوس کہ موجودہ انسانوں کی غلطیوں سے پیدا ہونے والے خرابیوں کا بوجھ آنے والی نسلیں اٹھائیں گی۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

"میں صاف بتا دیا تھا کہ میں کوئی عام سی لڑکی نہیں۔ زندگی گزارنے کے میرے کچھ اصول ہیں، میں انہی ضابطوں اور طریقوں کے مطابق ہی رہوں گی۔ آپ نے میری بات سنی تھی اور مانی بھی۔ اب یہ کیا کہ صبح شام مجھے لیکچر دیتے رہتے اور میری شکایتیں میرے امی اور ابا کے سامنے لگاتے ہیں۔ کل تو حد ہی ہوگئی، میری سب سے اچھی سہیلی کے سامنے میرا قصہ شروع کر دیا۔ آخر آپ کو اپنا وعدہ کیوں یاد نہیں رہتا؟ کیا سب کچھ سامنے دیوار پر لکھ کر لگوا دوں؟" لائبہ جو ابھی ابھی ایک شادی سے لوٹی تھی، غصے سے پھٹ پڑی۔

"ہاں..... کیا تھا وعدہ..... مانتا ہوں۔ مگر یہ بھی مانتا ہوں کہ وہ میری بے وقوفی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم وقت کے ساتھ ساتھ خود کو بدل لو گی۔ طبیعت کا بچپنا رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ حالات سے کچھ تبدیلی تم میں بھی آ جائے گی... مگر نہیں۔ میں ہی پاگل تھا۔ تب تمہاری خوبصورتی کی پٹی بندھی تھی میری آنکھوں پر اور تمہاری اداؤں کے پتھر پڑ گئے تھے میری عقل پر۔ تمہارے اصول..... ہونہہ، جان چکا ہوں۔ ان اصولوں سے جن میں ساری دنیا صرف اور صرف تمہارے ہی گرد گھومتی ہے۔ دیکھو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ اب میری برداشت کی حد ختم ہو چکی۔" قاسم بھی شادی میں لائبہ کی بدتمیزی کی وجہ سے خاصے غصے میں تھے۔

"کیا کر لیں گے آپ؟ ناراض ہو جائیں گے؟ مجھے

خوبصورتی کی دیوانی گھر کو بھول بیٹھی

شوہر اور اولاد سے بچھڑی ایک بیوی کا سبق آموز قصہ

صادقہ محبوب

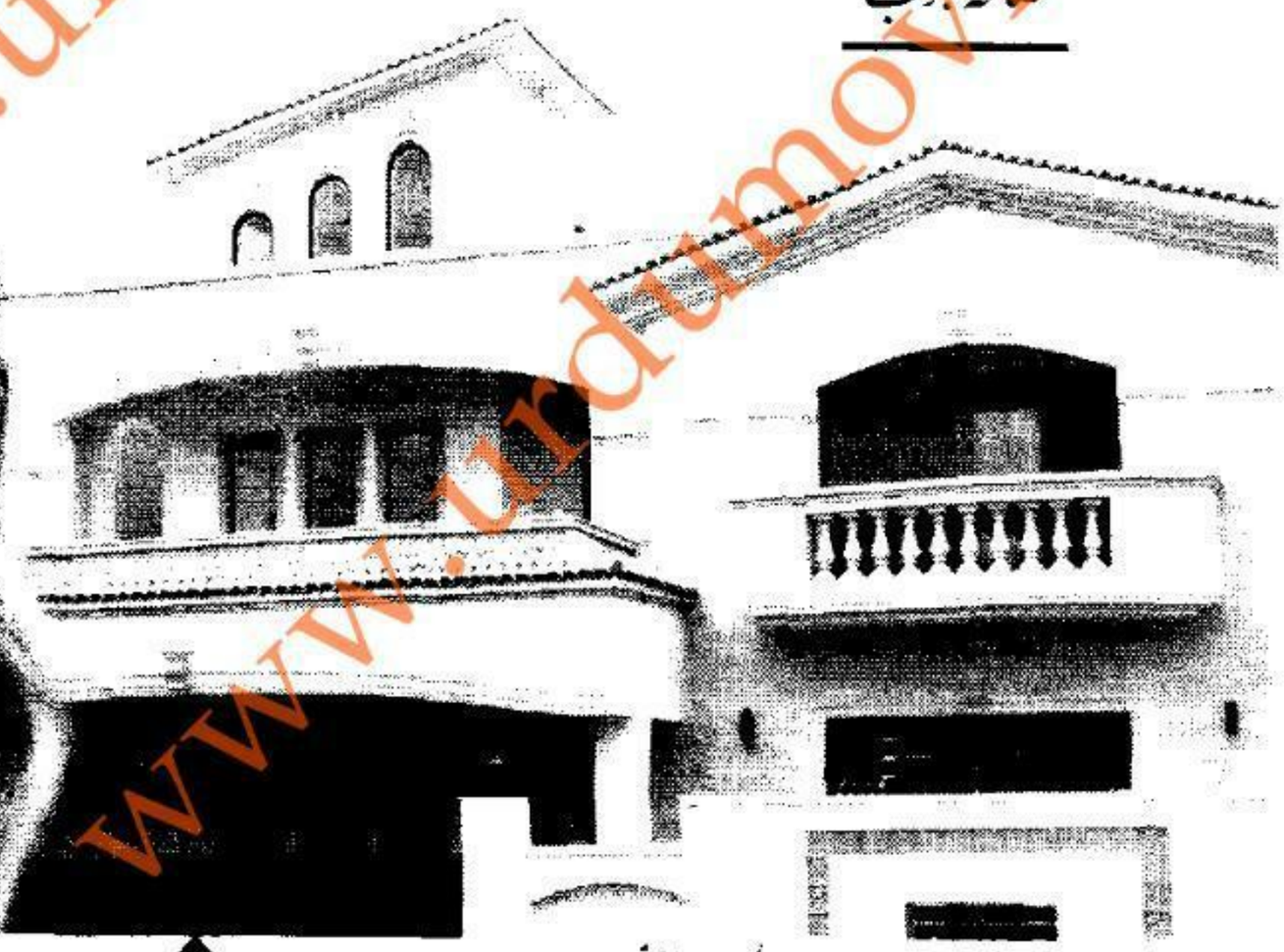

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مردوں کو اپنے قول کا پکا ہونا چاہیے، آپ کی طرح تھکا تی نہیں۔" لائبہ بے پروائی سے بولی۔

"ہاں تم آئرنی رہو۔ یہ گھر جو میں نے تمہارے نام لکھ دیا اور سارا کاروبار..... تمہارے بغیر تو میں کنگلا ہو جاؤں گا نا۔ بس میری مت ماری گئی تھی کہ اپنے ہاتھ کاٹ کر تمہارے حوالے کر دیے۔" قاسم تاسف سے بولے۔

"دیکھیں اگر ٹھنڈے دماغ سے سوچیں، تو ایسی زندگی گزارنے میں ہم دونوں ہی کی بہتری ہے۔ آخر میرے طور طریقوں میں غلط بات کیا ہے؟ بس وقت کا احساس اور ترجیحات کا تعین۔" لائبہ اب کچھ نرم پڑ گئی تھی۔

"ہاں ہاں..... ان طور طریقوں میں دوسروں کی گنجائش ہی کہاں ہے! ہفتے کے سات دن تم نے اپنی دیکھ بھال کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔ سوموار کا دن تمہارے بالوں اور منگل تمہارے چہرے کا۔ بدھ تمہارے ہاتھوں پاؤں کا۔ جمعرات کا پورا دن تم تیل، ابٹن اور انڈے میں نہائی رہتی ہو۔ جمعہ پانی کا دن..... جانے کون کون سی چیزیں پانی میں ابال ابال کر سارا دن غسل ہوتا ہے۔

"غضب خدا کا، غسل تک تو بات صحیح مگر اس انٹل بم سب صرف پانی ہی پئیں؟ ٹھوس غذا کا داخلہ گھر میں ممنوع..... آخر رہ گیا ہفتہ اتوار..... دو دن جب بچے گھر میں ہوں تو اماں غائب سارا دن شاپنگ اور درزی..... لوگ درزی سے کپڑے اپنا ناپ دے کر سلواتے ہیں اور تم خود کو تول تول کر ہلکائے آج دو کلو وزن بڑھ گیا، تو اگلے ہفتے چار کلو اتر گیا۔ مہارانی چلے تو کپڑا خود پر لپیٹ کر درزی سے کہو کہ اب سلائی کرو۔" قاسم جلے دل سے بولتے ہی چلے گئے۔

"مگر اس سادہ سے معمول میں آپ یا دوسروں کا کیا نقصان ہے؟ میری ورزش، سیر، ہلکا کھانا، اچھا لباس ان سب سے دوسروں کو کیا مسئلہ ہے؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آج بھی لوگ آپ کی بیوی کو ستائش بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ دو بچوں کی ماں ہوں مگر سب مجھے ان دونوں کی بہن سمجھتے ہیں۔ آج بھی کئی لوگوں نے یہی کہا کہ مسز قاسم، آپ تو کسی کالج کی طالبہ لگتی ہیں۔" لائبہ فخریہ لہجے میں بولی۔

"بس یہی ثابت کرتی رہنا۔ آج تمہارا اور ڈولی کا لباس بالکل ایک جیسا تھا۔ ماں بیٹی بالکل ایک طرح سے تیار تھیں..... ڈولی کتنی اچھی لگ رہی تھی اور تم..... تمہارا انداز کتنا بچکانہ تھا۔ ماں کو ماں ہی لگنا چاہیے۔ سنجیدگی، ٹھہراؤ، وقار ماں کے زیور ہیں۔ لیکن تم تو مسلسل اسی کوشش میں تھیں کہ خود کو ڈولی سے بھی کم عمر ثابت کر دو۔" قاسم غصے سے بولے۔

"آپ کو میرے بننے سنورنے سے تکلیف کیا ہے؟ دیکھیں آج بھی کتنی فٹ ہوں۔ میرا سائز وہی ہے جو شادی سے پہلے تھا۔ بال بھی ویسے کے ویسے..... آپ کو تو فخر کرنا چاہیے۔" لائبہ ہنوز خود کو آئینے میں دیکھنے میں مصروف تھی۔

"ہاں ہاں اور عقل بھی ویسی ہی ہے جیسے بچپن میں تھی..... بلکہ اس سے بھی گئی گزری! اچھلے بھلے گھر کو اسپتال بنا رکھا ہے۔ بیس سال سے صبح ناشتے میں جو کا دلیا اور ایک عدد ابلا ہوا انڈا کھا رہا ہوں۔ سارا دن دفتر میں سر کھپا کر آؤ، تو شام کو بیگم صاحبہ کچی سبزیاں کاٹ سلاد بنا کر رکھ دیتی ہیں یا پھر سبزیوں کا سوپ۔ رات کو کھانا کے نام پر ابلے ہوئے چنے۔ وہ بھی کالے..... خدا کی پناہ! تم مجھے شوہر سمجھتی ہو یا بکرا....." قاسم روز کے کھانے کو یاد کرتے ہوئے بولے۔

"بھئی جو میں خود نہیں کھاتی دوسروں کے لیے بھی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

نہیں بناتی۔ اچھی غذائی عادات سے صحت ہمیشہ درست رہتی ہے۔ میرے گھر تو یہی سادہ کھانا پکے گا۔" لائبہ اطمینان سے بولی۔

"تمھارے گھر میں ہم بیماری نہیں، تو فاقے سے ضرور مر جائیں گے۔ بچوں کی صحت دیکھی ہے..... اور بچوں کو چھوڑ میرے مہمانوں کے ساتھ کیا کرتی ہو..... دوپہر کو بلاؤ یا رات کے کھانے پر..... پتلا سوپ، ڈش بھر کے سلاد اور وہ ابلی ہوئی ایک عدد مرغی..... جو اکیلی لائبہ بلکہ شرمندہ شرمندہ سی ڈونگے میں لڑھک رہی ہوتی ہے۔ اس میں مسالا لگانے سے بھی تمھارا وزن بڑھنے لگتا ہے۔" قاسم بولے۔

"بس آپ کو لڑنے اور شکایتیں لگانے کا بہانہ چاہیے ورنہ آج کل سب لوگ یہی کھانے کھاتے ہیں۔" لائبہ بے نیازی سے بولی۔

"لوگ نہیں صرف تم..... تمھاری اور بچوں کی صحت دیکھی ہے۔ بے چارے بچے فاقے کر کر کے بالکل چوزے سے بن چکے۔ چینی ان کی بند، چھوٹا بڑا گوشت ان پر حرام، باہر کی چیزیں ان کے لیے منع..... ایتھوپیا کے فاقہ کشوں کی طرح ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ دن میں دو دو ٹہلتے بھی ہیں۔ عین ڈائننگ روم میں تولنے کی مشین رکھی ہے..... دروازے پر چارٹ لگا ہے: "کھانے سے پہلے وزن اور بعد میں..... بھلا یہ گھاس پھوس، پتلا سوپ اور تمھارے شوق آفاق کا لے چنے کھا کر کسی انسان کا وزن بڑھنے کا ایک فیصد بھی امکان ہے؟ تم خود تو دیوانی ہو، ہم تینوں پر تو رحم کرو۔" قاسم بولے۔

"آپ یہ بچوں کی بے چارگی کی تصویر کشی نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ دونوں گھر میں بیٹھتے ہی کب ہیں؟ ساتھ میں دادی کے گھر سے جانے کیا کیا بلا کھا کر آتے ہیں۔ اور آپ بھی تو وہیں سے کھا پی آتے اور میرے سامنے اپنی بے چارگی کا ایسا نقشہ پیش کرتے ہیں۔" لائبہ نے بھی جواب دے کر حساب برابر کیا۔

"بیگم صاحبہ! نہ تم ہم سب کو کچھ کھانے کو دو نہ کسی آئے گئے کو پوچھو..... نہ کسی سے ملو اور نہ کسی سے بات چیت کرو، تو کوئی بھی آخر کب تک تمھاری چمکتی جلد اور بالوں سے متاثر رہ سکتا ہے؟" قاسم بولا۔

"میں تو خوش ہوں..... یہی صحت مند طرز زندگی ہے۔ آپ کبھی ٹی وی پر صبح کے پروگرام دیکھیں، تو اندازہ ہو بھلا کاروباری بات چیت میں صحت کے نئے اصول کون بتاتا ہوگا؟ چینی، چکنائی، چاول، مٹھائی، بیکری کی اشیا کے بجائے سبزیاں و پھل کھانا۔ سبز چائے پینا، خوب ورزش کرنا اور ہر کام میں باقاعدگی..... یہی اچھی صحت کے اصول ہیں۔" لائبہ بے حد مطمئن تھی۔

"ان اصولوں میں بچوں کی دیکھ بھال، پڑھائی، شوہر کے کھانے پینے اور رشتہ داروں سے تعلقات کو بھی تو شامل کیا جا سکتا ہے؟" قاسم یہ جانتے ہوئے بھی بولتے چلے گئے کہ لائبہ پر ان کی یہ نصیحتیں کبھی اثر نہیں کرتیں۔ لائبہ کو مکمل توجہ سے اپنا میک اپ صاف کرتا دیکھ کر آخر دو بچوں کے کمروں کی طرف چل دیے جو ماں کی اس بے اعتنائی کا ہمیشہ شکار رہے تھے۔

لائبہ اور قاسم کی شادی ہوئے بیس برس بیت چکے تھے۔ لائبہ تھی تو دور پرے کی رشتے دار مگر اس شادی کی وجہ وہ دھواں دھار عشق بنا جو قاسم کو لائبہ کی خوبصورتی کی وجہ سے ہوا۔ لائبہ کی یہ عادتیں نئی نہ تھیں۔ وہ ہمیشہ سے خود پسندی کا شکار تھی۔ اسی لیے والدین نے قاسم سے ان کا گھر اور کاروبار لائبہ کے نام کرنے کی شرط پر رشتہ دیا۔ سو

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اب قاسم کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد کی مالک لائبہ تھی۔ وہ بڑے طمطراق سے ان کے بنگلے میں رہتی۔

قاسم کا خیال تھا کہ وقت اور اولاد لائبہ کی زندگی میں تبدیلی لے آئے گی مگر یہ خام خیالی ثابت ہوئی۔ اسے آج بھی ہر طرف ''میں میں اور میں'' ہی دکھائی دیتا۔ کھانے پینے اور لباس میں حساسیت مزید شدت اختیار کر رہی تھی۔ بلکہ بیٹی ڈولی جواب کالج جانے لگی تھی، اسے خود سے زیادہ دلکش لگتی، تو اس کی کیفیت مزید قابل رحم ہو جاتی۔ لائبہ کے فیشل اور مساج مزید بڑھ جاتے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے گزرنے والا وقت مزید طویل ہو جاتا۔

ڈولی نے قد نکالا تو اس کے متناسب سراپے نے بچی کی دلکشی میں اضافہ کر دیا۔ لائبہ کی ورزش کا دورانیہ بھی یکدم طویل ہو گیا۔ آخر ورزش کی زیادتی اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ لائبہ کی غذا میں ملٹی وٹامن بھی شامل ہونے لگے اور دیسی نوسکھے بھی۔ گھر کے دوسرے افراد اس کی ترجیح تو کبھی نہ تھے، مقابلے بازی میں وہ اور بھی دور ہونے لگے۔ قاسم نے والدہ کے ہاں کھانا تناول کرنا معمول بنا لیا۔ بچے بھی دادی ہی کے گھر جا کر خوشی محسوس کرتے۔ دادی، چاچا، چاچی اور ان کے بچے سب ہی بے تکلف اور گرم جوشی سے ملتے، باتیں کرتے، کھاتے پیتے۔ بس کبھی کبھی قاسم اپنی چھوٹی بہو کے احسان تلے خود کو دبا ہوا محسوس کرتے۔ ڈولی اور علی کو دادی کے گھر میں پیار ملتا اور توجہ، مان اور خلوص بھی۔ اپنائیت اور شفقت بھی۔

لائبہ کے معمول میں ہفتے میں ایک مرتبہ ساس کا حال پوچھنے جانا بھی شامل تھا۔ دن اور وقت دونوں مقرر تھے۔ سو سسرال میں سب کو لائبہ کی آمد کی خبر ہوتی۔ بے حد تکلف سے ساس کا حال پوچھا جاتا۔ باتوں باتوں میں دیورانی پر خوب تنقید ہوتی جو ایک فربہ اور گھریلو لڑکی تھی..... لائبہ کو دوسروں کی بات سننے کی عادت ہی نہ تھی۔ محض خود ہی بول بول اور دوسروں کو غذائی چارٹ دے دے کر مرعوب کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جاتی۔ دیورانی نے لائبہ کی خاطر مدارت کرنا ہی چھوڑ دیا کہ وہ سامنے آنے والی ہر شے میں سے کیڑے نکالتی۔ لہٰذا چینی، تیل، مسالوں، گوشت ہر چیز سے مبرا صرف ایک گلاس منرل واٹر یا تازہ پھل کا رس ہی اس کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔

بچے بھی دادی ہی کے گھر جا کر خوشی محسوس کرتے۔ دادی، چاچا، چاچی اور ان کے بچے سب ہی بے تکلف اور گرم جوشی سے ملتے، باتیں کرتے، کھاتے پیتے۔

غرور سے اکڑی گردن اور بے حد سیدھی کمر لیے بیٹھی لائبہ اس کو نوش جان کرنا پورے سسرال پر احسان سمجھتی۔ جانے قاسم، ڈولی اور علی کا دل اس اجڈ اور گنوار گھر میں کیوں لگتا ہے؟ وہ اس سوال کا جواب اپنی بیس سالہ شادی شدہ زندگی میں ہرگز نہ ڈھونڈ پائی۔ دیگر لوگوں نے بھی اسے کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا۔ لوگ اسے وہی کچھ کہتے جو وہ سننا چاہتی تھی۔

اس کا گھر کسی اسٹیج ڈراموں کی طرح کا سجا ہوا تھا۔ چمکتا ہوا جدید نمونے کا باورچی خانہ، قیمتی پردے، فرنیچر، سامان آرائش اور سب سے بڑھ کر انتہائی حسین اور چمکتی دمکتی گھر کی مالکن!

مصروف زندگی میں کبھی کبھی اسے گھر کی خاموشی کھٹکنے لگتی۔ زندگی کا مصنوعی پن محسوس ہونے لگتا۔ مگر لائبہ نے کبھی خود کو اپنے بنائے قوانین توڑنے کی اجازت نہیں دی۔ کسی کھڑکی کو کھولنا، پردے ہٹانا اور باہر کی تازہ ہوا اور

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

روشنی محل میں آنے کی اجازت دینے کا اختیار تو شاید لائبہ کو خود بھی نہ تھا۔

کبھی کبھی اسے اپنے میکے کی یاد بھی آجاتی۔ مگر میکے میں بھاوجیں، ان کے بچے، رشتے دار سب ہی کی آمد متوقع ہونے لگتی۔ اور وہ اپنے گھر اور معمول میں کسی کی مداخلت قبول نہیں کرسکتی تھی۔

لائبہ کو اپنے بچوں سے بے حد محبت تھی۔ ان کے لیے قیمتی سے قیمتی لباس اور کھلونے خریدتی..... دونوں کے کمرے بہت خاص توجہ سے سجائے گئے۔ رنگوں اور سجاوٹوں میں وہ دونوں کمرے اپنی مثال آپ تھے۔ بس عام ماؤں کی طرح وہ ان کے لاڈ اٹھانے، چومنے اور پیار کرنے کی قائل نہ تھی۔ وہ ان دونوں میں وقت قیمتی ہونے کا احساس بچپن ہی سے پیدا کرنا چاہتی تھی۔ دونوں کا ٹائم ٹیبل بہت سختی سے بنا کر ان پر عمل کرایا جاتا۔ لائبہ کے لاڈ کے اپنے انداز تھے۔ مگر ماں کی محبت کو قیمتی چیزوں کے ڈھیر میں سے ڈھونڈ کر محسوس کرنا ڈولی اور علی کو آیا ہی نہیں، سو وہ پیار، محبت، توجہ، اپنائیت اپنے باپ اور دھیال سے ڈھونڈنے پر مجبور ہوگئے۔ صبح سویرے اسکول کالج روانگی کے بعد دوپہر کو دونوں سیدھے اپنی اکیڈمی پہنچتے۔ وہاں سے شام میں دادی کے گھر، رات گئے کھانا کھا کر باپ کے ساتھ اپنے گھر۔ اپنے قیمتی، سجے ہوئے کمرے میں بس رات کو وہ سونے آتے اور صبح سے پھر وہی معمول شروع ہوجاتا۔

اس دن لائبہ اپنے گھر میں سیڑھیوں سے گر گئی۔ اسے ہرگز امید نہ تھی کہ محض دو سیڑھیوں سے پھسلنے پر ٹانگ فریکچر ہوجائے گی۔ صبح کا وقت تھا۔ ملازمہ کاموں میں مصروف تھی۔ لائبہ کی چیخ پر وہ دوڑی آئی۔ اسے اٹھایا اور پھر دیورانی کو فون کیا۔ دیورانی فوراً پہنچیں اور اسپتال لے گئیں۔ قاسم بھی سیدھے اسپتال آگئے۔ لائبہ کو ٹانگ میں شدید تکلیف تھی۔ مگر درد کے ساتھ ساتھ اپنے حلیے کی فکر زیادہ تھی۔ ”قاسم پلیز، گھر سے میرا بالوں والا برش، لپ اسٹک اور پرفیوم لے آئیں اور ایک چھوٹا آئینہ بھی۔ جانے میں کیسی دکھ رہی ہوں؟ ڈاکٹر اور نرسیں کیا سوچتے ہوں گے میرے حلیے کے بارے میں۔“ لائبہ ہنوز اپنے سراپے کی فکر میں تھی۔

”بیگم! ڈاکٹر صاحب تمھاری ٹانگ دیکھیں گے، انھیں تمھاری لپ اسٹک سے بڑی اور تکلیف کا اندازہ نہیں لگانا۔ ایکسرے بھی صرف ٹانگ ہی کا لیا جائے گا شکل کا نہیں۔ اس لیے بے فکر رہو۔“ قاسم سختی سے ڈپٹ کر بولے۔

ٹانگ کا آپریشن کرکے پلاسٹر چڑھا دیا گیا۔ دونوں بچے اور رشتے دار دو تین دن اسے دیکھنے آتے رہے۔ لائبہ آخر کار اپنے گھر آگئی۔ سب افراد خانہ کا اپنا معمول تھا..... اسکول، کالج، دفتر! لائبہ تو پہلے بھی کسی کے لیے کچھ نہ کرتی تھی، سو کسی کو کوئی فرق نہ پڑا۔ البتہ بستر کا پابند ہو کر لائبہ کے لیے وقت گزارنا مشکل ہوگیا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ہر کام کے لیے دوسروں کی محتاج ہوگئی۔

بستر کا پابند ہو کر لائبہ کے لیے وقت گزارنا مشکل ہوگیا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ہر کام کے لیے دوسروں کی محتاج ہوگئی۔

”ڈولی! کبھی تو میرے پاس بیٹھا کرو۔ روز چاچی اور دادی کے ساتھ پوری شام گزار کر آتی ہو۔ ماں کو بھی پوچھ لیا کرو۔“ آج رات جب تینوں حسب معمول کھانا کھا کر گھر آئے، تو لائبہ بے اختیار بول اٹھی۔ بے حد نزاکت سے گال سے گال ملا کر چومتی ڈولی حیران ہوگئی۔

”ماما! کیا کر رہی ہیں آپ؟ روز ہی تو آتی ہوں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

آپ کے پاس اور آپ کی خیریت بھی روز ہی پوچھتی ہوں۔ بھلا اس کے علاوہ اور کیا بات کروں۔'' ڈولی اسپاٹ لہجے میں بولی۔

ماں بیٹی والا رشتہ تو لائبہ نے کبھی بنایا ہی نہ تھا۔ ڈولی تو اس کی حریف تھی، جس سے لاشعوری طور پر اس کا مقابلہ ہی چلتا تھا۔ اپنے حلقۂ احباب میں وہ کبھی کبھی ڈولی کو انتہائی خوبصورت لباس پہنا کر متعارف کرایا کرتی تھی..... مگر صرف اور صرف اپنی تعریف میں اضافے اور ایک اچھی اور باذوق ماں کہلوانے کے لیے۔

''علی! بیٹا آپ ہی کبھی آ کر بیٹھ جایا کرو میرے پاس۔'' لائبہ ڈولی کی حیرت کی تاب نہ لاتے ہوئے بیٹے سے مخاطب ہوئی جو قیمتی کپڑے اور جوگرز پہنے سامنے دھری کاؤچ پر بیٹھا تھا۔ سلام کے بعد اس نے اپنے موبائل پر کوئی گیم لگا لی تھی۔ بھلا وہ ماں سے گپ شپ کا عادی کب تھا؟

''جی ماما..... بیٹھا تو ہوں آپ کے پاس۔'' وہ بے دلی سے بولا۔

لائبہ نے غور سے اپنے جوان ہوتے بیٹے کو دیکھا جس کے جوتوں، کپڑوں اور چیزوں کے لیے وہ بلکان ہوتی پھرتی تھی۔ مگر اس کی جماعت، پڑھائی، دوستوں، مشاغل، سرگرمیوں، دلچسپیوں سے قطعاً لاعلم تھی۔ وہ خود لاتعلق رہی اور اب یہ لاتعلقی ایک دیوار کے مانند اس کے درمیان کھڑی تھی۔

قاسم روزانہ پوری شام اپنی والدہ کے ہاں گزارتے۔ بچے بھی اپنی تمام محرومیاں دھیرے دھیرے پوری کر لیتے۔ توجہ، تعلق، محبت سب کچھ انہیں دادی، چاچی، چاچا اور عزیز و اقارب سے مل جاتا۔

اور یہ قاسم ولا، لائبہ کا گھر، اسٹیج ڈراموں کے مانند دے گا۔

خاموش، محبتوں سے خالی، بس صاف ستھرا، سجا ہوا اور بے حد خوبصورت مالکن سے مزین تھا۔ جہاں چند مکالمے بولے جاتے اور پھر اسکرپٹ ختم۔ اس گھر میں صحت مند طرزِ زندگی تھا..... کھانے پینے کی بے حد صحت مندانہ عادتیں، طریقے، ورزش کے لیے مکمل جم، مشینیں، صفائی، ایک ماہر آرائش سے اس گھر کی تزین و آرائش بھی کرائی گئی..... مگر وہاں محبت اور الفت کی کمی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے، محبت و الفت کی پنیری ایک مزیدار کھانے، اسے بنانے والی ماں اور مل کر کھانے والے افراد کے دسترخوان ہی سے پھوٹتی ہے۔

افراد خانہ کی بات چیت ختم ہو چکی تھی۔ بچے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔ قاسم اپنا شبینہ لباس پہن بستر پر لیٹ گئے۔ دن بھر کی تھکن اور مصروفیت کی وجہ سے جلد ہی نیند کی وادیوں میں جا پہنچے۔ آج وہاں کوئی بحث نہ تھی اور نہ دلائل تھے۔ قاسم اب حقیقت تسلیم کر کے سکون میں تھے۔

لیکن پہلی بار لائبہ کو احساس ہوا کہ اس نے اپنی پوری زندگی محض اس پانچ فٹ دس انچ کے وجود کو دیکھنے، بنانے اور سنوارنے میں لگا دی۔ خوبصورت نظر آنے کی خاطر اس نے اپنے وقت، سرمائے، رشتوں، محبتوں اور بچوں سب کو گنوا دیا جو ستائش اسے بیٹی کی ماں ہونے کے ناتے ملنا چاہیے تھی، وہ ڈولی کے برابر دکھنے میں ڈھونڈتی رہی ۔

تم بادشاہِ وقت تھے، کٹوا دیے تھے ہاتھ
اب قصر گر رہا ہے، تو معمار کیا کرے

آج محل کی خوابیدہ شہزادی کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اسے امید تھی کہ اب آنے والے دنوں میں اس کا پیار بھرا طرزِ عمل شوہر اور بچوں کے رویے بھی ضرور بدل

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

۷ر فروری

کو دہلی میں بڑی چہل پہل تھی کیونکہ آج وہاں مقامی انتخابات ہونے والے تھے۔ صحافیوں کے جائزے بتا رہے تھے کہ سماجی راہنما، اروند کیجر یوال کی عآپ (عام آدمی پارٹی) کو دیگر جماعتوں پر برتری حاصل ہے۔ لیکن جب ۱۰ر فروری کو نتائج کا اعلان ہوا، تو پتا چلا کہ ''کیجر یوال لہر'' نے

بھارتی سیاست کا نیا موڑ

مسلمانانِ دہلی نے عآپ کو فتح دلا دی

دارالحکومت میں مقیم بیشتر مسلمانوں کے ووٹ اروند کیجر یوال کی جھولی میں گرے

نشان احمد

''مودی لہر'' کا صفایا کر ڈالا۔ خاص بات یہ کہ اس سابق سرکاری افسر کی قائم کردہ پارٹی کی جیت میں دہلی کے مسلمانوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

یاد رہے کہ دہلی وفاقی علاقہ (یونین ٹیریٹری) ہے۔ آئینی طور پر اس علاقے میں وفاقی حکومت حکمران ہے۔ لیکن ۱۹۹۲ء میں وہاں مقامی حکومت بنا کر شہر کا نظم و نسق اس کے حوالے کر دیا گیا۔ اب صرف سیکیورٹی کے معاملات وفاقی حکومت کے پاس ہیں۔ مقامی حکومت

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

انتخابات کے ذریعے منتخب ہو کر آنے والے عوامی نمائندے چلاتے ہیں۔

دہلی وفاقی علاقے کی موجودہ آبادی تقریباً پونے دو کروڑ ہے۔ اس آبادی میں سے ۱۲ فیصد مسلمان ہیں جن کی تعداد بیس لاکھ سے زیادہ بنتی ہے۔ یہ مسلمان پوری دہلی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تاہم پرانی دہلی کے چھے حلقوں۔ مٹیا محل، بلی ماراں، چاندنی چوک، اوکھلا، سیلم پور اور مصطفیٰ آباد میں مسلمانوں کی آبادی ۳۰ فیصد سے زائد ہے اور ان حلقوں میں مسلم ووٹ فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے۔

دہلی کے مسلمان طویل عرصہ کانگریس کو ووٹ دیتے رہے۔ سیکولر پارٹی ہونے کے ناتے بھارت کے سبھی مسلمانوں کو یقین تھا کہ کانگریس ان کے مفادات کا تحفظ کرے گی۔ تاہم کانگریس حالیہ انتخابات میں بی جے پی کا مقابلہ نہیں کر پائی کیونکہ کرپشن اسکینڈلوں نے اسے بہت نامقبول بنا دیا تھا۔

عآپ نے ۲۰۱۳ء میں پہلی بار دہلی کے انتخابات میں حصہ لیا۔ مسلمانوں کی اکثریت اسے غیر اہم سیاسی پارٹی سمجھتی تھی۔ اس لیے بیشتر ووٹ کانگریس کی جھولی میں گیا۔ درحقیقت دہلی میں کانگریس نے ۷۰ نشستوں میں سے صرف ۸ جیتیں اور ان میں سے آدھے کامیاب امیدوار مسلمان تھے۔

لیکن ۲۰۱۵ء میں صورت حال یکسر تبدیل ہوگئی۔ اب بھارت میں اروند کیجریوال انتہا پسند ہندوؤں کے خلاف مورچہ بند ہو چکے۔ وہ نریندر مودی اور ان کے گولے کی مسلم دشمن کارروائیوں کو سرعام للکارتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانانِ دہلی کو یقین ہو گیا کہ عآپ ہی انھیں انتہا پسند ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے بچا سکتی ہے۔

مزید برآں کیجریوال نے بھی مسلم حلقوں میں بھرپور مہم چلائی اور انھیں اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اس طرح اروند کیجریوال کے روپ میں مسلمانوں کو ایک قابل اعتماد دوست بلکہ مسیحا مل گیا۔ اسی باعث دہلی کے حالیہ انتخابات میں "۷۷ فیصد" مسلمانوں نے عآپ ہی کو ووٹ دیا۔

ماہرین سیاسیات کی رو سے مسلمانانِ دہلی نے کبھی اتنی بڑی تعداد میں کسی سیاسی پارٹی کو ووٹ نہیں دیے۔ یوں انھوں نے وفاقی علاقے کی انتخابی تاریخ میں نئی مثال قائم کر دی۔ مزید برآں مسلمانوں کے بھرپور ووٹ ملنے کی وجہ ہی سے عآپ نے ان ۱۰ میں سے ۹ حلقوں میں زبردست کامیابی حاصل کی جہاں مسلم ووٹ اہمیت رکھتا ہے۔ اس جیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۷۰ رکنی اسمبلی میں عآپ کو فیصلہ کن برتری حاصل ہوگئی۔

عآپ نے مقامی راہنماؤں سے گفت وشنید کے بعد مسلم اکثریتی علاقوں میں پانچ مسلمان امیدوار کھڑے کیے۔ چاندنی چوک سے شہر کے مشہور سماجی کارکن، الکا لانبہ کو ٹکٹ دیا گیا۔ جبکہ بقیہ علاقوں میں مسلمانوں کے نمائندوں ہی کو ٹکٹ ملے۔

دہلی کے مشہور علاقے، اوکھلا سے امانت اللہ خان کو ٹکٹ ملا۔ انھوں نے ایک لاکھ سے زائد ووٹ لے کر علاقے میں نیا ریکارڈ قائم کر ڈالا۔ بی جے پی کا امیدوار، براہم سنگھ صرف ۴۰ ہزار ووٹ لے سکا۔ مٹیا محل میں عاصم احمد خان (۴۷ ہزار ووٹ)، بلی ماراں میں عمران حسین (۵۷ ہزار ووٹ) اور سیلم پور میں حاجی بھولے (۵۷ ہزار ووٹ) نے بھی معاصرین کو بری طرح ہرایا۔

مصطفیٰ آباد میں عآپ نے سماجی راہنما، حسن احمد کو ٹکٹ دیا تھا۔ کانگریس کی طرف سے محمد یونس کھڑے ہوئے۔ علاقے میں دونوں راہنما برابر کی شہرت رکھتے ہیں، اس لیے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

مسلم ووٹ ان میں تقسیم ہوگیا۔ حسن احمد نے ۵۲،۳۵۷ ہزار جبکہ محمد یونس نے ۴۹،۷۹۱ ہزار ووٹ لیے۔ دوسری طرف بی جے پی کے امیدوار، جگدیش پردھان ۵۸،۳۸۸ ہزار ووٹ لے کر جیت گیا۔ یوں اس حلقے میں جمہوریت کی بوالعجبی کے باعث عآپ فتح سے ہمکنار نہ ہوسکی۔

انتخابات ۲۰۱۳ء میں عآپ نے ۲۸ نشستیں جیتی تھیں اور اسے ۲۹٫۵ فیصد ووٹ پڑے۔ انتخابات ۲۰۱۵ء میں عآپ نے ۶۷ نشستیں جیت لیں اور ووٹ ڈالنے والوں میں صرف دو برس کے دوران پارٹی کی مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا۔ بی جے پی بلند بانگ دعووں کے باوجود صرف ۳ نشستیں جیت پائی۔ پچھلے انتخابات میں اس نے ۳۱ نشستیں جیتی تھیں۔ بچاری کانگریس ایک بھی نشست نہ جیت سکی۔ ووٹروں کی کل تعداد ایک کروڑ تینتیس لاکھ تھی۔ ان میں سے ۶۷ فیصد نے ووٹ دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عآپ مسلمانان دہلی کی امیدوں پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ یہ تو حقیقت ہے کہ ہندو اور سکھ باشندوں کی نسبت بیس لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کے مسائل زیادہ ہیں۔ ان کے بیشتر علاقے بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ جہاں اسکولوں، کالجوں اور اسپتالوں کی تعداد کم ہے۔ نوجوانوں کی اکثریت بیروزگار ہے۔ پھر انھیں ہندو تعصب کا بھی سامنا ہے۔ غرض دہلی ہی نہیں بھارت میں مقیم مسلمانوں کی اکثریت گوناں گوں مسائل میں الجھی ہوئی ہے۔

عآپ کی کامیابی نے یہ دیوانا بھی نیست و نابود کر ڈالی کہ نریندر مودی ناقابل شکست ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ دہلی انتخابات میں زبردست ناکامی کے بعد بھی مودی حکومت ہندو انتہا پسندی کے اپنے ایجنڈے کو بڑھاوا دینا جاری رکھے گی؟ عآپ کی جیت نے بہرحال دنیا والوں کو پیغام دیا ہے کہ بھارت میں بیشتر باشندے سیکولر طرز حکومت ہی پسند کرتے ہیں۔ اگر بھارت کو ہندو ریاست بنانے کی سعی ہوئی، تو مسلمان، سکھ اور عیسائی ہندو انتہا پسندوں کا بھرپور مقابلہ کریں گے۔

دوسری طرف انتہا پسند ہندو مسلسل اقلیتوں پر حملے کر رہے ہیں۔ اواخر فروری میں آر ایس ایس کے چیف، موہن بھگوت نے یہ بیان دے کر بھارت میں سنسنی پھیلا دی: "مدر ٹریسا غریبوں کی خدمت اس لیے کرتی تھی کہ انھیں عیسائی بنا سکے۔" اس بیان پر سماجی راہنماؤں، سیاست دانوں اور عام لوگوں نے آر ایس ایس کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔

◆◆◆

غزل

وقت گزارنا سیکھ لیا ہے
دل نے ہارنا سیکھ لیا ہے
اس سے جان چھڑانی ہے
جان کو وارنا سیکھ لیا ہے
یاروں نے احسان کیے ہیں
قرض اُتارنا سیکھ لیا ہے
پھول ہوئے ہیں اتنے مہنگے
خار سنوارنا سیکھ لیا ہے
ہجر گوارا کون کرے گا
من کو مارنا سیکھ لیا ہے
ارشد اس کے جلووں سے
شوق ابھارنا سیکھ لیا ہے
شعر کی آڑ میں ارشد اس کو
یار پکارنا سیکھ لیا ہے

(الحاج رشید ارشد، وہاڑی)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

معاشرتی افسانہ

موت کا سندیسہ بن بیٹھا

لال جوڑا

ایک معصوم فاختہ کی دلگداز کہانی،
جو اپنے انجان پن میں شاطر و مکار باز
کے خونی پنجوں میں جا پھنسی تھی

ناگمہ بشیر از حیدرآباد

صحن میں ایک طرف کونے میں بنے چولھے پر آگ جلاتی عورت نے اپنی پاٹ دار آواز سے کسی کو پکارا ''کلو... اری کلو، اٹھ جا اب۔ اٹھ کے صحن میں جھاڑو دے۔ ورنہ بوتی پھرے گی کہ دھوپ آگئی، میں نہیں دیتی جھاڑو۔''

مگر صحن میں ٹوٹی چارپائی پہ لیٹی کلو پہ اس آواز کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عورت نے دوسری بار اور اونچی آواز دی تو قریب بیٹھے بوڑھے مرد نے اپنی میلی دھوتی کا پلو سنبھالتے عورت کی طرف ناگواری سے دیکھا اور بولا:

''بس کر فاطمہ، اب بس بھی کرو۔ سونے دے اسے۔ رات بھی تو نے اس کو رلا رلا کے سلایا ہے۔''

''کیا بکتے ہو، میں نے رلایا ہے؟'' فاطمہ مرد پر قہر برساتی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی ''اور تو کچھ زیادہ نہ بول، چل اٹھ آگ جلا، میں آٹا گوندھ لوں۔ ٹائم چڑھتا جارہا ہے۔ گھر میں آٹا بھی ختم ہونے کو ہے۔ شمو نے کام سے جان چھوڑے گی تو جاؤں گی ملکوں کی طرف، ان کی گندم بنائی ہے، آٹا پسوانا ہے۔ جاتی ہوں تو پھر روٹی ٹکر کچھ مل جاتا ہے۔ تم دونوں باپ بیٹی بیٹھے دن میں خواب دیکھا کرو بس! ارے ہاتھ پلا ہلاؤ گے، تو کچھ نصیب میں لے گا نا' یوں منہ میں کوئی نہیں ڈالنے والا۔''

''اب چپ بھی کر جا فاطمہ بیگم کی زبان تو جب چل پڑے پھر رکنے کا نام تھوڑی لیتی ہے۔'' بوڑھا پھونکنی سے چولھے میں پھونک مارتے ہوئے بولا ''تو جلد روٹی پکا،

www.bookstube.net
www.urdumovies.net
www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

میں بھی ملکوں کے ڈھور ڈنگر چرانے جاؤں، دھوپ دوڑی آرہی ہے۔"

"اور اس کالے منہ والی کو کون اٹھائے گا؟ تو بھی سن لے مراد بخش، میں اتنی فارغ نہیں بیٹھی کہ اس کے ناز نخرے برداشت کروں، مجھے پتا ہے، اب یہ روٹی کھائے گی اور نہ پانی پیے گی۔ ہائے اوئے ربا، ایک ہی بیٹی دینی تھی، تو اچھی سی دیتا، اس کا نہ رنگ نہ روپ، چڑیل پیدا ہو گئی میرے گھر میں۔ اور نخرے اتنے ہیں لگتا ہے کسی بڑے اسکول کی "میڈم" ہے۔ شکل سوہنی ہوتی تو کوئی لے جاتا، اب ساری عمر میرے ویہڑے بیٹھی مجھے ستائے گی۔" فاطمہ ماتھا پیٹتی ہوئی بولی۔

مراد بخش نے تڑپ کے فاطمہ کی طرف دیکھا اور کہا "بس اب چپ ہو جا، نہیں تو اسی پھونکنی سے سر پھاڑ دوں گا تیرا! خبردار میری دھی کو کچھ کہا۔" بیوی کو جھاڑتے ہوئے بولا۔ پھر کلو کو اٹھانے اس کی طرف چل دیا۔

کلو منہ کھولے سوئی ہوئی تھی۔ نیند میں بھی مسکراہٹ اس کے کالے کلوٹے چہرے پر طاری تھی۔ جسم پر پھٹا پرانا جوڑا تھا۔ مراد بخش نے بڑی بے بسی سے کلو کی طرف دیکھا، اس کا دل اندر سے کٹ کے رہ گیا۔ سوچنے لگا، میری شہزادی دھی، تیری ضد بھی تو شہزادیوں جیسی ہے۔ پگلی! تو جانتی بھی ہے تیرا بابا ملکوں کے ڈھور ڈنگر چرانے والا غریب آدمی ہے۔ وہ تیرا پیٹ تو صحیح طرح بھر نہیں سکتا۔ اری میری جندرانی، تو خواب بھی کتنے "اُچے اُچے" دیکھتی ہے۔

"جھلی نہ ہو تو! سارا دن تیرا بابا اور تیری ماں ملکوں کے گھروں میں گدھوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ جب ہر فصل پر کچھ اناج ملے، تو گھر گزارا ہوتا ہے۔ میں بھلا کیسے تیرے خواب پورے کر سکتا ہوں؟" میلے دامن سے مراد بخش نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا۔

وہ نرمی سے بیٹی کے بالوں میں آہستہ آہستہ اپنی پتلی پتلی بوڑھی انگلیاں پھیرنے لگا۔ "اے میری لاڈو میری رانی دھی، اٹھ پتر، نہ کھپایا کر ماں کو، اٹھ پتر! اگر تو نے آج روٹی نہ کھائی، تو تیرا بابا بھی بھوکا رہے گا۔ ہاں بس کہہ دیا میں نے۔"

لیکن کلو ٹس سے مس نہ ہوئی۔ "اٹھ پتر نہیں تو میں بھی تجھے وہی کہوں گا جو سارے پنڈ والے کہتے ہیں۔ اور جو وہ تجھے کہتے ہیں نا، ہوں رب دی، تیرے بابا کا سینہ چیر کے رکھ دیتے ہیں۔ اٹھ میری ....." بابا زور سے ہنسا۔

کلو یک دم چارپائی سے اٹھ بیٹھی اور بولی "بابا تم بھی سب کی طرح مجھے ہو گے ....." وہ بُری طرح ناراض ہو کر اپنا سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھ گئی۔

"تو پھر تُو نہ ستایا کر اپنے بابا کو چل اٹھ ہاتھ منہ دھو، روٹی لا، ہم دونوں مل کے کھاتے ہیں۔ آج ملکانی نے جو لسی دی اس میں مکھن کا پیڑا بھی ڈالا ہے اتنا بڑا!" بابا نے ہاتھ سے سائز بنایا، کلو ماں کو کن انکھیوں سے دیکھتی بابا سے لپٹ گئی۔ وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے لاڈ سے بولی۔ "بابا! میرا لال جوڑا کب لائے گا؟"

"چپ پگلی، ہولے بول، تیری ماں نے سن لیا، تو پھر شروع ہو جائے گی۔ مشکل سے چپ ہوئی ہے۔ ہاں

> تیری ضد بھی تو شہزادیوں جیسی ہے۔ پگلی! تو جانتی بھی ہے تیرا بابا ملکوں کے ڈھور ڈنگر چرانے والا غریب آدمی ہے۔ وہ تیرا پیٹ تو صحیح طرح بھر نہیں سکتا۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سن تیرے تایا سے پورے تین سو روپے مانگ کر لایا ہوں۔ کل شہر جاؤں گا تیرا جوڑا لینے، اس عید پر تو لال جوڑا ہی پہنے گی۔ چل اب تو اٹھ جا۔''

دور بیٹھی فاطمہ دونوں باپ بیٹی کو گھور رہی تھی۔ پھر روٹیاں پٹخ پٹخ کے چنگیر میں رکھنے لگی۔ مراد بخش نلکے کی طرف جاتی کلو کو کچھ دیر تک گہری نظر سے دیکھتا رہا۔ پھر ایک ٹھنڈی آہ بھر اپنے آنسو چھپاتا روٹی لینے چولھے کی طرف چل دیا۔

☆☆

فاطمہ اور مراد بخش کے ہاں پندرہ سال بعد بڑی منتوں مرادوں سے ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ بہت زیادہ کالی رنگت والی بچی کو دیکھ کے میاں بیوی کچھ دیر پریشان تو ہوئے مگر پھر اپنے رب کے شکر گزار ہو گئے۔ وہ کون ہوتے تھے خدائی بنائی مخلوق میں کیڑے نکالنے والے؟ لیکن سیاہ رنگ اور دو لمبے باہر کو نکلے دانتوں کے ساتھ جب بچی باہر نکلنے کا ارادہ کرتی تو ماں باپ دل مسوس کے رہ جاتے۔ وہ پکڑ کے واپس گھر لے آتے کیونکہ وہ جانتے تھے، بیٹی باہر نکلی، تو گاؤں کا کوئی بچہ اس کے ساتھ کھیلنا پسند نہیں کرے گا۔

جب بڑی ہوئی تو اسے روکنا ممکن نہیں رہا، وہ جب روتی دھوتی گھر آتی تو ماں باپ کا کلیجا کٹ کے رہ جاتا۔ کوئی اسے چڑیل کہتا اور کوئی کلو! اس کا اصل نام تو کہیں دور رہ گیا۔ اب وہ گاؤں میں کلو کے نام سے جانی پہچانی جاتی۔ زندگی کی پندرہ بہاریں دیکھ چکی تھی، مگر پورے گاؤں میں کوئی اس کی سہیلی نہ بنی۔ وہ حسرت سے سب کو دیکھتی۔ سب لڑکیاں آپس میں کھیلتی، مگر کلو کو نظر انداز کر دیتیں۔

گاؤں میں لڑکوں کی آپس میں کبھی لڑائی ہوتی تو وہ ایک دوسرے کو بد دعا دیتے۔ ''اللہ کرے کلو تیری گھر والی بنے۔'' اور جس کو بد دعا دی جاتی، وہ دینے والے پر غصہ کرتا اور بولتا: ''ہاں ہاں تاکہ سارے اس بھوتنی چڑیل کو دیکھ کے ڈر کے مارے بھاگ جائیں۔ میرے گھر میں سدا اندھیرے ہی رہیں۔ میرے آنگن میں تو ریشماں آئے گی روشنیاں بکھیرنے!'' وہ پھر ایک دوسرے کی کمروں پر دھپ لگاتے بھاگ جاتے۔

کلو کے کانوں میں کبھی کبھار یہ آوازیں پڑتیں، تو وہ کھڑی کی کھڑی رہ جاتی۔ پھر روتی ہوئی گھر آتی اور چپ چاپ بستر پر لیٹ جاتی۔ ماں اور باپ دونوں جانتے تھے اب کلو کیا سوچ رہی ہے۔ ''بابا! سارے کیوں نفرت کرتے ہیں مجھ سے؟'' وہ اکثر پوچھتی۔

اماں ٹھنڈی سانس بھرتی، کلو سے آنکھیں چراتی اپنے کاموں میں لگ جاتی۔ البتہ بابا اسے اپنے سینے سے لگاتا اور کہتا ''تو چھوڑ ان سب کو، ادھر آ، میں تجھے کہانی سناؤں، میں ہوں نہ تیرا بیلی۔ بول کہانی سنے گی کہ کھیلے گی میرے ساتھ؟'' اور وہ چارپائی پر لیٹ جاتی جہاں بابا اسے کہانی سناتا۔ وہ خیالوں میں پریوں کے دیس گھومنے لگتی۔ وہاں ایک لال پری ہوتی جو بہت رحم دل تھی۔ کلو کو لگتا، لال پری ضرور میری سہیلی بنے گی۔

بابا کو جہاں اور بہت سے غم تھے، ایک یہ بھی تھا کہ کلو کے ساتھ کی ساری لڑکیاں بیاہی جا چکی۔ مگر مراد بخش کے گھر آج تک کلو کا ہاتھ مانگنے کوئی نہ آیا۔ اس نے اپنے کئی دوستوں کو کہہ رکھا تھا کہ کلو کا خیال رکھنا، مگر کہیں سے حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ مراد بخش بیوی سے کہتا ''کیا ہوگا کلو کا؟ سب سے بات کر لی۔ ہر طرف مایوسی ہے۔ اب تو

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہم ہیں، کل کو نہ رہے، تو کیا بنے گا ہماری کلو کا؟'' دونوں کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔

ابھی کچھ روز پہلے کلو ملکوں کے گھر گئی۔ ان کے بیٹے کی شادی تھی۔ ماں سے کام سنبھالا نہ جاتا تھا۔ دلہن کو دیکھ کے کلو کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے لگا، بابا کی کہانی والی لال پری زمین پر اتر آئی ہے۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھتی رہی۔ دلہن کے جوڑے سے نگاہیں نہ ہٹیں، جھلمل کرتے جوڑے کو پاگلوں کی طرح تکتی رہی۔ ''کیوں ری، کیا دیکھ رہی ہے چھوٹی ملکانی میں؟'' ماسی پھاتاں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''ماسی! کتنی سوہنی ہے نکلے ملک کی ووہٹی، ہے نا!''

''آہو، ہے تو، پر تو کھڑی یہاں کیا کر رہی ہے چل جا کام کرا اپنی ماں کے ساتھ۔'' ماسی پھاتاں نے کلو کو وہاں سے بھگا دیا۔

بس اسی دن سے لال جوڑا اس کی نگاہوں میں سما گیا۔ وہ خیالوں میں لال جوڑا پہنے گھومتی، اترائی پھرتی۔ تصور میں اس کے ہاتھوں پر مہندی بھی سج جاتی۔ انہی خیالوں میں وہ ڈولی میں بیٹھ بابا کے آنگن سے کسی دوسرے آنگن میں پہنچ جاتی پھر یہاں آ کر اس کے خیالوں کو جھٹکا سا لگ جاتا۔ دلہن کی ڈولی تو دولھے کے ساتھ سجتی ہے۔ مگر اس نے سنا تھا، ایک دن بابا اماں سے کہہ رہا تھا کہ ممدو نے بھی انکار کر دیا۔ نجانے کلو کا یاد کب ہوگا۔

آخر کلو نے سوچ لیا، اس آنگن میں کوئی برات اترے گی نہ اس کی ڈولی اٹھے گی۔ لہٰذا گولی مارو براتیوں کو اور دفع دور برات لانے والا۔ میں تو لال جوڑا پہنوں گی اور ضرور پہنوں گی۔ آخر وہ اپنے بابا کی لاڈلی تھی تو ضدی کیوں نہ ہوتی۔ اب وہ خیالوں میں لال جوڑا پہنے اترائی پھرتی۔ تبھی ماں سے ضد کر بیٹھی کہ اب کی عید پہ میں لال جوڑا پہنوں گی، گوٹے اور ستاروں والا۔ ماں نے لاکھ سمجھایا ''عید کا جوڑا بی بی نے تجھے دے دیا ہے، بڑا سوہنا ہے۔ میرے پاس کوئی روپوں کے ڈھیر پڑے ہیں جو تیری فضول فرمائشیں پوری کروں۔ کل جا کے بانو کی مشین سے تیرے ناپ کا کروا دوں گی۔''

''لیکن میں بی بی ملکانی کا پرانا جوڑا ہرگز نہیں پہنوں گی۔'' کلو اکڑ گئی۔

واہ بھئی واہ، دھی تو مزدوروں کی اور نخرے امیروں کے!''

مگر کلو نے نہ ماننا تھا نہ مانی۔ وہ ماں سے ناراض ہو کے کھانا پینا چھوڑ بیٹھی۔ اب بابا کے وعدے پر دونوں کھانا کھا رہے تھے۔

اگلے دن مراد بخش کلو کا لال جوڑا لینے شہر چلا گیا۔ قرض کے تین سو روپے اس نے جیب میں ڈالے ہوئے تھے۔ سارا دن مارا مارا پھرتا رہا، مگر تین سو کا کوئی جوڑا بازار سے نہ ملا۔

وہ دکاندار سے کہتا ''کوئی تین سو تک کا جوڑا دکھا، میرے پاس اس سے زیادہ رقم نہیں۔''

دکان دار ہنس کے کہتے ''بزرگو! کون سے زمانے کی بات کرتے ہو۔ وہ دن گئے جب اتنے روپوں میں تن ڈھانپا جاتا تھا۔ سب سے کم قیمت جوڑا پانچ سو روپے کا ہے۔''

مراد بخش مایوس ہو گیا۔ اسے رہ رہ کر کلو کا خیال آ رہا تھا۔ بھلی کتنی خوش ہوگی۔ گلی سے باہر آ کر اس نے کئی بار سڑک پر اپنے بابا کو دیکھا ہوگا۔

ایک دم مراد بخش کو خیال آیا، جب وہ لاری سے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اترا، تو اڈے کے ساتھ چوک پہ بہت سارے لوگ بیٹھے تھے۔ پتا چلا، دور دراز سے مزدوری کرنے شہر آتے ہیں۔ مراد بخش نے سوچا کہ وہ دو تین دن شہر رک کر مزدوری کر لے۔ پیسے جمع ہوئے' تو گھر لال جوڑا لے کر ہی جائے گا۔ رات اس نے ایک سرائے میں گزاری۔ صبح مزدوروں کے ساتھ چوک میں بیٹھ گیا۔ لوگ آتے اور اپنی مرضی کے مزدور چنتے گئے۔ وہ مزدور جوان، طاقت ور اور مضبوط جسامت کے مالک تھے۔ ہر طرح کی مزدوری کر سکتے اور بوجھ اٹھا سکتے تھے۔ بوڑھے مراد بخش کی طرف کسی نے نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ وہ لگاتار تین دن اسی جگہ آتا رہا' مگر آخرکار مایوس ہو کر گھر روانہ ہو گیا۔

وہ جوڑا تو کیا لاتا، کھانے پینے اور سرائے کے کرائے میں سو روپے خرچ کر آیا۔ کلو صحن ہی میں بیٹھی تھی۔ بابا کو دیکھ کے دوڑی' مگر بابا کا مایوس چہرہ اور خالی ہاتھ دیکھ کے اس کے چہرے پر پژمردگی چھا گئی۔ ''بابا! کیا شہر والوں کو بھی پتا تھا کہ تیری بیٹی چڑیل ہے، کالی بھوتنی ہے جس پہ رب کا بنایا کوئی رنگ بھی نہیں سجتا۔ تبھی انھوں نے تجھے خالی ہاتھ واپس بھیج دیا۔ ہے نا بابا؟'' اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ بابا کے پاس کسی بات کا جواب نہ تھا۔

☆☆

کسان کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے۔ سرسبز و شاداب کھیتوں کی ایک پگڈنڈی پہ کلو اداس بیٹھی تھی۔ بڑے ملک کا نوکر ملکوں کے کتے ٹہلاتا پھر رہا تھا۔ کلو جانتی تھی، ملکوں کے گھر میں کتوں کی کتنی سیوا ہوتی ہے۔ وہ ملکوں کے وفادار کتے تھے، آخر سیوا کیوں نہ ہوتی؟ وہ سوچتی ''لیکن وفادار تو ہم بھی ہیں، ملکوں کے! میرا بابا، دادا اور پھر ان کے باپ دادا لیکن ہماری اور کتوں کی وفاداری میں جب کوئی فرق نہیں، تو ہمارے کھانے پینے میں کیوں فرق کرتے ہیں یہ ملک اور وڈیرے!''

لیکن اس سوال کا کلو کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ کیونکہ جب کلو ملکوں کے گھر جاتی، تو کتوں کے لیے تازہ تازہ روٹیاں اور گوشت بن رہا ہوتا۔ اور سارا دن اپنی صحت اور تھکاوٹ کی پروا کیے بغیر کام کرنے والے ملازموں کو ہمیشہ باسی اور بچا کھچا کھانا ہی ملتا۔'' شاید کتے ملکوں پر اپنی مرضی سے جب چاہے بھونک سکتے ہیں اور ہم غریب ایسا نہیں کر پاتے۔ تبھی بڑے لوگ ان سے ڈرتے ہیں۔'' یہ سوچ کے آنسو اس کے گالوں پر پھیل گئے۔ دن کافی چڑھ آیا تھا۔ کسان اپنے اپنے ڈیروں کی طرف روانہ ہونے لگے۔ گھر والیاں ان کے لیے ناشتا بنا کے لا چکی تھیں۔ کلو بھی اٹھی اور گھر جانے کی تیاری کرنے لگی۔

کتوں کے لیے تازہ تازہ روٹیاں اور گوشت بن رہا ہوتا۔ اور سارا دن اپنی صحت اور تھکاوٹ کی پروا کیے بغیر کام کرنے والے ملازموں کو ہمیشہ باسی اور بچا کھچا کھانا ہی ملتا۔

اچانک اس نے پیر سائیں کے مزار پر جاتی چند عورتوں کو دیکھا۔ کھیتوں کے ایک طرف مزار تھا۔ دور دور سے لوگ وہاں منتیں مانگنے آتے اور نذرانے چڑھاتے۔ کلو کے ذہن میں ایک دم چھناکا ہوا اور اس کے قدم مزار کی طرف بڑھنے لگے۔ مزار ایک کچے کمرے کے درمیان بنا ہوا تھا۔ مزار پر جگہ جگہ دیے جلنے کے سیاہ نشان تھے۔ وہاں آنے والی عورتیں تھوڑی دیر بعد واپس چلی گئیں۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اب کلو اکیلی کھڑی تھی۔ وہ ہاتھ اٹھا کے دعا مانگنے لگی
''پیر سائیں! رب کے واسطے، سوہنے رسولؐ کے واسطے، مجھے ایک لال جوڑا دلوا دو۔ میری اور کوئی نہیں سنتا، تو اس کا نیک بندہ ہے میری فریاد سن لے۔ مجھے اس عید پہ لال جوڑا چاہیے۔'' وہ روتے ہوئے ضد کر رہی تھی۔

اسے مولوی صاحب کا درس بھی بھول گیا جو کہتے تھے، جو مانگو اپنے سوہنے رب سے مانگو۔ قبروں میں لیٹے تمہاری دعا کیا سنیں گے۔ یہ گناہ ہے۔ رب کے علاوہ کسی اور سے مت مانگو۔ مگر کلو کو کچھ یاد نہ رہا۔ دعا مانگتے مانگتے اچانک اس کی نظر مزار پر پڑی جس کے اوپر لال رنگ کی خوب صورت گوٹے اور ستاروں والی چادر پڑی تھی۔ چادر نے پورے مزار کو ڈھانپ رکھا تھا۔

کلو کی نگاہ اس چادر سے ہٹ نہ سکی۔ وہ چادر پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ خاصی دیر وہ اسے دیکھتی اور سوچتی رہی۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا۔ وہ ہولے سے بولی ''سائیں سرکار تیرے پاس کس چیز کی کمی ہے؟ ایک چھوڑ ڈھیر ہے تیرے پاس چادروں کا! یہ چادر میں چند گھنٹوں کے لیے لے جا رہی ہوں۔ شام تک کے لیے اُدھار دے دو۔''

کلو نے پھر باہر کی طرف جھانک کے دیکھا، ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ مزار کا رکھوالا کچی کوٹھڑی میں بھنگ پی کے سویا ہوا تھا۔ کلو نے آہستہ آہستہ چادر اُتاری۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

''معاف کر دینا پیر سائیں، بس چند گھنٹوں کے لیے ادھار دے دو، واپس کر دوں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے باہر دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتے گھر کو چل پڑی۔ بابا روزانہ کی طرح جانور چرانے لے جا چکا تھا۔ ماں ملکوں کے گھر تھی۔ بھاگ کر وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اندر سے کنڈی لگائی۔ چہرے پر آیا پسینا صاف کیا۔ اپنی چادر اُتار کے ایک طرف رکھی اور لال چادر اردگرد لپیٹنے لگی۔ وہ کبھی اپنے سر پہ رکھتی، کبھی بدن کے اردگرد لپیٹتی، کبھی اس سے گھونگٹ نکالتی۔

''پتا نہیں میں کیسی لگ رہی ہوں۔ میرے گھر تو کوئی آئینہ بھی نہیں منہ دیکھنے کو!'' کلو نے مایوسی سے سوچا۔ ''ہاں تسلے میں پانی ڈال کے اس میں دیکھتی ہوں۔'' وہ چادر کو ہاتھ پھیر پھیر کے دیکھ رہی تھی۔

''کلو اے کلو!'' اچانک اسے باہر سے حیدر کی آواز آئی۔

وہ ڈر گئی۔ پھر بولی ''کیا ہے؟''

''کدھر ہو؟'' بارہ سالہ حیدر کلو کی آواز کے تعاقب میں دروازے تک آ چکا تھا۔ ''دروازہ کھول، کام ہے مجھے۔'' حیدر زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔

کلو نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔ حیدر اندر آیا، تو اس کی نظر سرخ چادر پر پڑی۔ وہ حیرانی سے پوچھنے لگا
''ارے یہ کیا ہے کلو؟''

''کیا تجھے نظر نہیں آتا؟ لال جوڑا ہے میرا! جوڑا نہیں ساڑھی ہے۔ وہ جو ملکوں کے ٹی وی پر فلموں والی پہنتی ہیں۔''

''واہ کتنی پیاری ہے تیری ساڑھی۔ کہاں سے آئی؟ تیرے پاس اتنے روپے کہاں سے آئے؟ بول کلو تو نے چھوٹی ملکانی کے گھر سے چوری کی ہے نا؟''

''چل بھاگ کمینہ نہ ہو تو، میں کوئی چور ہوں! ارے پگلے اُدھار لائی ہوں۔ شام کو دے آؤں گی۔'' اور پھر کلو نے حیدر کو ساری بات بتا دی۔ کیوں نہ بتاتی، حیدر نہ صرف اس کا ہمسایہ بلکہ ننھا سا بیلی بھی تھا۔ جب سارے گاؤں والے کلو کا مذاق اڑاتے اور وہ روتی ہوئی اپنے گھر بھاگ جاتی، تو ایسے میں حیدر کو اس پر بہت ترس آتا۔ یوں وہ اس

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

کا دوست بن گیا۔ وہ کوشش کرتا کہ کلو کبھی اداس نہ ہو، وہ سوچتا کہ کلو کون سی خود ایسی بنی ہے، اللہ نے سب کو بنایا ہے۔ گندے پاگل لوگ اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

کلو کی بات سن کر حیدر پریشان ہوا۔ بولا "کلو تو نے سائیں پیر کی قبر سے چادر اتار لی۔ ہائے اللہ! اب دیکھنا اپنے گاؤں میں کیسا عذاب آتا ہے۔" حیدر دوڑتا ہوا نکلا اور اپنی ماں کو عذاب کی خبر دینے گھر کی طرف دوڑا۔ کلو اس کے پیچھے بھاگی "او حیدر، سن، پیر سائیں نے کون سا دیکھا ہے۔ تجھے معلوم ہے نہ، مولوی صاحب بتاتے ہیں کہ ان پیروں کو کچھ پتا نہیں ہوتا' صرف اللہ ہر بات جانتا ہے۔" مگر حیدر جا چکا تھا۔

"چل دفع دور۔" کلو بڑبڑاتی واپس آگئی اور دوبارہ چادر اپنے سر پہ اوڑھ لی۔

تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ پیٹنے کی آواز آنے لگی: دھڑ دھڑ دھڑ..... ساتھ ہی حیدر کی ماں کی تیز آواز کانوں تک پہنچی۔ کلو ڈر گئی۔ وہ دروازے کی طرف گئی، کچھ اور آوازیں بھی اس کے کانوں تک آرہی تھیں۔ دروازہ کھلتے ہی سب عورتیں اندر آگئیں۔ وہ کلو کو برا بھلا کہنے لگیں اور ہاتھ اٹھا اٹھا کے بددعائیں دے رہی تھیں:

"ارے چورنی تجھے ذرا خوف نہ آیا' پیر سائیں کا! ارے ان کی قبر سے تو ہم ہمیشہ اپنی مرادیں پاتے اور معمولی نذریں پیش کرتے ہیں۔ تجھے موت کیوں نہ آگئی پیر سائیں کے سر سے چادر چھینتے ہوئے۔" ہر عورت اپنی اپنی بولیاں بول رہی تھی۔ شور بڑھتا گیا۔ کلو کے گھر میں ہنگامہ مچ گیا۔ لوگ اپنی چھتوں سے نظارا کرنے لگے۔ وہ ہائے ہائے کرتے ماتھا پیٹتے اس طوفان کا انتظار کر رہے تھے جو پیر کی بددعا سے گاؤں تباہ کرنے آرہا تھا۔

کلو حیران پریشان کھڑی اپنا بدن لال چادر میں چھپائے کھڑی تھی۔ وہ چاچی کلثوم سے کہنے لگی "میں نے چوری نہیں کی، رب کی قسم چوری نہیں کی! بس ابھی واپس کر آتی ہوں چادر۔"

"چل ہٹ نامراد" چاچی نے چیل کی طرح چادر جھپٹنے کے لیے کلو پر جھپٹا مارا۔ "تیری وجہ سے تباہی ہو گی۔ ہم سب تباہ ہوں گے چورنی کہیں کی!" "اری اتنا ہی شوق چڑھا تھا لال جوڑے کا' تو بھاگ جاتی کسی کے ساتھ! تیری تو کوئی عزت ہے ہی نہیں' مگر پیر سائیں کی تو سارے گاؤں کیا پوری دنیا میں عزت ہے۔" عورتیں کلو کو کوسنے دیتیں اسے پیٹنے لگیں۔ وہ کبھی اپنا سر بچاتی، کبھی جسم سے لپٹی چادر زور سے پکڑ لیتی۔ اس کے ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ آخر کلو میں اور مار کھانے کی سکت نہ رہی، وہ دھڑام سے صحن میں گر گئی۔ لیکن عورتوں کے کلیجے ٹھنڈے نہ ہوئے۔

اب وہ حسب توفیق اسے ٹھڈے مار رہی تھیں تاکہ پیر سائیں کو پتا چل جائے، ان سب کو اپنے پیر سے کتنا پیار ہے اور پھر وہ عذاب سے بچ جائیں جو کہ کلو کی چوری کی بدولت آنے والا تھا۔ کلو کے ماں باپ کو بھی کسی نے خبر دے دی۔ وہ دونوں گھر کی طرف دوڑے۔ بیٹی کی حالت دیکھ کے تڑپ کر رہ گئے۔

"بابا! میں نے چوری نہیں کی۔" کلو باپ کو دیکھ کے تڑپ اٹھی۔ "رب دی سوں، میں نے تو پیر سائیں سے ادھار مانگی تھی۔"

مراد بخش پگڑی کے پلو سے اس کے زخم صاف کرنے لگا۔ صحن میں کھڑے لوگ دونوں باپ بیٹی کو گھورتے' گالیاں دیتے انھیں آنے والے عذاب سے ڈرا رہے تھے۔

کلو حیران پریشان کھڑی اپنا بدن لال چادر میں چھپائے کھڑی تھی۔ اچانک کسی نے دروازے کو زوردار ٹانگ ماری۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

دروازہ کھلا اور صحن میں کھڑے لوگ دم بخود رہ گئے۔ پیر سائیں کے مزار کا مجاور صحن میں کھڑا تھا۔

''کیا معاملہ ہے؟ کیا تماشا ہو رہا ہے؟ تم لوگوں کے ہوتے پیر سائیں کے سر کی چادر اتار لی گئی اور تم چپ کھڑے ہو، ارے مار کیوں نہیں دیا اس چھوکری کو۔'' مجاور دہاڑا کر بولا اور پھر اپنی چندھی چندھی اور نشے میں لال آنکھوں سے کلو کو گھورنے لگا۔ پورے صحن پر سناٹا چھا گیا۔

مراد بخش' مجاور کے قدموں میں گر گیا۔ وہ روتے ہوئے بیٹی کے قصور کی معافی مانگ رہا تھا۔ اس نے ٹھوکر سے مراد بخش کو ایک طرف دھکا دیا اور خود کلو کی طرف بڑھا۔ اس کی لال لال نشے سے چور آنکھیں کلو کو گھور رہی تھی۔ لوگ مجاور کے فیصلے کے منتظر تھے۔

''حق ہو، حق ہو! چھوکری' تو نے کس غضب کو آواز دی ہے۔ ملیامیٹ ہو جائے گا یہ گاؤں' تباہ و برباد ہو جائے گی یہ آبادی! ظالم لڑکی! تو نے پیر سائیں کے سر کی چادر چھینی ہے۔ اب ایسا عذاب آئے گا کہ تو تو کیا تیری نسلیں بھی یاد کریں گی۔'' وہ اپنی آنکھیں کلو پر گاڑے کھڑا تھا۔

کلو نے سر پہ رکھی لال چادر کو زور سے پکڑ لیا۔ ہونٹوں سے خون رس رہا تھا، آنکھوں میں خوف کے سائے تھے۔ مجاور نے اچانک مجمع کی طرف رخ کیا اور بولا ''تمام لوگ کھڑے ہیں۔ تم بولو، اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اس نے کوئی چھوٹا گناہ نہیں کیا۔''

''سائیں جو تمہارا فیصلہ اور حکم وہی ہمارا فیصلہ ہے۔'' گاؤں کا دانا بزرگ کہنے لگا۔

''میں کیا بتاؤں تم سب کو! مجھے تو کئی دنوں سے چین نہ تھا۔ پیر سائیں میرے خوابوں میں آ رہے تھے۔ کہتے تھے، بچاؤ، مجھے بچاؤ۔ اور خواب میں اسی خبیث کو دیکھا، جھاڑو دے رہی تھی قبر والے احاطے میں! اگر تم سب چاہتے ہو کہ تم پر کوئی عذاب نہ آئے جو کہ اس چھوکری کی وجہ سے آنے والا ہے' تو اسے مزار کی ملنگنی بنا دو۔ غلام بنا دو پیر سائیں کی! جب تک زندہ رہے گی خدمت کرے گی۔ یوں ہم سب کے گناہ بھی دھل جائیں گے۔''

''نہیں'' مراد بخش تڑپ کے آگے بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس مجاور کی ہوس ناک آنکھیں کیا مانگ رہی ہیں۔ اس نے اپنے کانوں سے مجاور کی کوٹھڑی سے عورتوں کے چلانے کی آوازیں اور بڈھے کے مکروہ قہقہے سنے تھے۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔

> میں نے بچا لیا اس گاؤں کو آنے والے طوفان سے! بچالی سارے گاؤں کی عزت! بچالی میں نے عزت، بچالی، بچالی!''

اچانک مراد بخش مجاور کے قدموں میں جھک گیا اور بولا ''سائیں! میری دھی نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ یہ سب کی مجرم ہے۔ اس کا گناہ چھوٹا نہیں۔ میں خود پوچھتا ہوں اس سے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟''

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اچانک قریب پڑی اینٹ تھام کر پوری طاقت سے کلو کے سر پہ دے ماری۔ لڑکی کا دماغ پھٹ گیا اور وہ آخری سانسیں لیتی زمین پہ ڈھیر ہو گئی۔

اس کا بابا روتے اور سب کو دیکھتے ہوئے چلانے لگا ''مار دیا میں نے سرکار اس کو جس نے پیر سائیں کے سر سے چادر اتاری تھی، جس نے ظلم کیا تھا قبر کے ساتھ، میں نے بچا لیا اس گاؤں کو آنے والے طوفان سے! بچا لی سارے گاؤں کی عزت! بچالی میں نے عزت، بچالی، بچالی!!!''

وہ روتا ہوا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk

کھیل کھلاڑی

جو آؤ دیکھے نہ تاؤ

دے گھما کے

بالروں کی دھنا دھن پٹائی کرنے والے ہر فن مولا

جنوبی افریقن بلے باز کا اچھوتا سفرِ زیست

متین کمال

۱۸ر جنوری ۲۰۱۵ء کو جوہانس برگ کے نیو وینڈررز کرکٹ اسٹیڈیم میں جنوبی افریقن اور ویسٹ انڈین ٹیمیں ایک روزہ بین الاقوامی میچ کھیلنے میدان میں اتریں۔ تب کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ آج دنیائے کرکٹ کا ایک اہم ریکارڈ بننے والا ہے۔

ٹاس ویسٹ انڈیز نے جیتا اور معاصرین کو پہلے کھیلنے کی دعوت دی۔ یہ فیصلہ انڈیز کو مہنگا پڑا کیونکہ جنوبی افریقن اوپنروں، ہاشم آملہ اور ریلی روسو نے شائقین کو مار مار کر ویسٹ انڈین بالروں کا بھرکس نکال دیا۔ وہ ۳۸ اوورز تک کھیلتے چلے گئے۔ آخر ۳۴۷ رنز پر ریلی روسو آؤٹ ہو گیا۔

اب وکٹ کیپر بلے باز، اے بی ڈی ویلیرز کھیلنے آیا۔ اس نے پہلی گیند پر چوکا مار کر سبھی کو بتا دیا کہ وہ دھواں دار بے بازی کرنے آیا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ وہ ہر دوسری گیند باؤنڈری لائن پار پہنچانے لگا اور چوکوں چھکوں کی برسات شروع کر دی۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyright material

یوں صرف ۱۶ گیندوں پر ڈی ویلیرز نے اپنی نصف سنچری مکمل کر لی۔ اس نے عالمی ایک روزہ کرکٹ میں تیز ترین نصف سنچری بنا ڈالی۔ اس دوران ویلیرز نے ۵ چھکے اور ۳ چوکے مارے۔ اس سے قبل یہ ریکارڈ سری لنکن بلے باز، جے سوریا کے پاس تھا۔ اس نے ۷/اپریل ۱۹۹۴ء کو سنگاپور میں پاکستان کے خلاف ۱۷ گیندوں پر ففٹی ماری تھی۔

لیکن کھیل ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ ڈی ویلیرز کا بلا مسلسل رنز اگلتا رہا۔ چوکے چھکے لگتے اور تماشائی محظوظ ہوتے رہے۔ اس دن زبردست قسم کی بے بازی دیکھ کر ان کا ٹکٹ پر خرچ پورا ہو گیا۔ ویلیرز کی دھانسو بے بازی رنگ لائی اور اس نے ایک روزہ بین الاقوامی میچ میں تیز ترین سنچری بنا ڈالی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یکم جنوری ۲۰۱۴ء کو ایک کیوی بے باز، کورے اینڈرسن نے ویسٹ انڈیز کے خلاف ہی تیز ترین سنچری کا ریکارڈ بنایا تھا۔ اس سے قبل یہ ریکارڈ پاکستانی بے باز شاہد آفریدی کے پاس تھا۔ اینڈرسن نے ۳۶ گیندوں پر سنچری بنائی تھی۔ مگر اب ڈی ویلیرز نے صرف ۳۱ گیندوں پر سنچری داغ دی۔ اس نے ۱۰ چھکے اور ۸ چوکے مارے۔

میچ میں باکمال بے بازی کر کے ڈی ویلیرز نے ثابت کر دیا کہ آج وہ دنیائے کرکٹ کا بہترین بلے باز ہے۔ آئی سی سی کی درجہ بندی کے مطابق وہ ٹیسٹ کرکٹ میں دوسرا جبکہ ایک روزہ کرکٹ میں پہلا بہترین بے باز ہے۔ ویلیرز کی داستان حیات اجاگر کرتی ہے کہ وہ اس مقام بلند تک کس طرح پہنچا۔

ابراہام بنجمن ڈی ویلیرز ۱۷/فروری ۱۹۸۴ء کو جنوبی افریقن شہر، پری ٹسوریا میں پیدا ہوئے۔ اس کے والد مشہور ڈاکٹر تھے۔ اچھی آمدن کے باعث کھاتا پیتا گھرانا تھا۔ گھر کے اردگرد وسیع میدان تھا جہاں بچے مختلف کھیلوں سے دل بہلاتے۔ یہی وہ میدان ہے جہاں بہ حیثیت کھلاڑی ویلیرز کی صلاحیتیں عیاں ہوئیں۔

جان اور ویسیلز اس کے بڑے بھائی تھے اور آٹھ نو سال بڑے! اردگرد سے ان کے دوست بھی آ جاتے۔ یہ سبھی بڑے لڑکے میدان میں مختلف کھیل مثلاً فٹ بال، ہاکی، کرکٹ، رگبی، بیڈمنٹن وغیرہ کھیلتے۔ دوران کھیل قدرتاً ہر لڑکے کی خواہش ہوتی کہ وہ معاصرین کو شکست دے ڈالے۔ چناں چہ لڑکوں کے مابین بڑا کانٹے دار مقابلہ ہوتا۔

ڈی ویلیرز ان لڑکوں میں سب سے چھوٹا تھا، اسی لیے دوران کھیل وہی تختہ مشق بنتا۔ وہ جیت کی خاطر جان لڑا دیتا، مگر ہار ہی اس کا مقدر بنتی۔ مگر اسے علم نہ تھا کہ جیت کے لیے زبردست محنت و جدوجہد ہی اس کی صلاحیتیں نکھار رہی ہے۔ تاہم تب ڈی ویلیرز میدان میں کڑے امتحانات سے گزرتا۔ ہار کی تلخی اکثر اس کی آنکھوں میں آنسو لے آتی۔

لیکن غیر معمولی مسابقت کے ماحول میں پلنے بڑھنے نے ڈی ویلیرز کو سخت جان بنا دیا۔ وہ جسمانی و نفسیاتی طور پر اس قابل ہو گیا کہ ہر قسم کے دباؤ کا بخوبی مقابلہ کر سکے۔ مزید برآں مختلف کھیل کھیلنے سے اسے یہ فائدہ پہنچا کہ اس میں بڑی چستی و پھرتی آ گئی۔ تمام جسمانی اعضا دماغ کے ساتھ تال میل رکھنے لگے۔

دلچسپ بات یہ کہ ڈی ویلیرز کو سب سے پہلے ٹینس کا کھیل بھایا۔ تب وہ سات برس کا تھا۔ چناں چہ وہ ٹینس کے مختلف مقابلوں میں حصہ لینے لگا۔ ایک بار

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اس نے طویل قامت لڑکے، آنزک وان کو ہرایا جو بعدازاں عالمی ٹینس میں مشہور کھلاڑی کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔

ڈی ویلیرز نو سال کا تھا جب ۱۹۹۲ء میں آسٹریلیا میں کرکٹ عالمی کپ منعقد ہوا۔ اس میں جنوبی افریقن ٹیم سیکڑوں سال عالمی کرکٹ سے دور رہنے کے بعد پہلی بار شریک ہوئی۔ ویلیرز نے اپنی ٹیم کے سبھی میچ شوق سے دیکھے۔

تاریخ کرکٹ میں پہلی بار ۸ر مارچ ۱۹۹۲ء کو پاکستان اور جنوبی افریقا کی ٹیمیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ ڈی ویلیرز نے یہ سنسنی خیز میچ بھی شوق سے دیکھا۔ جنوبی افریقا نے پہلے کھیلتے ہوئے ۲۱۱ رن بنائے۔ پاکستانیوں نے اچھا جواب دیا اور صرف تین وکٹ کے نقصان پر ۱۳۵ رن بنا لیے۔

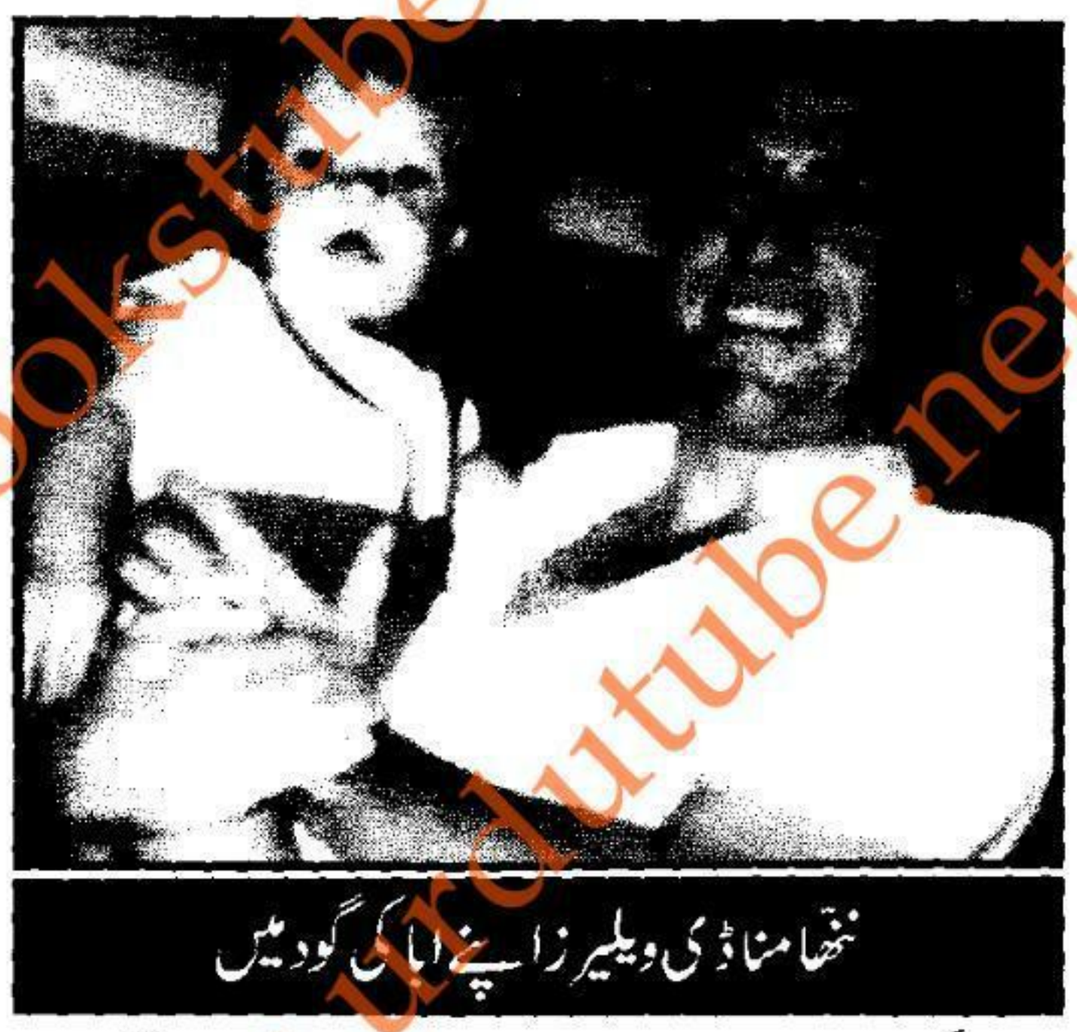

ننھا منا ڈی ویلیرز اپنے ابا کی گود میں

اس وقت عمران خان ۳۴ جبکہ انضمام الحق ۴۸ رن پر کھیل رہے تھے۔ یہی لگتا تھا کہ دونوں پاکستانی ٹیم کو فتح سے ہمکنار کر دیں گے۔ لیکن اسی موقع پر مایہ ناز فیلڈر، جونٹی روڈس نے حیران کن فیلڈنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے انضمام الحق کو آؤٹ کر دیا۔ ان کا آؤٹ ہونا تھا کہ پاکستانی بلے بازوں کی ''لائن'' لگ گئی۔ پھر کوئی بلے باز کریز پر جم نہ سکا۔ چناں چہ پاکستان میچ ہار گیا۔

جونٹی روڈس کی حیرت انگیز فیلڈنگ دیکھ کر ہی

نشوونما پاتا ڈی ویلیرز کرکٹ میں بھی دلچسپی لینے لگا۔ اسے یہ برق رفتار کھیل بہت بھایا۔ یہ یاد رہے کہ اس کا پورا گھرانا، ماں باپ سے لے کر بہن بھائیوں تک سبھی کھیلوں کے شوقین تھے۔ اسی لیے کھلونے، ٹی وی پروگرام یا کمپیوٹر نہیں بلکہ کھیل ان کی توجہ کا مرکز ہوتے۔ اسی زبردست دلچسپی نے بھی ڈی ویلیرز کو ایک عمدہ کھلاڑی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ہر قیمت پر جیت..... اس سوچ نے بھی ویلیرز کو ایک باصلاحیت اور مضبوط کھلاڑی بنا دیا۔ وہ جو بھی کھیل کھیلتا، پوری توانائی اور انہماک مقابلے میں لگا دیتا۔ اس پر یہی دھن سوار ہوتی کہ فتح اسی کو ملنی چاہیے۔ یوں مقصد سے لگن نے اسے ذہنی و جسمانی طور پر طاقتور بنا دیا۔

ڈی ویلیرز ۱۳ سال کا تھا، تو اسے جنوبی افریقا میں کھیلوں کے بہترین تعلیمی ادارے، افریقا نسی ہوئیر سیونسکول میں داخلہ مل گیا۔ وہاں تجربے کار اساتذہ کی راہنمائی پا کر ابھرتے کھلاڑی کی صلاحیتیں مزید چمکیں اور وہ نوجوان کھلاڑیوں میں نمایاں ہونے لگا۔

حیرت انگیز بات یہ کہ ڈی ویلیرز بیک وقت کئی کھیلوں میں بہترین کھلاڑی بن کر ابھرا۔ دنیائے کرکٹ کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اس کی طرف آنکلا۔ ہوا یہ کہ جب وہ سولہ سال کا تھا، تو اسے جنوبی افریقن انڈر ۱۹ ٹیم میں منتخب کر لیا گیا۔ یوں کرکٹ میں اس کی

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

عملی زندگی کا آغاز ہوا۔

جب ڈی ویلیرز نے عمدہ کارکردگی دکھائی، تو ۲۰۰۳ء میں فرسٹ کلاس کرکٹ کی مشہور جنوبی افریقن ٹیم، ٹائٹنز نے پُرکشش مشاہرے پر اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ دلچسپ بات یہ کہ اس دوران ویلیرز دیگر کھیلوں میں بھی شاندار کارکردگی دکھاتا رہا۔ یہ امر درج ذیل حقائق سے عیاں ہے:

☆ اسکول کی سطح پر پیراکی کے چھے ریکارڈ قائم کیے۔
☆ جونیئر اتھلیٹس کی سطح پہ ۱۰۰ میٹر کی دوڑ میں نیا ریکارڈ قائم کیا۔
☆ قومی جونیئر ڈیوس کپ ٹینس ٹیم کا رکن منتخب ہوا۔
☆ جنوبی افریقا میں بیڈمنٹن کا انڈر۔۱۹ چمپئن رہا۔
☆ ریاستی گاف ٹیم کا رکن رہا۔
☆ جونیئر قومی ہاکی ٹیم کا رکن منتخب ہوا۔
☆ جونیئر قومی رگبی ٹیم کا کپتان رہا۔
☆ جونیئر قومی فٹ بال ٹیم کا رکن منتخب ہوا۔

درج بالا حقائق سے عیاں ہے کہ ڈی ویلیرز کم از کم آٹھ کھیلوں میں بڑی مہارت رکھتا ہے، لیکن اس نے کرکٹ میں کیریئر بنانے کو ترجیح دی۔ یہی نہیں، وہ تعلیمی میدان میں بھی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ چکا۔ اس نے ایک سائنس پروجیکٹ بنا کر قومی تمغا جیتا جو اسے آنجہانی نیلسن منڈیلا نے دیا تھا۔

ٹائٹنز میں حسب توقع ویلیرز نے کئی عمدہ اننگیں کھیلیں۔ وہ تیز کھیلنے کا شائق ہے، لہٰذا چوکے چھکے مار کر شائقین کو خوب محظوظ کرتا۔ اس کے شاندار کھیل نے قدرتاً قومی ٹیم کے سلیکٹروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

۲۰۰۴ء کے اواخر میں جنوبی افریقن قومی ٹیم بحران سے گزر رہی تھی۔ اس میں اچھے کھلاڑیوں کی کمی تھی۔ لہٰذا سلیکٹر چاہتے تھے کہ ٹیم میں نیا خون لایا جائے۔ اسی باعث انھوں نے ڈی ویلیرز کو کھیلنے کا موقع دے دیا جب اس کی عمر بیس سال تھی۔

۱۷ر دسمبر ۲۰۰۴ء کو اس نے اپنا پہلا ٹیسٹ کھیلا۔ گو وہ میچ میں کم اسکور بنا پایا، مگر اس نے پانچویں ٹیسٹ میں برطانیہ جیسی نامور ٹیم کے خلاف پہلی اننگ میں ۹۲ اور دوسری میں ۱۰۹ رنز بنائے۔ یوں وہ عالمی کرکٹ میں روشن ستارے کی صورت نمایاں ہوا۔

ڈی ویلیرز نے پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور دسمبر ۲۰۰۶ء تک برطانیہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور بھارت جیسی عمدہ ٹیموں کے خلاف بہترین بلے بازی دکھائی۔ وہ جنوبی افریقا میں گراہم پولاک کے بعد تیز ترین ایک ہزار رن بنانے والے بلے باز کا اعزاز رکھتا ہے۔

جنوری ۲۰۰۷ء میں پاکستانی کرکٹ ٹیم نے جنوبی افریقا کا دورہ کیا۔ اب ڈی ویلیرز کا پاکستانی بالروں..... شعیب اختر اور محمد آصف سے پالا پڑا۔ خدا کی قدرت کہ ویلیرز کی ساری کرشماتی بلے بازی خصوصاً محمد آصف کی سوئنگ بالنگ کے سامنے ہوا ہو گئی۔ آصف نے اسے تین بار آؤٹ کیا۔ ڈی ویلیرز کے لیے پاکستانیوں سے تین ٹیسٹوں کی سیریز ڈراؤنا خواب ثابت ہوئی۔ وہ چھے اننگوں میں صرف ''۳۸'' رنز بنا پایا۔

اس زمانے کی یادیں تازہ کرتے ہوئے وہ بتاتا ہے: ''محمد آصف نے میری کمزوریاں جان لیں، اسی لیے وہ مجھے پے در پے آؤٹ کرنے میں کامیاب رہا۔ تب میں اس کشمکش کا شکار رہتا تھا کہ جارحانہ کھیل دکھاؤں یا دفاعی! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ خراب کارکردگی دکھانے کے باوجود مجھے ٹیسٹ ٹیم میں رکھا

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

گیا۔ یوں مجھے تجربہ حاصل ہوا اور میں نے اپنی غلطیوں سے پیچھا چھڑا لیا۔''

دراصل ڈی ویلیرز قدرتی طور پر جارحانہ کھیلتا ہے۔ لیکن اسے احساس ہوا کہ ایسا کھیل دکھانے پر اس کی توانائی جلد خرچ ہو جائے گی۔ چناں چہ وہ دفاعی تکنیکیں بھی اپنانے لگا تاکہ طویل عرصہ کرکٹ کھیل سکے۔ کہتا ہے: ''کرکٹر اور انسان اپنی بقا کی خاطر ہر ممکن قدم اٹھاتے ہیں۔ چناں چہ میں نے بھی حالات سے مطابقت کر لی۔''

ڈی ویلیرز اب تک ۹۸ ٹیسٹ کھیل کر ۶۰۷۶ رنز بنا چکا۔ جبکہ ۱۷۹ ایک روزہ عالمی مقابلے کھیل کر ۷۴۵۹ رنز بنائے ہیں۔ فی الوقت اس کی عمر ۳۱ سال ہے۔ گویا وہ مزید پانچ چھے سال کھیل کر ٹیسٹ کرکٹ میں دس ہزار سے زائد رنز بنا سکتا ہے۔

۲۰۰۶ء میں ڈی ویلیرز کی پیشہ ورانہ زندگی کا سب سے افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ماہ مارچ میں جوہانس برگ میں جنوبی افریقا اور آسٹریلوی ٹیم کا ایک روزہ میچ ہوا۔ اس میں آسٹریلیا نے پہلے کھیلتے ہوئے ۴۳۴ رنز بنائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ایک روزہ عالمی مقابلے میں ۴۰۰ سے زائد رنز بنے۔ اس میں آسٹریلوی کپتان، رکی پونٹنگ نے شاندار بلے بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۶۴ رنز بنائے۔

جب آسٹریلوی کھیل چکے، تو کھانے کا وقفہ ہو گیا۔ اس دوران ڈی ویلیرز عمدہ کھیل دکھانے پر آسٹریلوی کپتان کو مبارک باد دینے گیا۔ رکی پونٹنگ نے اسے دیکھا، شانے اچکائے اور منہ دوسری طرف کر لیا۔ یہ بے اعتنائی دیکھ کر ویلیرز کو بہت افسوس ہوا۔ تب سے وہ رکی پونٹنگ کو متکبر اور گھمنڈی انسان سمجھتا ہے۔

مارچ ۲۰۱۳ء میں ڈی ویلیرز نے ایک خوبرو دوشیزہ ڈینیل سوارٹ سے شادی کر لی۔ ابھی ان کے ہاں کوئی بچہ تولد نہیں ہوا۔ ویلیرز شاعر اور گلوکار بھی ہے، وہ گیت لکھ کر انھیں گاتا ہے۔ اس نے نیلسن منڈیلا کی شان میں ایک گیت گایا جو خاصا مقبول ہوا۔ آج بھی ہر دورے کے موقع پر گٹار اس کے ساتھ ضرور ہوتی ہے۔

ڈی ویلیرز بیگم کے ہمراہ تاج محل کی سیر کرتے ہوئے

مزید برآں وہ سماجی کاموں میں بھی حصہ لیتا ہے۔ وہ ایک سماجی تنظیم، ''میک اے وش فاؤنڈیشن'' کا پرجوش رکن ہے جو غریب و مصیبت زدہ بچوں کی خواہشیں پوری کرتی ہے۔ نیز ڈی ویلیرز اپنے بھائی کے فاسٹ فوڈ والے کاروبار میں شراکت دار بھی ہے۔

غرض ڈی ویلیرز ایک ہمہ جہت اور غیر معمولی انسان ہے۔ اسے بجا طور پر ''ہرفن مولا'' کہا جا سکتا ہے۔ ابھرتے نوجوان کھلاڑیوں کے لیے اس کا مشورہ ہے: ''خوب محنت کریں، مایوس نہ ہوں اور یہ ایمان رکھیے کہ مستقل مزاجی اور لگن سے آپ کامیابیاں پا سکتے ہیں۔''

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

سرما کی شام تھی۔ بندرگاہ پہلوی کے کہر آلود اور اُداس ساحل پر میں اور محمود چہل قدمی کر رہے تھے۔ موجوں کا شور اور پرندوں کی آوازیں

یادیں تڑپا دیں تب بھی بوڑھے آنسو نہیں بہاتے

پالتو جانوروں سے حد درجہ الفت رکھنے والے دو انسانوں کا دل مسوس کر دینے والا قصہِ عجب

بابا مقدم رنیر مسعود

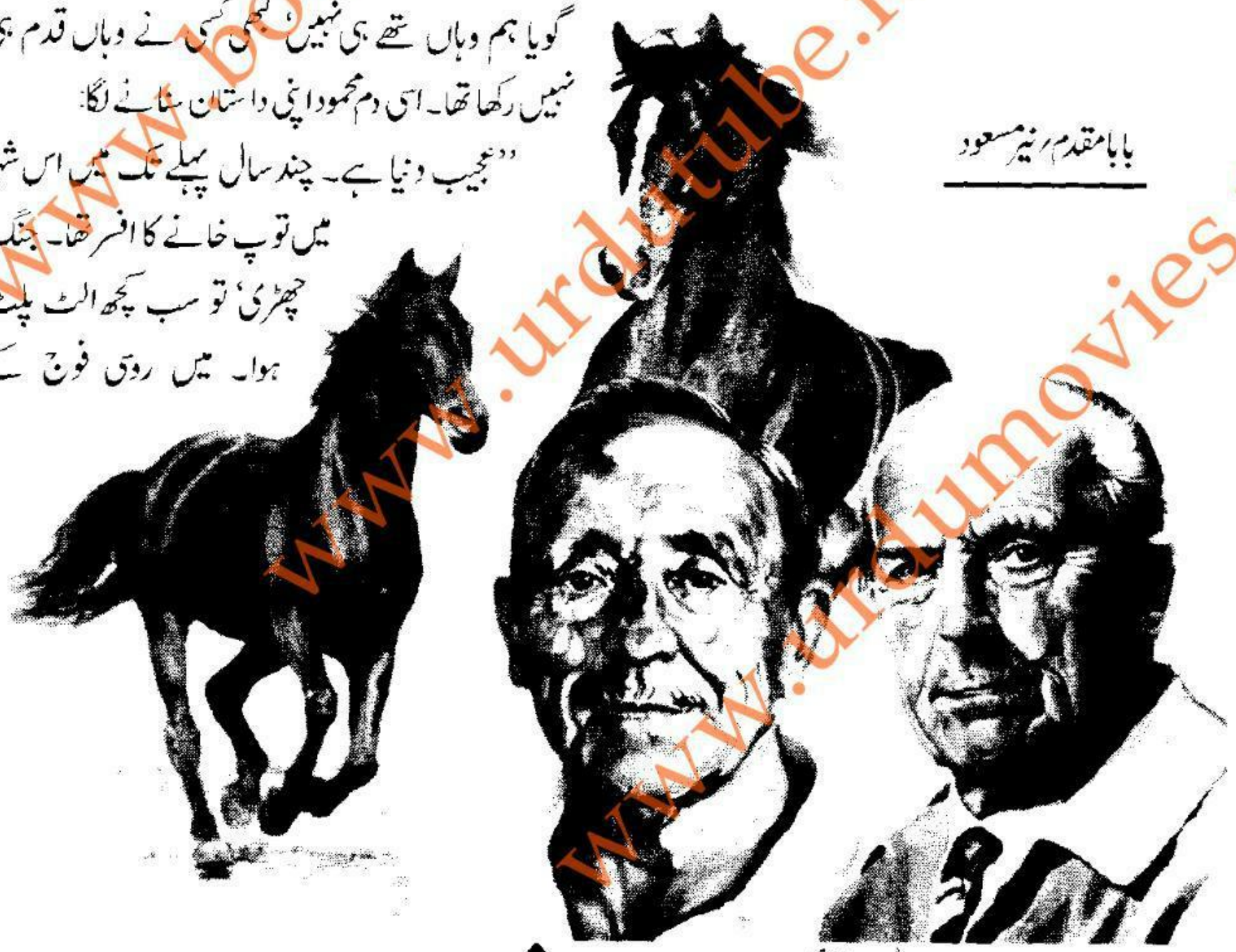

غیر ملکی ادب

چاروں طرف گونج رہی تھیں۔ وہ دور سمندر کی سطح سے ملے پر مارتے چلے جاتے تھے۔ مزید آگے بڑھے' تو سمندر تاریک ہو گیا۔ کالے بادل اس پر یوں جھک آئے کہ خیال ہوتا وہاں آسمان اور سمندر مل کر ایک ہو گئے ہیں۔

ایک بہت بڑی موج سفید چادر کے مانند ہمارے پیروں کے آگے بچھ گئی۔ کچھ دیر زمین پر سفید سفید جھاگ ٹکا رہا' پھر وہیں جذب ہو گیا۔ ہمارے پیروں تلے ریت دب کر سخت ہو گئی اور اس میں سمندر کا پانی اکٹھا ہونے لگا۔ ہمارے پیر ریت میں دھنسا کر اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی کھینچ لیتے۔ ہم پلٹے' مڑ کر دیکھا' تو موجوں نے ہمارے قدموں سے پڑنے والے نشانوں کو بھر دیا تھا۔ گویا ہم وہاں تھے ہی نہیں' کبھی کسی نے وہاں قدم ہی نہیں رکھا تھا۔ اسی دم محمود اپنی داستان سنانے لگا:

"عجیب دنیا ہے۔ چند سال پہلے تک میں اس شہر میں توپ خانے کا افسر تھا۔ جنگ چھڑی' تو سب کچھ الٹ پلٹ ہوا۔ میں روسی فوج کے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہاتھوں گرفتار ہو کر اسی شہر میں سلاخوں کے پیچھے پہنچ گیا۔ روسیوں نے توپوں پر قبضہ کیا اور افسروں کو جیل میں ڈال دیا۔ سپاہی بھی اِدھر اُدھر ہوئے، بس گھوڑے باقی رہ گئے۔ میرا گھوڑا ابلق (سیاہ و سفید) تھا' بڑا خوش رنگ' جوان اور چلبلا' خوب گردن اکڑا کر چلتا۔ اس کی آنکھوں کی رنگت بھی انوکھی تھی' نیلی نیلی سی معلوم ہوتی۔ فوجی بیرکوں میں اس کا نام ''کاسی'' پڑ گیا تھا۔

''کاسی میری سواری کا گھوڑا تھا۔ جوانی کے دن تھے۔ اس پر سوار ہوتا تو مزہ آ جاتا۔ افسر کا گھوڑا تھا' اسی لیے اس کی خیال داری بھی دوسرے گھوڑوں سے زیادہ ہوتی اور وہ ہمیشہ چاق چوبند رہتا۔ میں جیسے ہی اس پر سوار ہوتا' وہ گردن اکڑا کر اگلی ٹاپوں پر دُلکی چلنے لگتا۔ راستے کی پتھریلی زمین پر اس کے نعل پڑنے کی آواز سے فضا گونجنے لگتی۔ لوگ کاسی کی مستانہ چال دیکھنے چلتے چلتے رک جاتے۔ میں اس پر سینہ تانے بیٹھا گردن بھی اکڑا لیتا اور ترنگ میں آ کر جھومنے لگتا۔

''میں اور کاسی شہر بھر میں مشہور تھے۔ کاسی مجھ سے اتنا مانوس تھا کہ اگر میں دور سے اُسے پکارتا' تو وہ فوراً گردن گھماتا اور جواب میں ہنہنا کر مجھے دیکھنے لگتا۔ جب میں جیل میں قید ہوا' تو سب سے زیادہ فکر مجھے کاسی ہی کی تھی کہ معلوم نہیں اس کے دانے پانی اور گھاس کی خبر گیری ہو رہی ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اس کا کیا حشر ہوگا۔

''اور بھی ہزاروں فکریں تھیں۔ مثلاً یہ کہ خود میرا کیا بنے گا؟ ہمیں یہیں قید رکھا جائے گا یا سائبیریا یا کسی اور علاقے میں بھجوانا ہے؟ جنگی قیدیوں کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں سننے میں آ رہی تھیں' مختصر یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ مجھے کہا گیا' میں نے تو لڑائی میں توپیں استعمال کی تھیں اور اپنا سارا گولا بارود دشمنوں پر جھونک دیا' اس لیے میرا انجام بہت برا ہونا ہے۔ لیکن کسی کو ٹھیک ٹھیک کچھ نہیں پتا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہمارا معاملہ کس کروٹ بیٹھے گا۔ جیل میں ہمارے پاس کرنے کو کچھ نہ تھا۔ میں ایک کونے میں جا بیٹھتا اور سوچتا رہتا۔ دل چاہتا تھا آزاد ہو جاؤں اور جا کر کاسی کو دیکھوں' اس کی گردن تھپتھپاؤں' اس کی تھوتھنی پر ہتھیلی رکھ کر سانس کی گرمی محسوس کروں۔ یہ سارے خیالات دن ہی دن میں رہتے' مگر راتیں!

دل چاہتا تھا آزاد ہو جاؤں اور جا کر کاسی کو دیکھوں' اس کی گردن تھپتھپاؤں' اس کی تھوتھنی پر ہتھیلی رکھ کر سانس کی گرمی محسوس کروں۔

''راتیں وحشت ناک ہوتیں۔ قیدیوں کے سونے کی اپنی ادائیں تھیں۔ کچھ زور زور سے خراٹے لیتے۔ بعض پوری آواز سے بولے جاتے' حکم دیتے اور کبھی رونا شروع کر دیتے۔ ان کی فریادیں اور بولیاں سن کر طبیعت میں عجیب مایوسی اور افسردگی پیدا ہو جاتی۔ وہاں قیدی کیا کیا ارمان لے کر سوتے لیتے اور خوابوں کی دنیا میں پہنچ کر کابوسوں سے دوچار ہو جاتے۔ چلاتے' گالیاں بکتے اور گھگیاتے۔ کبھی کسی بات کا اعتراف کرتے' کبھی کسی تمنا کا اظہار اور کبھی بہکنے لگتے۔ میرے خوابوں کی دنیا کے زیادہ حصے پر کاسی کا عمل تھا۔ مجھے اس کی نیلگوں آنکھیں نظر آتیں کہ اندھیرے میں چمکتی ہوئی میری طرف ٹکٹکی باندھے ہیں۔ ان نگاہوں میں التجا ہوتی اور ملامت بھی۔

''ایک دن جیل میں خبر پھیل گئی کہ کل روسی توپیں

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اور گھوڑے جہازوں میں لے جا رہے ہیں۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ کاسی کا کیا ہوا؟ اسے بھی لیے جا رہے ہیں؟ اگر یہی ہوا' تو میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ یہ آس بھی ٹوٹ جائے گی۔ کاسی کو پھر دیکھ سکوں گا۔ وہ میرا دوست تھا۔ ہم دونوں ہی جنگ کی لپیٹ میں آئے تھے۔ اب وہ اسے لیے جا رہے تھے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو کاش میں بھی اس کے ساتھ چلا جاتا۔ میں نے ساتھی قیدیوں کے سامنے توپوں اور گھوڑوں کا ذکر چھیڑا اور کاسی کے بارے میں ان کا خیال دریافت کیا۔ سب قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ آخر ایک قیدی نے کہا کہ کاسی سواری کا گھوڑا ہے توپ گاڑی کھینچنے کے کام کا نہیں۔ پچھلی لڑائی کا زمانہ ہے رسد بھی یوں بھیجی گئی ہے۔ اس لیے یقینی ہے کہ کاسی واپس بھیج دیا جائے گا۔

"دیکھا کاسی وزنی سامان کا گوشت فوجیوں کو کھلا دیا جائے گا..... پھر وہ فوجی بھی محاذوں پر مارے جائیں گے بے چارے!

"اسیر ہونا اور جیل میں پڑنا بری چیز ہے۔ قید میں آدمی کا مزاج عجیب سا ہو جاتا ہے۔ خود پر اس کا بس نہیں ہوتا اور وہ فاضل شے بن کر رہ جاتا ہے۔ ہر ساعت اس کے دماغ میں ہزارہا خیالوں کے بلبلے ابھرتے اور ایک ایک کر کے پھوٹ جاتے ہیں۔ رات آئے تو خوابوں کی کہریلی دنیا کے آسیب اس پر یلغار کرتے ہیں۔ دوسرے دن پھر وہی فکریں' خیال' ہراس' ناامیدی اور وہی جیل کے بدذائقہ پتلے شوربے کے ساتھ سخت روٹیاں نگلنا اور سوچتے رہنا۔

"جب یہ خبر اڑی کہ کل گھوڑوں کو لے جائیں گے مجھے سارا دن کاسی ہی کا خیال آتا رہا۔ رات کو بھی بڑی بے چین نیند سویا۔ دوسری صبح ہم سب قیدی وقت سے پہلے جاگ اٹھے تاکہ جیل کی کھڑکیوں سے توپیں اور گھوڑے جانے کا منظر دیکھیں۔ یہ دیکھنا بھی تماشا ہی تھا۔ آدمی سلاخوں کے پیچھے کھڑا ہے اور دیکھتا ہے کہ لوگ اس کا مال لوٹے لیے جا رہے ہیں' مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

"ہم کھڑکیوں کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ وہاں سے بارکوں کا احاطہ اور آمد و رفت دکھائی دیتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بارکوں کی طرف دھند میں دور سے گھوڑوں کے سر نظر آئے۔ ایک ایک روسی سپاہی دو گھوڑوں کو دہانوں سے پکڑے کھینچتا لا رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر مجھ پر عجیب ناامیدی سی چھا گئی۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا' ٹانگوں میں دم نہ رہا اور منہ خشک ہو گیا۔ پھر بھی میں نے گردن آگے بڑھائی کہ ان میں کاسی کو تلاش کروں۔ ہماری فوج کے سب گھوڑے گہرے رنگ کے سرنگ اور کمیت تھے۔ صرف کاسی کے رنگ میں سفیدی اور اجلا پن تھا۔ اس کے بدن پر چھوٹی چھوٹی بھوری اور کتھئی چتیاں تھیں' ایسے معلوم ہوتا

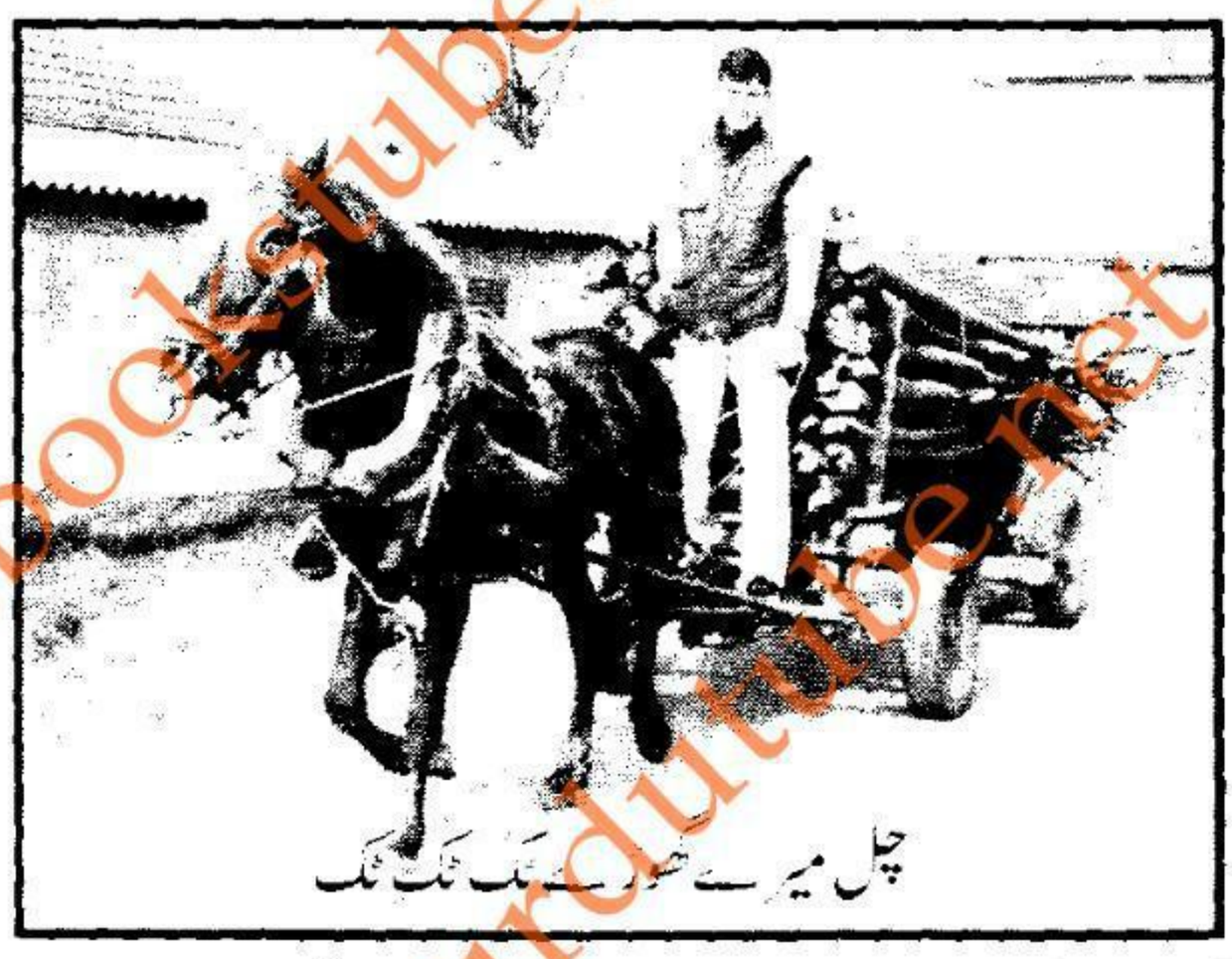
چل میرے گھوڑے ٹک ٹک ٹک

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

تھا کہ سفید رنگ پر ان دو رنگوں کا چھینٹا دیا گیا ہو۔

''آخر میں نے اس کا چتکبرا رنگ دیکھا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ یہ وہی تھا۔ اس کے تیوروں کا تیکھا پن اور گردن کا کھنچاؤ رخصت ہو چکا تھا۔ سر ڈھکا اور کنوتیاں گری ہوئی تھیں۔ چھل بل اور طراروں کا کہیں نشان نہ تھا۔ میلا چکٹ ہو رہا تھا۔ ٹانگوں پر کیچڑ اور لید کے تھکے جم گئے تھے۔ ہفتوں سے ملائی دلائی ہوئی تھی نہ کھریرا پھیرا گیا تھا۔

''وہ جیل کے سامنے پہنچا تو میری زبان کو قفل لگ گیا۔ چاہتا تھا پکاروں' اسے بلاؤں' چوکیداروں سے کہوں کہ اسے ذرا میری طرف گھما دیں۔ میں نے کسی طرح خود کو سنبھالا اور سوکھے گلے سے دو تین بار صرف ایک لفظ نکال پایا:

''کاسی! کاسی! کاسی!''

''یہ آواز سن کر ابلق گھوڑے میں جان سی پڑ گئی۔ یقین کرو اس نے گردن تان لی۔ پھر ہم گھمایا اور جہاں سے میں نے اسے پکارا تھا' اس طرف دیکھنے لگا اور زور سے ہنہنایا۔ نہیں معلوم قیدیوں کے جھرمٹ میں کھڑکی کے پیچھے میں اسے دکھائی دیا کہ نہیں' مگر چند لمحوں کے لیے اس کے پیروں میں وہی رقص کی سی چلت پھر آ گئی۔ پھر سپاہی نے اس کے دہانے کی آہنی زنجیر کو منہ کے اندر زور سے کھینچا۔ تکلیف کی شدت سے اس کی حالت پھر اسی طرح روئی ہوئی۔

وہ کاسی کو لے گئے۔ دو سے گھوڑوں کے ساتھ اسے بھی جہاز پر چڑھا دیا گیا۔ ہم دیکھتے رہے کہ وہ دور ہوتے جا رہے ہیں۔''

☆☆☆

ہم دونوں سنسان پشتے پر چل رہے تھے۔ سمندر کی جانب سے تیز ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ موجیں پشتے سے ٹکرا ٹکرا کر پانی اڑا رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑ رہی تھی۔ میں نے محمود کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں کے نیچے اور رخساروں پہ نمی تھی۔ میں نے پوچھا ''کیا روئے ہو؟''

وہ بولا: ''نہیں ہماری عمر کے آدمی روتے نہیں' آنسو ہی نہیں نکلتے۔ بارش ہوئی ہے۔''

اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سمندر سیاہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہم واپس آنے لگے۔ راستے میں محمود کو میں نے یہ قصہ سنایا:

''میں فوج میں نیا نیا افسر ہوا تھا۔ روزانہ صبح اپنے گھر کی گلی کے آگے سڑک پر جا کھڑا ہوتا۔ میری رجمنٹ کی بس آتی اور میں اس پر کیمپ چلا جاتا۔ ایک دن میں ذرا جلد سڑک پر آ گیا۔ کچھ بس نے بھی دیر لگائی۔ میرا ایک دوست ادھر آ نکلا اور ہم وہیں کھڑے باتیں کرنے لگے۔ وہ بھی فوج میں افسر تھا۔

''باتوں باتوں میں اس نے بتایا' میرے پاس ایک خوبصورت سمند (بادامی) گھوڑا ہے۔ وہ اسے بیچنا چاہتا تھا۔ میں اس دوست سے بخوبی واقف تھا۔ وہ معاملت کا کھرا ہے اور سمند گھوڑے مجھے پسند بھی تھے۔ لہٰذا میں نے دیکھے بغیر خرید لیا اور سودا وہیں کا وہیں پکا ہو گیا۔ دوست یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ اسی دن گھوڑے کو میری رجمنٹ میں بھجوا دے گا۔

''ہماری رجمنٹ کا پڑاؤ شہر سے فاصلے پر تھا اور دوپہر کو ہم وہیں رہ جاتے۔ اس دن میں کھانا کھا کر اٹھا ہی تھا

> **قید میں آدمی کا مزاج عجیب سا ہو جاتا ہے۔ خود پر اس کا بس نہیں ہوتا اور وہ فاضل شے بن کر رہ جاتا ہے۔**

www.pdfbooksfree.pk
Copyright material

کہ ایک سپاہی خبر لایا' گھوڑا آ گیا ہے۔ ہمارے کیمپ کے بیچ میں ایک لمبی سڑک تھی جس کے دونوں طرف چنار اور سفیدے کے درختوں کی قطاریں تھیں۔ میں دفتر سے باہر آ کر سڑک پر کھڑا ہو گیا۔ دیکھا ایک سپاہی شوخ رنگ کے ایک گھوڑے پر بیٹھا آ رہا ہے۔

''وہ بڑے قد کاٹھ اور بلند گردن کا گھوڑا تھا۔ جسامت ایسی کہ اس کے زین پر بیٹھا سپاہی چھوٹا سا معلوم ہوتا تھا۔ قریب آیا' تو دیکھا کہ عجب خوش انداز اور خوش رنگ گھوڑا ہے۔ اس کے رونگٹے سنہری مائل اور جھل مل جھل مل کر رہے تھے۔ چھوٹا سر' نرم چمکیلی آنکھ' مضبوط جوڑ بند اور بھاری سم' اونچی گردن' کشادہ سینہ' چلنے رکنے میں سر کو تانے ہوئے۔

''اس چھب کا گھوڑا آج تک میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ خصوصاً یکساں اور شوخ بادامی رنگ کا۔ میں بے اختیار ہو کر اس کا سر اور کنوتیاں سہلانے لگا۔ وہ مزے میں کھڑا رہا' جیسے برسوں کا مجھ سے مانوس ہو۔ سپاہی اس پر سے اترا اور میں وہیں آزمائش کے لیے اس کی رکاب میں پیر ڈال زین پر بیٹھ گیا۔ گھوڑا آگے بڑھا' تو میں نے اسے لپیا چلایا پھر دلکی۔ اس کے بعد کیمپ کی سڑک پر دور تک بڑے اطمینان کے ساتھ سرپٹ دوڑایا۔ اس کی سواری ایسی ہموار اور آرام دہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا' نرم گدے پر بیٹھا فضا میں تیر رہا ہوں۔

میں نے اسے اصطبل پہنچا دیا۔ وہاں سپاہی کو لوٹانے کے لیے اس کا زین اتارا گیا' تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ خوبصورت گھوڑا زین پشت ہے۔ زین پشت اسے کہتے ہیں جس کی کمر میں خم ہو۔ یہ گھوڑے کا عیب سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں' اس خم کے زیادہ ہونے سے گھوڑے کا دم کم ہو جاتا ہے۔ اس گھوڑے کی کمر میں زیادہ خم تھا۔ اس کی پیٹھ کا وہ حصہ جہاں زین رکھتے ہیں' کمان کی طرح جھکا ہوا تھا۔

''لمحہ بھر کو مجھے خیال آیا کہ اسے واپس پھیر دوں لیکن میرا جی نہ مانا۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ اس کی اصالت' تیور اور جمال سے کیونکر آنکھیں پھیر لیتا؟ گھوڑے کو اصطبل میں باندھ دیا گیا۔ دوسرے دن سے وہ میری سواری میں رہنے لگا۔ تمہارے اور ابلق گھوڑے کی طرح ہم دونوں میں بھی عجب چاہت اور لگاؤ پیدا ہو گیا۔ میرا بلند قامت زین پشت سمند' جو گردن اٹھا کر چلتا اور بن بن کر زمین پر پاؤں رکھتا' بہت جلد مشہور ہو گیا۔ سرپٹ چال میں وہ صرصر کی طرح فضا کو چیرتا نکل جاتا۔ چونکہ اس کی کمر میں خم تھا' اسی لیے اس پر بیٹھنے میں بڑی راحت ملتی۔

''دو سال گزرے تھے کہ توپ گاڑیاں پٹرول سے چلنے لگیں۔ پرانی چال کی گاڑیاں بارخانوں میں ڈھیر ہوتی گئیں۔ انھیں کھینچنے والے گھوڑے گلوں میں بھیجے جانے لگے۔ فوج سے اصطبل اور گھوڑوں کا صیغہ ختم ہوا' تو میں بھی مجبور ہوا کہ اپنے سمند کو وہاں سے ہٹا لے جاؤں۔ چونکہ میرے پاس رکھنے کا ٹھکانا نہیں تھا' لہٰذا اسے بیچنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ دو تین ہفتے اسی ادھیڑ بن میں گزر گئے۔ میرا دل اس کو الگ کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ تھا۔ بالآخر جب سارے اصطبل خالی ہو گئے اور توپ گاڑیاں ہٹا دی گئیں۔ پھر میرا تبادلہ بھی ہو گیا۔ تب مجھے صبر کرنا پڑا۔

''میری رجمنٹ کا سائیس ایک خریدار کو لے آیا۔ اس نے گھوڑے کو دیکھا بھالا' پسند کر لیا اور پیسے بھی اچھے دیے۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہا کہ اس لاڈلے

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

گھوڑے کو تکلیف نہ دینا۔ اگر اسے بیچے تو کسی ایسے آدمی کو دے جو اس کو فٹن یا چھکڑے میں نہ جوتے۔

"کئی مہینے گزر گئے۔ مجھے اپنے زین پشت سمند کی یاد آتی رہتی۔ جیسا کہ تم نے بتایا' میرا بھی دل چاہتا کہ کسی صورت اسے دیکھوں' تھپ تھپاؤں' اس بے زبان کے منہ کے آگے ہاتھ کروں اور گرم اور نرم سانسوں کو محسوس کروں۔

"ایک دن خیابان شمیران کی چڑھائی پر مجھے ایک اونچا' لاغر سمند گھوڑا دکھائی دیا۔ آنکھیں بجھی بجھی' نڈھال بدن پسینے میں شرابور' مگر اسی آن کے ساتھ جو مجھے اپنے سمند میں نظر آتی تھی' بوجھ سے لدے ایک کھڑکھڑے میں جتا اسے کھینچ رہا تھا۔ کوچوان نیچے اتر کر اس پر چابک برسا اور کھڑکھڑے کو دھکا لگا کر چڑھائی چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ وہی تھا۔ اس کا سنہرا بدن میل' چیل اور پسینے کے لیپ سے چکٹ کر کالا ہو چکا تھا۔ میرا بہت جی چاہا کہ قریب جا کر دیکھوں' اسے پکاروں اور اس کا بدن سہلاؤں' لیکن مجھے شرم سی آ رہی تھی۔ وہ ایسے حال میں نہ تھا کہ میں اس کے سامنے جا سکتا۔ اس کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ دائیں بائیں پٹھوں اور پیٹھ پر چابک کی مار سے نالیاں بن گئی تھیں۔ میں نے سوچا' کوچوان سے بات کر کے اس کی کچھ سفارش کروں' لیکن اس سے کیا ہونا تھا؟ وہ شکستہ حال قیدی' تھکا ہارا زین پشت سمند' جو اب میرا نہیں تھا' اپنے مقدر کا لکھا پورا کر رہا تھا۔ میں خود سمجھ سکتا تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتا ہوگا۔"

☆☆☆

بارش تیز برسنے لگی اور تاریکی پھیل گئی۔ میں اور محمود اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ بلب کی روشنی میں محمود نے مجھے دیکھا اور بولا:

"تمہارا چہرہ بھیگا ہوا ہے۔ روئے ہو؟"

"اس عمر کو پہنچ کر آدمی نہیں روتا۔" میں نے کہا۔ "پانی برس رہا ہے۔" (فارسی عنوان: "باران واشک")

سنہری باتیں

۱۔ دشمن کو کمزور اور حقیر نہ سمجھو، وہ انتقام لینے اور آپ کو شکست دینے کے لیے بھرپور کوشش کرے گا۔

۲۔ دشمن کا مقابلہ کرنا اور اس پر قابو پانا ہی زندگی ہے ورنہ اس کے ہاتھ سے موت کا انتظار کرو۔

۳۔ اگر انسان باہمت بن جائے تو اس کی راہ سے ہر رکاوٹ دُور ہو جاتی ہے۔

۴۔ جو لوگوں کو دکھ دینے والا ہو اس کا اس دنیا سے چلے جانا مفید ہوتا ہے کیونکہ اس کی جلد موت اس کو مزید گناہوں سے روک دیتی ہے اور عوام کی دل آزاری اور تکلیف کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

۵۔ لوگوں کو ستانے والے اور ظلم کرنے والے ایسی دعاؤں پر پریشان ہو کر رہ جاتے ہیں۔

۶۔ نیک دل اور نیک اعمال والے حاکموں کی وجہ سے ملک میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں۔

(شیخ سعدی شیرازیؒ)

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

آنکھیں تکلیف دیتی ہیں!

- ✓ کیا آپ اپنی بیماری کی نوعیت کو سمجھنا چاہتے ہیں؟
- ✓ کیا آپ پریشان ہیں کہ لینز والا اپریشن کرواؤں یا صرف شعائیں لگوالوں؟
- ✓ کالا موتیا کیا ہے اور کیا اِس کا علاج ہوسکتا ہے؟
- ✓ آنکھ کا اپریشن کیسے کیا جاتا ہے؟
- ✓ شوگر آنکھوں کو کیا نقصان پہچاتی ہے؟ اِس سے بچاؤ کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟
- ✓ بچوں کو عینک کیوں لگتی ہے؟ کیا عینک اُتر سکتی ہے؟ لیزر سے عینک اُتارنے کا اپریشن کیسے کیا جاتا ہے؟
- ✓ کیا آپ کو لیزر لگوانے کا مشورہ دیا گیا ہے اور آپ کو سمجھ نہیں آرہی کہ لگوائیں یا نہ لگوائیں کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ لیزر نقصان دہ ہوتی ہے؟
- ✓ آپ نے اپریشن کروایا اب آپ کو کیا اِحتیاطیں کرنی چاہئیں؟

اپنے سوالوں کے جواب جاننے کے لئے مندرجہ ذیل Website کا مطالعہ کریں

www.drasifkhokhar.com

ڈاکٹر آصف کھوکھر
آئی سرجن

ایم بی بی ایس (پنجاب) ایم سی پی ایس (آئی) ایف سی پی ایس (آئی)

AMERICAN ACADEMY OF OPHTHALMOLOGY
MEMBER

آئی سرجن ثریا عظیم ہسپتال لاہور

آئی سرجن لاہور میڈی کیئر انسٹیٹیوٹ آف اپتھیمالوجی لاہور

Cell: 0333-4102266

Email: drasifkhokhar@hotmail.com

آپریشن لاہور میڈی کیئر جیسے جدید ترین آئی ہسپتال میں کئے جاتے ہیں

Vitreoretinal Surgery

- ✓ آنکھ کے پردے کے کھچ جانے (Retinal Detachment) کا آپریشن
- ✓ آنکھ کے اندر خون جمع ہوجانے (Vitreous Hemorrhage) کا آپریشن
- ✓ Macula کو چھپنے والے نقصان سے علاج پیدا ہونے والے آپریشن

Phaco Surgery

- ✓ بغیر ٹیکے اور بغیر ٹانکے سفید موتیا کا علاج
- ✓ قریب اور دور کی نظر بیک وقت تصحیح کرنے والا Multifocal لینز

Laser Surgery

- ✓ ذیابیطس کی وجہ سے Retina کو پہنچنے والے نقصان کا بذریعہ لیزر علاج
- ✓ Excimer لیزر سے کئے جانے والے Epi-LASIK آپریشن کی مدد سے عینک سے نجات
- ✓ Yag - Argon اور Diode لیزر کی مدد سے علاج
- ✓ موتیا کے آپریشن کے بعد بننے والی جھلی کا Yag لیزر سے علاج

Corneal grafting surgery

- ✓ نابینا پن کے شکار شدہ آنکھیں منتقل کرنے کا قرنیہ کی پیوندکاری

Surrayya Azeem Hospital Chawk Chawbugy, Multan Road, Lahore Phone: **03008467242**

www.pdfbooksfree.pk

مشورہ حاضر ہے

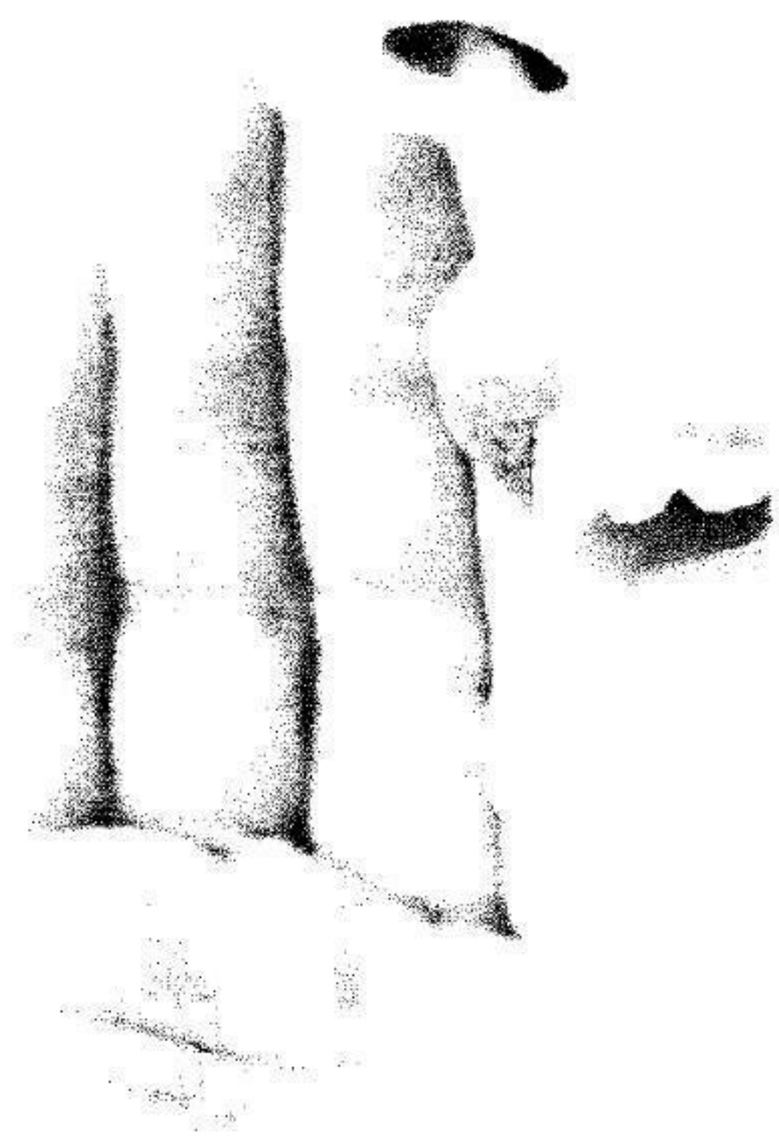

رخسانہ فضل

پچھلے

چند برس کے دوران محترمہ صغیرہ بانو شیریں کی علالت کے باعث ''مشورہ حاضر ہے'' شائع نہیں ہو سکا تھا۔ اب قارئین کی سہولت اور انھیں مدد بہم پہنچانے کے لیے اس کا دوبارہ اجرا کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے، ماضی کے مانند اس نئے سلسلے سے بھی ہمارے ہزاروں لاکھوں قارئین مستفید ہوں گے۔ ادارے کی جانب سے بھی ''مشورہ حاضر ہے'' کو بھرپور بنانے کی سعی جاری رہے گی۔

لیموں پانی جسم پتلا کرتا ہے؟

میں نے سنا ہے کہ اگر روزانہ ایک گلاس گرم پانی میں ایک لیموں نچوڑ کر پیا جائے تو جسم اسمارٹ ہو جاتا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ (عالیہ، لاہور)

☆☆

جدید طبی تحقیق کی رو سے گرم پانی میں لیموں نچوڑ کر پینے سے وزن کم نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی انسان پھلوں کا رس یا چینی والی چائے و کافی چھوڑ کر لیموں والا پانی پیے، تو وزن کم ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس پانی میں رس، چائے اور کافی کی نسبت کم حرارے ہوتے ہیں۔

مزید برآں پانی پینے سے ویسے بھی انسانی نظام استحالہ (Metabolism) متحرک رہتا ہے۔ چاہے پانی گرم ہو یا ٹھنڈا، سادہ ہو یا لیموں والا! ماہرین طب کا کہنا ہے کہ صحت مند ہونے کے لیے جسم میں پانی کی مطلوبہ مقدار ہونا ضروری ہے۔ اس طرح نظام استحالہ کو تقویت ملتی ہے۔ جو لوگ سادہ پانی پینا پسند نہیں کرتے، وہ لیموں کا رس ملا کر اسے ذائقے دار بنا سکتے ہیں۔

پانی میں لیموں ملا کر پینے سے انسان پیٹ میں گیس اور اپھارے سے بھی نجات پا لیتا ہے۔ اگر اپھارہ مسلسل چمٹا رہے، تو ڈاکٹر سے رجوع کیجیے۔ تیزی سے کھانا، نمکی سے بوتلیں نوش کرنا اور زیادہ نمک کھانا اپھارہ چمٹنے کی اہم وجوہ ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

یہ بھی یاد رہے کہ سینے کی جلن (Acid Reflux) کی حالت میں کبھی لیموں والا پانی مت نوش کریں۔ وجہ یہ کہ لیموں میں شامل سائٹرس تیزاب اس حالت کو مزید گمبھیر بنا ڈالتا ہے۔

ہیپاٹائٹس سی اور ڈپریشن

میری ۳۷ سالہ بیگم نے چھے ماہ قبل طبی معائنہ کرایا، تو انکشاف ہوا کہ وہ ہیپاٹائٹس سی میں مبتلا ہیں۔ ان کا علاج جاری ہے۔ تاہم پچھلے چند ہفتوں سے وہ ڈپریشن میں مبتلا ہیں۔ زندگی میں ان کی دلچسپی ختم ہو رہی ہے اور وہ نا اُمید رہتی ہیں۔ اس حالت زار کی وجہ کیا ہیپاٹائٹس ہی ہے؟ (جاوید یوسف، کراچی)

☆☆☆

خلیوں پر جب وائرس حملہ کرے، تو ہیپاٹائٹس سی جنم لیتا ہے۔ یہ وائرس دماغ تک بھی پہنچ سکتا ہے، اسی لیے ڈپریشن پیدا کرتا ہے۔ تاہم مریض میں مختلف وجوہ بھی ڈپریشن کو جنم دیتی ہیں۔ مثلاً بیماری سے پریشانی، مالی تنگی، گھریلو ناچاقی وغیرہ۔ لہٰذا صرف طبی معائنے کے ذریعے ہی پتا چل سکتا ہے کہ آپ کی بیگم میں ڈپریشن نے کیوں جنم لیا۔

ادویہ کے علاوہ بھی ڈپریشن کا علاج ممکن ہے۔ مثال کے طور پر ورزش کیجیے یا جسمانی سرگرمی اپنائیے۔ فولک ایسڈ والی غذائیں کھائیے مثلاً ساگ۔ نیند پوری لیجیے۔ سونے سے ذہن کو آرام ملتا ہے۔ مزید برآں بیگم کو سیر و تفریح کرائیے اور کبھی کبھی مزاحیہ فلم بھی دکھائیے۔

☆☆☆

بازوؤں اور ٹانگوں کے بال

میری عمر بیس سال ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بازوؤں اور ٹانگوں پر بہت کم بال ہیں۔ اس باعث لڑکے مجھے چھیڑتے ہیں۔ کیا اس مسئلے کا مداوا ممکن ہے؟ (ذوالفقار احمد، راولپنڈی)

☆☆☆

انسانی جسم پر مختلف وجوہ کی بنا پر کم یا زیادہ بال ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے، تو اس کا تعلق جینیات سے ہے۔ بالوں کے نمونے اور زیادہ یا کم بڑھنے کا معاملہ بچوں کو ماں کی طرف سے ملتا ہے۔ اگر ماں کے مردانہ رشتے دار سر یا جسم پر بال کم رکھتے ہوں، تو اس کے بچے بھی بالوں سے محروم رہیں گے۔

مزید برآں مختلف ہارمون بھی بالوں کی افزائش پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً غدہ تھائرائیڈ میں خلل بالوں کی نشوونما تیز کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ہائپوتھالمس (Hypothalmus) اور صنوبری (Pituitary) غدود بھی بالوں کی افزائش نہیں ہونے دیتے۔ آپ

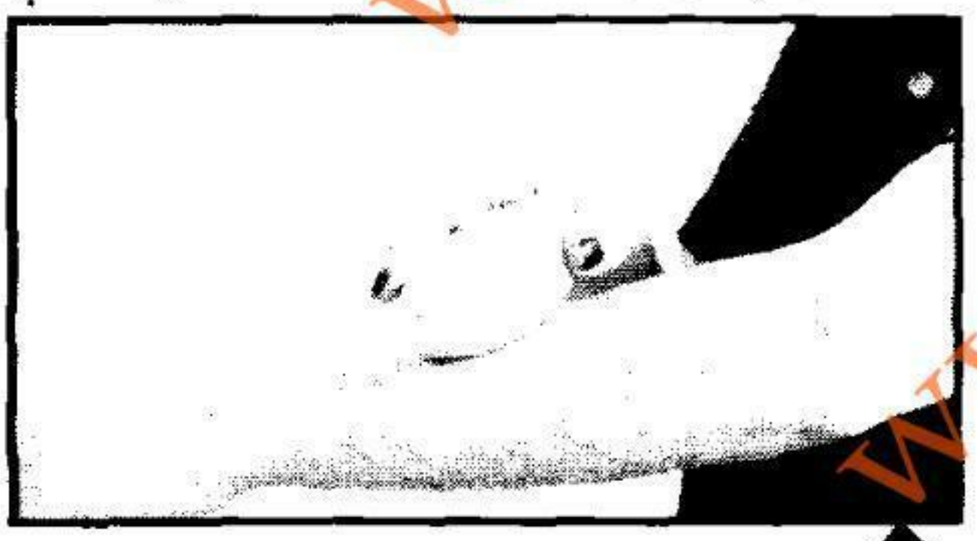

قارئین توجہ فرمائیں

موبائل نمبر ۰۳۰۳-۴۴۸۰۸۱۴ پر اپنا مسئلہ بھیجتے ہوئے اپنا نام اور شہر کا نام ضرور لکھیے، اس نمبر پر میسج صرف وصول کیے جاتے ہیں۔ جواب نہیں دیا جاتا۔ مسئلہ ڈاک سے بھیجنے کے علاوہ اُردو ڈائجسٹ کے فون نمبر پر بھی لکھوایا جا سکتا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ہارمونوں کی مقدار کا ٹیسٹ کرائیے، ان کی کمی بازو اور ٹانگوں پر بال اگنے نہیں دیتی۔

جدید طبی تحقیق سے پتا چلا ہے کہ بائیوٹین (Biotin) وٹامن بالوں کی افزائش میں مددگار بنتا ہے۔ انسان کو روزانہ ۲۰۵ ملی گرام یہ وٹامن درکار ہوتا ہے۔ آپ اسے غذا (انڈا، پھلی، پنیر، کیلا) کی صورت لیجیے یا پھر ملٹی وٹامن کھائیے۔

غذائیات سے بھرپور خوراک لیجیے جو معدنیات اور وٹامن سے بھرپور ہو۔ ایسی ہی غذا سے بالوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ اگر بالوں کو مطلوبہ وٹامن اور معدن نہ ملیں، تو وہ مرنے لگتے ہیں۔

بازوؤں اور ٹانگوں کی مالش کیجیے۔ ہاتھوں کو دائروں میں حرکت دیجیے اور بدن پر خاصا دباؤ ڈالیے۔ مالش سے دوران خون تیز ہوتا ہے، لہٰذا بالوں کی تھیلیوں (Follicles) تک غذائیات بہ سرعت پہنچتی ہے۔

ہفتے میں دو بار بازو اور ٹانگیں سکرب یا جھانویں سے صاف کیجیے۔ سکرب اچھی طرح جلد پر رگڑیے تاکہ مردہ خلیے صاف ہو جائیں۔ عموماً یہ خلیے بالوں کی تھیلیوں کے منہ پر جم جاتے ہیں لہٰذا بال صحیح طرح اگ نہیں پاتے۔

اے، بی ۳، بی ۶ اور بی ۱۲ وہ وٹامن ہیں جو بالوں کی نشوونما کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ غذائیں باقاعدگی سے کھائیے جن میں یہ وٹامن موجود ہوں۔

ہفتے میں ایک دو بار بازوؤں اور ٹانگوں پر یوکلپٹس یا اکلیل کوہستانی (Rosemary) کا تیل لگائیے۔ یہ تیل جلد کے خلیوں کو متحرک کرتے ہیں۔ یوں بالوں کی تھیلیاں بھی متحرک ہوتی اور بال جلد اگتے ہیں۔ یہ تیل آپ کو حکیم یا پنساری کی دکان سے مل جائیں گے۔

خیال رکھیے کہ ہر رات سات آٹھ گھنٹے کی نیند لیجیے۔ اگر نیند پوری نہ ہو، تو ہمارا بدن جسمانی افعال صحیح طرح انجام نہیں دے پاتا جن میں بالوں کی نشوونما بھی شامل ہے۔

برش میں جما پینٹ

میں نے پچھلے سال گھر میں سفیدی کرائی تھی۔ بدقسمتی سے میں برش صاف کرنا بھول گئی۔ اب ان میں روغن (پینٹ) جما ہوا ہے اور وہ پتھر کی طرح سخت ہو چکا۔ کیا برشوں سے یہ روغن اتارنا ممکن ہے؟

(بیگم جمیلہ خان، حیدرآباد)

روغن میں جم جانے والے مختلف کیمیائی مادے شامل ہوتے ہیں۔ اسی لیے روغن تادیر کھلی ہوا میں رہے، تو جم جاتا ہے۔ تاہم اسے اُتارنے کے طریقے موجود ہیں تاکہ برش دوبارہ قابل استعمال بنایا جا سکے۔

سب سے پہلے تو ایک گیلن پانی میں آدھی پیالی کپڑے نرم کرنے والا محلول (Fabric Softner) ڈالیے۔ دونوں کو اچھی طرح ملائیے۔ پھر اس محلول سے برش دھوئیے۔

اگر یہ تدبیر کارگر نہ ہو، تو ایک برتن میں اتنا سفید سرکہ ڈالیے کہ برش اس میں ڈوب جائیں۔ پھر برتن آگ پر رکھ کر ابالیے۔ جب ایک ابال آجائے، تو دو تین منٹ سرکے کو ابلنے دیں پھر برتن اتار دیں۔

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

تھوڑی دیر بعد برش نکالیے اور انگلیوں سے ان پر لگا روغن ہٹا دیجیے۔ زور نہ لگائیے، نرمی و نفاست سے یہ کام کیجیے۔ ورنہ برش کے بال اکھڑ سکتے ہیں۔ آپ نلکے کے پانی میں بھی برش دھو سکتی ہیں۔ امید ہے کہ اس تدبیر سے آپ کے برش قابل استعمال ہو جائیں گے۔

فرنیچر میں پڑی خراشیں اور نشان

میرے گھر میں لکڑی کا قدیم فرنیچر موجود ہے۔ امتداد زمانہ کے باعث اس میں خراشیں اور نشان پڑ چکے۔ کیا یہ خرابی دور ہو سکتی ہے؟ (عفیفہ امتیاز، پشاور)

☆☆☆

لکڑی کا فرنیچر گھر کی آن و شان بڑھاتا ہے۔ مگر جب اسے استعمال کیا جائے، تو قدرتاً اس پر نشان و خراشیں پڑ جاتی ہیں۔ تاہم تجربات سے ایسے نوسکے و طریقے دریافت ہو چکے جن کی مدد سے فرنیچر کے اکثر نشان دور کرنا ممکن ہے۔ بعض نوسکے درج ذیل ہیں۔ انھیں استعمال کیجیے، کوئی نہ کوئی کارگر ثابت ہوگا۔

☆ ثابت اخروٹ خراشوں اور نشانات پہ رگڑیے۔ یہ طریق کار گہرے رنگ والے فرنیچر پہ زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ بیشتر خراشیں غائب ہو جاتی ہیں۔

☆ بارہ چمچ زیتون کا تیل اور چار چمچ سفید سرکہ لیجیے۔ دونوں محلول اچھی طرح ملائیے۔ پھر نرم سوتی کپڑا آمیزے میں ڈبو کر نفاست سے فرنیچر پر پھیریے۔ اگر آمیزہ کم ہو، تو آپ درج بالا حساب سے مزید بنا سکتی ہیں۔

☆ لکڑی کی میز پر گرم برتن رکھنے سے اس پر نشان پڑ جاتا ہے۔ یہ نشان ہٹانے کے لیے ویزلین استعمال کیجیے۔ کارگر ثابت ہوتی ہے۔

☆ تیل اور وارنش ملا کر "نیک آئل" تیار ہوتا ہے۔ یہ تیل بھی فرنیچر پر پھیرنے سے اکثر خراشیں اور نشان جاتے رہتے ہیں۔ یہ فرنیچر کو چمکا بھی دیتا ہے۔

☆ کافی بنائی جائے، تو اس کی تلچھٹ پیالی کے نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ یہ تلچھٹ بھی خصوصاً گہرے رنگ کے فرنیچر کی خراشیں دور کرنے میں کام آتی ہے۔

☆ فوڈ گریڈ معدنیات تیل (Mineral Oil) بھی فرنیچر پر پھیرا جاتا ہے۔ یہ بیشتر خراشیں اور نشان ختم کر کے فرنیچر کو تر و تازہ بنا دیتا ہے۔

کمپیوٹر اسکرین اور آنکھیں

میں کمپیوٹر سافٹ ویئر انجینئر ہوں۔ ایک کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں جہاں روزانہ مجھے چھے سات گھنٹے مسلسل کمپیوٹر کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اسکرین پر مسلسل نگاہیں جمائے رکھنے سے میری آنکھوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہے۔

(خلیق احمد، کوئٹہ)

بوڑھا ہو جوان یا بچہ، کوئی بھی روزانہ چھے سات

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

گھنٹے کمپیوٹر، آئی پیڈ یا اسمارٹ فون پر نظریں جمائے رکھے، تو آنکھوں کے بعض مسائل ضرور پیدا ہوتے ہیں۔ ماہرین طب نے ان مسائل کو "کمپیوٹر وژن سائنڈروم" (Computer Vision Syndrome) کا نام دیا ہے۔

ان مسائل میں نظر دھندلا جانا (Blurred Vision)، ایک چیز کا دو دو دکھائی دینا (Double Vision)، آنکھیں خشک اور سرخ ہونا، آنکھوں میں تکلیف ہونا، سر درد اور گردن یا کمر میں درد شامل ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کمپیوٹر روزانہ استعمال کرنے والے ۵۰ تا ۹۰ فیصد مرد و زن درج بالا مسائل میں سے کسی نہ کسی مسئلے کا شکار بنتے ہیں۔ خصوصاً جن کی نظر کمزور ہو یا وہ آنکھوں کی کسی خرابی میں مبتلا ہوں، وہ کمپیوٹر وژن سائنڈروم کا شکار بن جاتے ہیں۔

لیکن یہ مسائل آنکھوں کا کوئی خطرناک مرض مثلاً موتیا بند پیدا نہیں کرتے اور نہ ہی نظر کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ انسان جب کمپیوٹر اسکرین سے ہٹ کر آرام کرے، آنکھوں کو سکون دے، تو بیشتر خرابیاں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔

انسان کام کے دوران بعض ٹوٹکے استعمال کرے، تو وہ کمپیوٹر وژن سائنڈروم سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہ ٹوٹکے درج ذیل ہیں:

☆ اسکرین پر روشنی کی چمک پڑ رہی ہو تو اسے ہٹانے کی تدبیر کیجیے۔ روشنی یا اسکرین کی چمک آنکھوں کو جلد تھکا دیتی ہیں۔ اس لیے مانیٹر کی چمک مدھم رکھیے۔ یا پھر آپ اسکرین پر آنکھوں کو چمک دمک سے محفوظ رکھنے والا فلٹر بھی لگا سکتے ہیں۔

☆ مانیٹر کو آپ کی نگاہوں سے تھوڑا نیچے ہونا چاہیے۔ مزید برآں اسکرین کو آنکھوں سے کم از کم ۲۰ تا ۲۸ انچ دور رکھیے۔ اس طریقے سے گردن اور آنکھوں پر غیر ضروری دباؤ نہیں پڑتا۔

☆ ہر ۲۰ منٹ بعد اسکرین سے نظر ہٹائیے۔ کھڑکی کو دیکھیے یا ۲۰ سیکنڈ تک کمرے کا جائزہ لیجیے۔ اس طرح آنکھوں کو کچھ سکون مل جاتا ہے۔ مزید برآں وقفے وقفے سے آنکھیں ضرور جھپکائیے تاکہ وہ نم رہیں۔ آنکھیں خشک ہو جائیں، تو تکلیف ہوتی ہے۔

تازہ روٹی

میں جب روٹی پکاتی ہوں، تو وہ کچھ عرصے بعد ٹھنڈی ہو کر سخت ہو جاتی ہیں۔ انھیں دیر تک نرم اور تازہ رکھنا کس طرح ممکن ہے؟

(شہلا جمال، مظفر آباد، آزاد کشمیر)

ج: تجربے کار خواتین روٹیاں تادیر تازہ رکھنے کی خاطر مختلف طریقے آزماتی ہیں۔ یوں اہل خانہ ان سے خوش رہتے ہیں۔ خاص طور پر شوہر ٹھنڈی و سخت روٹیاں کھانے سے بہت چڑتے ہیں۔ چناں چہ روٹی نرم و تازہ رکھنے کی کچھ تدابیر درج ذیل ہیں:

☆ روٹیاں پکاتے ہی انھیں کپڑے میں لپیٹ بند

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

ڈبے میں رکھ دیجیے۔ ڈبے میں قید حرارت انھیں نرم و تازہ رکھے گی۔

پانی کے ساتھ دودھ ملا کر آٹا گوندھیے۔ اس آٹے کو ایک گھنٹا کھلا چھوڑ دیں، پھر روٹی پکائیے۔ دودھ کی جگہ مکھن یا گھی بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ چھے سات روٹیوں والے آٹے کے لیے تین چمچ دودھ کافی ہوگا۔

البتہ پانی آٹے میں ڈالیے اور چمچ کی مدد سے ملائیے۔ جب آمیزہ بن جائے، تو اسے ۱۰ منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر ہاتھ سے گوندھیے۔ آٹے میں دو چمچ تیل یا گھی ملائیے۔ جب روٹی پکائیے، تو اسے بند ڈبے میں رکھتی جائیے۔

ٹوتھ برش کون سا بہتر؟

اس وقت بازار میں کئی اقسام کے ٹوتھ برش دستیاب ہیں۔ یہ بتائیے کہ کون سا ٹوتھ برش بہتر رہے گا۔ (جاوید نقوی، گوجرانوالہ)

ج: دانتوں کی صفائی جسمانی صحت کے لیے ضروری ہے۔ دانتوں میں کوئی خرابی ہو جائے، تو پورا جسم متاثر ہوتا ہے۔ دانتوں کی صفائی کے سلسلے میں جدید طبی تحقیق نے جو گر بتائے، وہ درج ذیل ہیں:

ٹوتھ برش ایک انچ لمبا اور آدھ انچ چوڑا یعنی چھوٹا ہونا چاہیے۔ وجہ یہ کہ چھوٹا برش ہی منہ کے تمام حصوں میں با آسانی پہنچ سکتا ہے۔ اس کا ہینڈل گول اور لمبا ہونا چاہیے۔ برش کے بال نائلون سے بنے ہوں۔ ان کے کنارے گولائی رکھیں تاکہ وہ دانتوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

تین چار ماہ روزانہ استعمال کے بعد برش کے بال ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ٹوتھ برش بدل دیجیے۔

جب بھی دانت صاف کریں، تو یہ عرصہ کم از کم تین چار منٹ پہ محیط ہونا چاہیے۔ اسی عرصے میں دانتوں کی مؤثر صفائی ہو جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ایک دو منٹ برش کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔

بہتر ٹوتھ پیسٹ وہ ہے جس میں فلورائیڈ شامل ہو۔ وجہ یہ کہ یہ معدن دانتوں میں خلا (Cavity) پیدا نہیں ہونے دیتا۔ مزید برآں برش کرنے کے بعد پانی سے کلی ضرور کیجیے، مگر دانتوں پر انگلیاں نہ پھیریے۔ وجہ یہ کہ ٹوتھ پیسٹ کے ذرات دانتوں سے چپک کر جراثیم کو وہاں گھر نہیں بنانے دیتے۔

پھلوں کی مٹھاس

میرا ایک دوست پھل نہیں کھاتا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ پھل شکر سے بھرے ہوتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ (نوید اکرم، نواب شاہ)

ج: یہ درست ہے کہ پھلوں میں شکر پائی جاتی ہے، مگر ان میں معدنیات، وٹامن اور دیگر صحت بخش غذائی مادے (Nutrients) بھی ملتے ہیں۔ مزید برآں پھلوں میں قدرتی شکر، فروکٹوز پائی جاتی ہے۔ اس کی مناسب مقدار ہمیں تندرستی بخشتی ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک کنو یا سیب تناول کریں، تو ہمیں شکر کے ساتھ وٹامن سی، وٹامن اے، فائبر اور دیگر غذائی مادے حاصل ہوتے ہیں۔ ان دونوں پھلوں میں شکر کی مقدار دو تین چمچیاں ہی ہوتی ہیں۔ جبکہ بوتل پی جائے، تو اس سے ہمیں کوئی وٹامن یا غذائی مادے نہیں ملتے، البتہ چینی کے آٹھ دس چمچ ضرور مل جاتے ہیں۔ یہی چینی بلڈ پریشر اور ذیابیطس سمیت ہمیں کئی بیماریوں میں مبتلا کرتی ہے۔

◆◆◆

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

"میرے اللہ! میں کس قدر خوش نصیب ہوں۔" میں منمنائی۔ مسلسل آٹھ گھنٹے تک ہیرے جواہرات کے درمیان رہنے کا تصور ہی کس قدر خوابناک اور دل گداز تھا۔ بہت پریشانیاں اٹھانے کے بعد پہلی ملازمت ملی تھی اور وہ بھی عارضی۔ کوہ نور جیولرز لمیٹڈ کمپنی میں عیدین کے دوران کام بے تحاشا بڑھنے کی وجہ سے انھیں چند عارضی سیلز گرلز کی ضرورت پڑ گئی اور ایک ہمدرد کی مدد سے میرا انتخاب بھی عمل میں آ گیا۔

میں نے گھر پہنچ کر ماں کو یہ خوشخبری سنائی۔ وہ فرط مسرت سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچیں۔ چند لمحوں بعد اپنے ہوش و حواس میں آئیں، تو انھوں نے کہا "چلو اچھا ہوا، اب ہمیں مٹی کے برتن بنانے سے تو نجات مل گئی۔ کم از کم اب اس بات کا خطرہ تو نہیں کہ برتنوں کی طرح ہیرے بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔"

اکثر و بیشتر میرے ہاتھوں سے برتن گر کر ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ میری ماں چوبیس گھنٹے مجھے برا بھلا کہا کرتی تھیں۔ "اچھا اب وہاں احتیاط سے اور دل لگا کر کام کرنا۔" یہ جملہ ادا کرنے کے بعد انھوں نے بڑے پیار سے مجھے گلے لگایا اور خدا حافظ کہہ کر اپنی خواب گاہ میں چلی گئیں۔

میری یہ ملازمت ہم دونوں کے لیے بے حد اہمیت کی حامل تھی۔ والد کا ایک سال قبل انتقال ہو گیا تھا۔ ان دنوں ہم سخت پریشانی اور زبوں حالی کا شکار تھے۔ گریجویشن کرنے کے بعد میں نے پورا سال مختلف دفاتر کے چکر کاٹتے ہوئے گزار دیا، لیکن قسمت نامہربان تھی۔ بڑی مشکلوں کے بعد بالآخر عارضی ملازمت مل گئی۔

اگرچہ علمی لحاظ سے میرے اندر کوئی خاص صلاحیت

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

نہیں تھی اور نہ ہی مجھے گاہکوں سے بات کرنے کا ڈھنگ آتا تھا۔ لیکن نجانے کیسے میرے اندر ایک خداداد صلاحیت سمت آئی۔ میں گاہک کی شخصیت کو پرکھ کر فوراً تاڑ جاتی کہ اسے کس چیز کی تلاش ہے۔ پھر اس کی پسند کی چیز فوراً اس کے سامنے رکھ دیتی۔ یہ صلاحیت میرے حق میں بہت فائدہ مند ثابت ہوئی۔ کمپنی میں ہر شخص میری مستعدی اور کارکردگی کی تعریف کر رہا تھا۔ پندرہ روز بعد ہی میری ذمے داریوں میں اضافہ ہوگیا۔ مجھے وہ کام سونپے گئے جو نہایت تجربہ کار اور قابل اعتماد سیلز گرلز کے لیے مخصوص تھے۔ ''یہ تمھارے لیے ایک اعزاز ہے۔'' مسٹر ارباب رستم نے میری تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم نے اسی لگن اور محنت سے کام کیا تو ہم تمھیں مستقل ملازمت بھی دے سکتے ہیں۔''

ڈائمنڈ ڈپارٹمنٹ کوہ نور جیولرز کے قلب کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں قیمتی ہیرے جواہرات کی خرید و فروخت مسلسل جاری رہتی۔ پہلی منزل پر ایک سمت ایک فراخ نمائشی کھڑکی بنی ہوئی تھی جس کے بعد کاؤنٹر اور شوکیس بچھے تھے۔ پھر وہ مستطیل نما اسٹال تھے جہاں جواہرات اور نقش کاری کیے ہوئے زیورات گاہکوں کو دکھائے جاتے۔ اس سے آگے کیشیئر کا کمرا اور سب سے آخر میں مہاگنی کے آبنوسی فرنیچر سے آراستہ پیراستہ مسٹر ارباب رستم کا شاندار دفتر تھا۔

میرے فرائض میں تمام اشیا کو قرینے سے لگانا اور انھیں صاف ستھرا رکھنا بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ کاریگروں کو ہدایات پہنچانا اور مختلف پیغامات لے کر ادھر سے اُدھر دوڑنا بھاگنا بھی میرے ذمے تھا۔ میری ساتھی ایک دبلی پتلی لڑکی تھی جسے کام کرتے ہوئے دو سال ہو رہے تھے۔ اس کا نام فریدہ تھا۔ ہم دونوں کو ہر ڈراؤنے خیالات گردش کرنے لگتے۔ یہ خیال میری نیند

مصنّفہ سے ملیے

امریکہ کی افسانہ نگار، ناول نگار اور شاعرہ، سارا اورن جیوٹ ۳ ستمبر ۱۹۴۹ء کو ساؤتھ برویک نامی میں پیدا ہوئی۔ بچپن ہی میں لکھنے سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ بقیہ عمر کہانیاں اور ناول لکھتے گزری۔ انسانی زندگی کے معاشرتی مسائل سارا کی تخلیقات کے موضوع رہے۔ ۲۴ جون ۱۹۰۹ء کو چل بسی۔ سارا کا شمار امریکا کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

ہم اپنے کان گھنٹی کی آواز پر مرکوز رکھنے پڑتے۔ پھر ہمیں اپنی ہوشیار آنکھیں بھی رکھنی پڑتی تھیں کہ کہیں کوئی شخص شور ہنگامے اور گہما گہمی کا فائدہ اٹھا کر کوئی چیز غائب نہ کر دے۔

مجھے یہ ملازمت کرتے ہوئے بے حد لطف آنے لگا۔ سچ پوچھیے تو صبح کا وقت مجھے بے حد پسند تھا۔ یہ وہ وقت ہوتا جب ہم لوگ مل جل کر صفائی کیا کرتے اور ایک ایک زیور جھاڑ پونچھ کر دوبارہ اُسی جگہ رکھتے۔ اتنے سارے زیورات کو اپنے ہاتھ سے چھوتے مجھے ایسا سرور ملتا جس کا بیان میرے ذخیرہ الفاظ میں نہیں۔

عید کے دن جیسے جیسے نزدیک آ رہے تھے، خریداروں میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ میں ہر دم مصروف رہتی اور مجھے کچھ سوچنے کا وقت نہ ملتا۔ لیکن رات کو جب میں بستر پر لیٹتی، تو ذہن میں عجیب و غریب

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

اُڑا دیتا کہ جلد یہ عارضی ملازمت چھن جائے گی۔ اس کے بعد پھر میں ہوں گی اور وہی کسمپرسی کا عالم! خدا جانے دوسری نوکری کی تلاش میں کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑیں۔

ایک شام مسٹر ارباب رستم میرے سپروائزر کامران مرزا سے گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے شک گزرا کہ یہ گفتگو میرے متعلق ہو گی۔ میں سن گن لینے ایک کونے میں کھڑی ہو گئی اور اپنے کان ان کی طرف لگا دیے۔ ارباب صاحب کہہ رہے تھے۔ ''مجھے یہ لڑکی شائلہ بڑی محنتی اور صلاحیتوں سے بھرپور نظر آتی ہے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' خدا کامران صاحب کو خوش رکھے۔ انھوں نے بھی میری خوب تعریف کی۔

تب ارباب صاحب نے کہا ''میرا خیال ہے ہمیں اس کی ملازمت مستقل کر دینا چاہیے۔''

گفتگو ختم ہو گئی لیکن میرا پورا سراپا آسمان پر اڑنے لگا۔ میری خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ارباب صاحب اور کامران صاحب میرے لیے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے تھے۔

لیکن دوسرا دن میری توقعات کے برعکس نہایت منحوس انداز میں شروع ہوا۔ صبح ہی صبح میں اپنی ڈیوٹی شروع کرنے دکان میں داخل ہو رہی تھی کہ نجانے کس طرح میری قمیص دروازے میں پھنسی اور پچھلی جانب سے ذرا سی پھٹ گئی۔ نفاست پسند اور دیدہ زیبی کے دلدادہ کامران مرزا نے حکم دیا کہ میں فوراً باہر نکل کر نئی قمیص خرید لاؤں جس کی قیمت وہ کمپنی کے حساب میں سے ادا کر دیں گے۔ میں نے دیکھا کہ فریدہ ابھی نہیں آئی تھی۔ اب اگر میں بھی باہر نکل جاتی، تو کام کون کرتا؟ میں نے یہ بات کامران صاحب کو بتائی تو وہ خاموش ہو گئے۔

گویا مجبوراً اس بات پر راضی ہوئے کہ فریدہ کے آنے تک میں باہر نہ جاؤں۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ فریدہ کا بھائی اس کی چھٹی کی درخواست لیے آ گیا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لہٰذا وہ کام پر نہیں آ سکتی۔ گاہکوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ چناں چہ میں کام پہ لگ گئی۔ عید میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا، ہر آدمی بے حد مصروف اور چاق چوبند نظر آتا۔

میں سارا دن بے حد مصروف رہی۔ فریدہ کے نہ ہونے سے اس کا کام بھی مجھے سنبھالنا پڑا۔ شام کے چار بج رہے تھے کہ نچلی منزل کی سپروائزر مس شاہینہ کا نادر شاہی حکم موصول ہوا ''آخری شوکیس میں سے ہیرے اور زمرد جڑے ہوئے انگوٹھیوں کا سیٹ نکال کر لاؤ۔'' میں نے کافی پھرتی دکھائی۔ انگوٹھیوں کا طشت میرے ہاتھ میں تھا۔ اچانک جو میری نگاہ اٹھی تو دیکھا کہ دوسری طرف شوکیس کے پیچھے ایک شخص کھڑا تھا۔ وہ عام سا بے کشش نوجوان تھا، لیکن نجانے مجھے کیا ہوا کہ میں بے اختیار اس کی جانب تکتی رہی۔

نوجوان کا کوٹ اگرچہ تراش خراش کے لحاظ سے بہترین تھا لیکن صفائی نہ ہونے کے باعث اس پر جگہ جگہ داغ دھبے صاف نظر آ رہے تھے۔ بال روکھے اور کنگھی سے بے نیاز تھے۔ چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں غم کی علامت بنی ہوئی تھیں۔ ظاہری حلیہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ بھی ان ہزاروں بیروزگاروں میں سے ایک ہے جو یونیورسٹی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ملازمت کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہر روز امید کی ایک کرن طلوع ہوتی اور پھر غروب ہو جاتی ہے۔

میرے دل میں اچانک ہمدردی کا احساس جاگ اٹھا لیکن پھر فوراً اسے اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ ان

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material

لغویات میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ آخر میں کر بھی کیا سکتی ہوں؟ اچانک مس شاہینہ کی آواز انٹرکام پر گونجی ''اتنی دیر سے کیا کر رہی ہو؟'' وہ سخت برہم تھیں۔ ''انگوٹھیوں کے ساتھ وہ کلپ بھی لے کر آؤ جو ہم بطور تحفہ گاہکوں کو دیتے ہیں۔ لیکن خدا کے لیے جلد آجاؤ۔''

کلپ لینے مجھے اسٹور جانا پڑا۔ جب میں کلپ لے کر نکلی تو میرا ہاتھ مارے گھبراہٹ کے دروازے سے ٹکرا گیا۔ ٹرے میرے ہاتھوں سے نکلی اور چھ انگوٹھیاں ادھر ادھر بکھر گئیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ کامران صاحب تیزی سے میری جانب بڑھے۔ انھوں نے بڑی شفقت سے مجھے دلاسا دیا۔ وہ یہ حقیقت سمجھ رہے تھے کہ میرے اوپر کام کا بہت بوجھ ہے۔ ''کوئی بات نہیں مس ثمائلہ، ایسا ہو جاتا ہے۔ آپ جلدی سے ان انگوٹھیوں کو اکٹھی کر کے مس شاہینہ کے پاس لے جائیں۔ وہ انتظار کر رہی ہیں۔''

پانچ انگوٹھیاں مجھے فوراً مل گئیں۔ انھیں میں نے طشت میں مقررہ جگہ پر لگا دیا' لیکن ہزار کوشش کے باوجود چھٹی انگوٹھی نظر نہیں آئی۔ میں نے گھبراتے ہوئے چاروں جانب نظر دوڑائی۔ شوکیسوں کے درمیان خالی جگہ کو بھی بغور دیکھ لیا' مگر وہ کہیں نہیں ملی۔ اس دوران مس شاہینہ خود اندر آگئیں۔ جب انھیں صورت حال کا علم ہوا، تو وہ مجھے چھٹی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دے کر بقیہ انگوٹھیاں خود لے گئیں۔ میری حالت دگرگوں ہو رہی تھی کہ آخر وہ انگوٹھی گئی کہاں؟

اچانک میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ نوجوان نہایت ہوشیاری کے ساتھ آہستہ آہستہ کھسکتا باہر جا رہا تھا۔ میں جان گئی کہ وہی چور ہے۔ میری نگاہوں میں فوراً وہ منظر گھوم گیا جب وہ اندر داخل ہونے کے بعد ہر چیز کو یوں للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا موقع ملتے ہی انھیں اٹھا کر جیب میں رکھ لے۔ مزید ستم یہ کہ اتنی دیر تک سوائے ادھر ادھر ٹہلنے کے اس نے اور کچھ نہیں کیا تھا۔ کم سے کم ایک آدھ چیز کی قیمت ہی معلوم کر لیتا۔ میں تیزی سے اس کی جانب لپکی۔ ابھی اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل ہی پر تھا کہ میں نے اسے جا لیا۔

''معاف کرنا مسٹر.....'' مجھے آج تک کسی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ مجھے معلوم ہے کہ ان حالات سے کس طرح نمٹنا چاہیے۔ ''میری بات سن کر وہ مڑا اور استفہامیہ نظروں سے میری جانب دیکھا' لیکن میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ میری قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔ میں دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہی تھی کہ میرا مستقبل تباہ ہونے سے بچ جائے۔ ایک قیمتی انگوٹھی کا غائب ہو جانا ناقابل معافی جرم تھا۔

''تم نے مجھے کیوں روکا ہے؟ تم کیا چاہتی ہو؟'' اس نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کے عضلات کرخت ہو چکے۔ میں انتہائی بے بسی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ یہ یقین ہو جانے کے باوجود کہ انگوٹھی اسی کے پاس ہے، میرا دل اس کی طرف سے بدظن نہیں ہوا بلکہ مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ چوری کی نیت سے نہیں آیا۔ بس اچانک خاص لمحے میں بلا ارادہ اس سے یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ شاید مفلسی اور بیروزگاری نے اسے مجبور کر دیا۔ میں شروع ہی سے دیکھ رہی تھی کہ وہ مال دار لوگوں کو بڑی حسرت سے بے ضرورت خریداری کرتے دیکھ رہا تھا جبکہ اس کے پاس کئی وقت کے فاقوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میری بری حالت دیکھ کر

www.pdfbooksfree.pk
Copyrighted material